اگیا بیتال

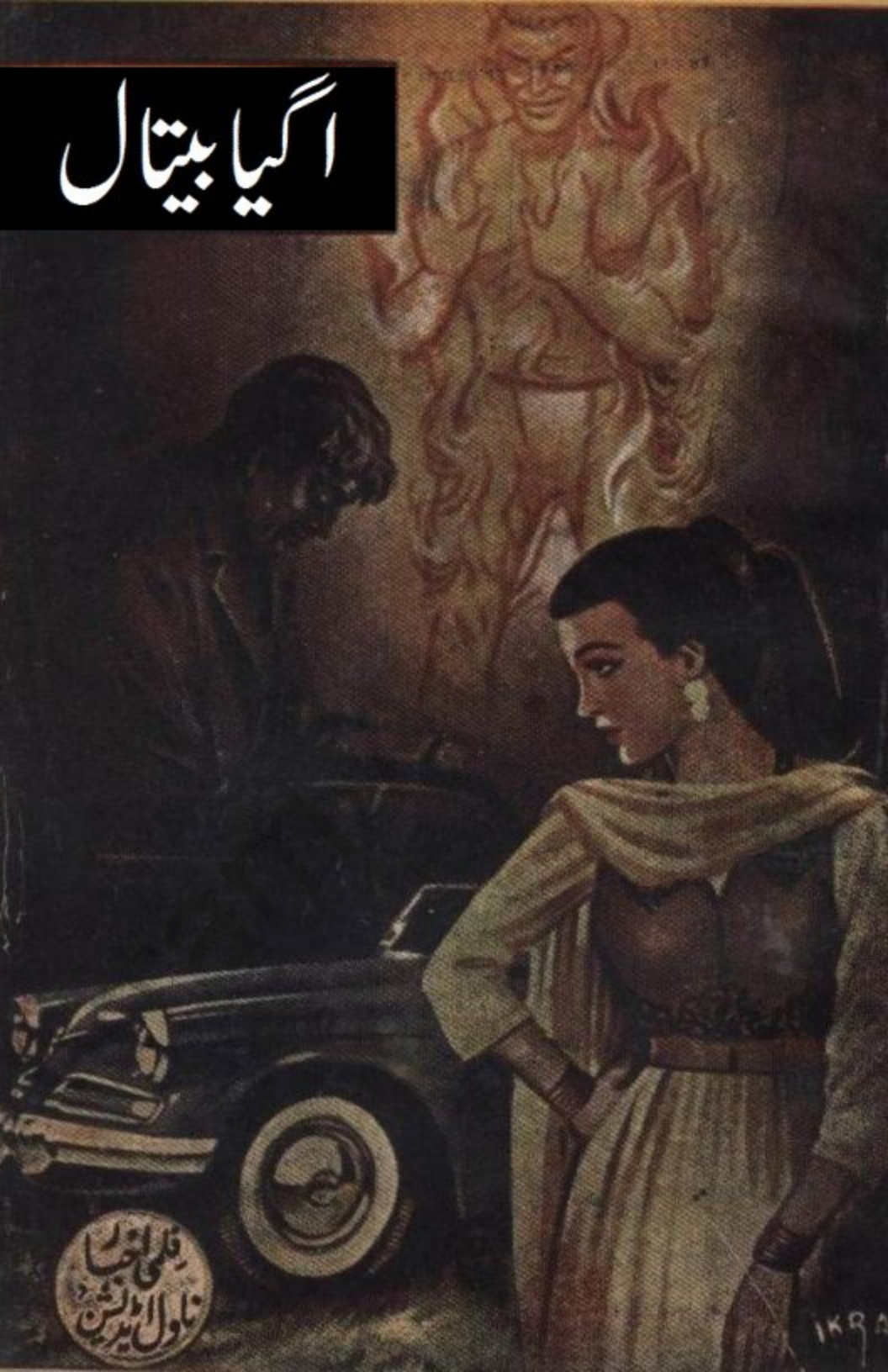

جاسوسی دائرہ سیریز

اگیابیتال

اکرم الہ آبادی

Akram Allahabadi

فرحت پبلیکیشنز۔ممبئی۔انڈیا

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں

اس ناول میں شائع ہونے والے تمام واقعات،
مقامات و کردار فرضی ہیں۔اس سے کسی طرح
کی مطابقت محض اتفاقیہ ہے۔جس کی مصنف،
پبلشر و پرنٹر پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

اس ناول کی دوبارہ اشاعت، ترجمے یا کسی اور مقصد سے استعمال کے
لئے پبلشر کی تحریری اجازت ضروری ہے ورنہ قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔

پرنٹر:۔۔۔۔۔ممبئی۔انڈیا

Akram Allahabadi

بھیانک لاش

پولیس ہیڈ کوارٹرز کے ایمرجنسی ڈپارٹمنٹ کا ڈائل، اوا و، (00)، ساتویں سیکشن میں مسلسل رنگ کر رہا تھا۔ ساتواں سگنل شمالی مضافاتی علاقے پر مشتمل تھا۔

آپریٹر سوئچ آن کر کے کال رسیو کرنے بیٹھ گیا۔

''میں ویلا واڑی سے بول رہا ہوں۔ مجھے بچایئے، کچھ نامعلوم سائے میرا پیچھا کر رہے ہیں۔'' دوسری طرف سے ایک کانپتی ہوئی گھبرائی آواز سنائی دی۔

''اس وقت کس مقام پر ہیں؟''

''میں اس وقت آپ کو ویلا واڑی ایکسائز چوکی سے ٹیلی فون کر رہا ہوں۔''

''اچھا تو وہیں ٹھیریے۔ میں وائرلیس یونٹ کو بھیجتا ہوں۔'' آپریٹر نے یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا اور دوسرا سوئچ دبا کر سیکشن سات کی لاسلکی پٹرول یونٹ کو کال کرنے لگا۔ اسے فوراً ہی جواب مل گیا۔ یونٹ کا انچارج سب انسپکٹر اچریکر دوسری طرف سے بول رہا تھا۔

''ویلا واڑی ایکسائز پوسٹ آفس پر ایک آدمی کی جان خطرے میں ہے۔'' آپریٹر نے کہا۔

''او کے، آئی گاٹ اٹ۔'' یہ کہہ کر انسپکٹر نے سلسلہ منقطع کر دیا اور آپریٹر اپنی ڈائری میں کال رپورٹ لکھنے لگا۔

☆☆☆☆☆☆

مین روڈ نارتھ الیون پر انسپکٹر اچریکر کی وائرلیس وین ہوا کی رفتار سے دوڑ رہی تھی۔ ویلا واڑی کی بڑی سڑک یہاں سے بمشکل دو میل تھی۔ ویلا واڑی کے بازار میں داخل ہوتے

وقت بھی وائرلیس وین کی رفتار میں کوئی فرق نہیں آیا۔لوگ وین کا پولیس سائرن دور ہی سے سن کر راستہ چھوڑتے جاتے تھے۔بازار کے دوسرے سرے پر ہی کم گنجان جگہ پر ایکسائز پوسٹ بنا ہوا تھا۔یہاں شہر میں آنے والی بعض اشیاء پر ڈیوٹی وصول کی جاتی تھی۔

دور ہی سے اچر یکر کا ماتھا ٹھنک اٹھا۔پوسٹ کے باہر کچھ دور پر کافی مجمع لگا ہوا تھا اور کچھ لوگ گھبرائے سے پھر رہے تھے۔پولیس سائرن کی آواز نے سارے مجمع کو چونکا دیا۔سب گھوم کر اسی طرف دیکھنے لگے۔اچر یکر نے گاڑی کچھ دور رکوادی اور اتر کر مجمع کی طرف بھاگا۔ لوگ بغیر کچھ کہے سنے درمیان سے ہٹتے گئے اور وہ اس جگہ تک پہنچ گیا، جہاں ایک انسانی لاش عجیب وغریب حالات میں پڑی تھی۔

خود اچر یکر اسے دیکھتے ہی اچھل کر کچھ دور ہٹ گیا، لاش کی کھلی آنکھوں کے سفید دیدے بڑے بھیانک معلوم ہو رہے تھے۔وہ سرتاپا کوئلے کی طرح خاک سیاہ ہو رہی تھی۔وہ اکڑ گئی تھی، بالکل اس طرح جیسے جلی ہوئی لکڑی۔اچر یکر کی زندگی میں یہ پہلا عجیب وغریب واقعہ تھا، کبھی کسی ایسی لاش کو آنکھوں دیکھنا تو کجا، اس نے سنا تک نہ تھا۔

اپنے بعض افسروں سے وہ الیکٹرک چیئر پر دی جانے والی سزائے موت کا ذکر سن چکا تھا، لیکن یہ منظر تو کچھ اتنا بھیانک تھا کہ وہ اس کے پاس سے اور دور ہٹ آیا۔اسے مجمع کے درمیان ایک ایکسائز پوسٹ کا وہ بوڑھا کلرک کھڑا نظر آیا جس کے چہرے پر اب تک حیرت و خوف کے آثار نمایاں تھے۔وہ اس انداز سے کھڑا اس لاش کو دیکھ رہا تھا، جیسے بت بن گیا ہو۔

وہی نہیں، سارے مجمع پر ایک سحر زدہ سی کیفیت طاری تھی اور خلاف توقع ایسے موقع پر پائے جانے والے شور شغب اور تبصروں اور اندازوں کی بجائے ہر ایک غرق حیرت نظر آ رہا تھا۔انسپکٹر کی سمجھ میں نہیں آ سکا کہ وہ کس سے پوچھے۔

''یہ... یہ سب کیسے ہوا؟''اس نے سر اونچا کر کے بلند آواز سے مجمع سے پوچھا۔ جس کے جواب میں کچھ نگاہیں ایکسائز کلرک کی طرف اٹھ گئیں۔اچر یکر اسی کے قریب

چلا گیا۔ بوڑھا کلرک جو اپنے ناتواں ڈیل کے ساتھ کمزور سا سیدھا آدمی معلوم ہوتا تھا، اسی طرح لاش پر نظریں جمائے کھڑا رہا۔

''بڑے میاں، تمہیں تو ضرور معلوم ہوگا کہ یہ کیا ہوا اور کیسے ہوا؟'' لیکن بوڑھے نے کوئی توجہ تک نہ کی۔ جیسے اس کی نگاہیں اسی لاش پر جم کر رہ گئی ہوں۔ وہ منہ سے ایک لفظ نہ بولا۔

''تب ہی سے ان کا یہی حال ہے۔'' مجمع سے ایک آدمی نے آگے بڑھ کر کہا۔

''کب سے؟'' انسپکٹر نے اسے گھور کر پوچھا۔

''جب سے یہ واقعہ ہوا۔''

''آخر کیا واقعہ ہوا؟ تم لوگ بتاتے کیوں نہیں؟''

''سمجھ میں آئے تو بتائیں۔'' ایک دوسرے آدمی نے اس کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

''تو کیا آسمان سے ٹپک پڑی یہ لاش؟''

''جی نہیں، بلکہ جو کچھ ہوا وہ کچھ عجیب سا ہے۔ ایک پل میں کیا جانے کیا ہو گیا۔''

''تم موجود تھے یہاں؟'' انسپکٹر نے اس سے پوچھا۔

''میں... میں وہ اس دکان پر ترکاری لے رہا تھا۔'' اس آدمی نے تقریباً دو گز دور ایک کونجڑے کی دکان کی طرف اشارہ کر کے بتایا۔

''کیا دیکھا تم نے؟''

''ایک جن۔''

''وہاٹ؟'' انسپکٹر حلق کے بل چیخا۔

''تو دوسروں سے پوچھ لیجیے۔''

''ہاں ہاں، صاحب۔ یہ ٹھیک کہتے ہیں۔'' بہت سی آوازیں سنائی دیں۔

''اچھا، کیسا تھا وہ جن؟''

Akram Allahabadi

''بس آگ کی مخلوق ۔سر سے پیر تک ایک چلتا پھرتا شعلہ۔''اس آدمی نے کسی نامعلوم خوف سے متاثر آواز میں بتایا۔''میں نے ایکسائز کے دفتر سے ایک بھیانک سی چیخ سنی اور جب پلٹ کر دیکھا تو اس دفتر سے بالکل نزدیک سے ایک پورا پورا آگ کا انسان نکل کر جا رہا تھا۔''

''کیا بکتے ہو؟''انسپکٹر کو غصہ آگیا۔

''دوسروں نے بھی دیکھا ہے،آپ ان سے پوچھ لیجیے۔''اس آدمی نے برا مانتے ہوئے کہا۔''ہاں ہاں، صاحب۔وہ آتشی مخلوق تھی،ضرور کوئی جن رہا ہوگا۔''ایک اور آواز سنائی دی۔''ہم نے اسے اپنی آنکھوں سے کچھ دور چل کر غائب ہوتے دیکھا ہے۔''

''آگیا بیتال۔''ایک ساتھ کئی زبانوں سے حیرت سے نکلا اور انسپکٹر نے دیکھا کہ اس نام کے ساتھ لوگوں پر ایک عجیب سا ماحول طاری ہوگیا۔

''اللہ رحم کرے۔''ایک آدمی کی ڈری ہوئی آواز سنائی دی۔

''وہ یہاں تک پہنچ گیا ہے تو پتہ نہیں کس کی باری آجائے۔''دوسرے نے کہا۔

اور پھر انسپکٹر کے چیخنے کے باوجود مجمع اس تیزی سے منتشر ہوا کہ ذرا سی دیر میں ویلا واڑی کا بازار بھی ویران ہوگیا۔دکانیں بند ہوگئیں اور صرف اکا دکا لوگ ہی کہیں چلتے پھرتے نظر آئے۔لاش کے پاس سب انسپکٹر اچریکر،اس کے عملے کا حوالدار احمد نبی اور تین سپاہی تھے، جن میں ایک وین کا ڈرائیور بھی شامل تھا۔چوتھی شخصیت اس بوڑھے ایکسائز کلرک کی تھی جو اب تک اسی طرح گم سم کھڑا تھا۔

''صرف یہی کچھ بتا سکے گا۔''انسپکٹر نے کہا۔

''لیکن اسے تو جیسے سکتہ ہوگیا ہے۔''حوالدار احمد نبی نے بوڑھے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اسے اسپتال لے چلو..اور لاش کو بھی۔''سب انسپکٹر نے حکم دیا۔

Akram Allahabadi

اس وقت ایمبولینس بلوانے کا موقع بھی نہ تھا، کیونکہ اتنی دور ایمبولینس کا پہنچنا جلدی ممکن نہ تھا۔

''لاش کو گاڑی میں ڈالو، ہم خود لے چلتے ہیں۔''انسپکٹر نے کہا۔

''یا...یا...یعنی کہ یہ جلا جلایا مردہ؟''حوالدار نے حیرت سے پوچھا۔

''مردوں سے ایسا ہی ڈر لگتا ہے تو پولیس کی نوکری کیوں کی؟''

''ڈر...ارے صاحب، لاحول ولاقوۃ۔آپ حکم دو تو میں آدھی رات کو قبرستان میں گھس کر قبر کھود لاؤں۔''

''یہ کام کفن چور کرتے ہیں۔''انسپکٹر نے خفیف سی مسکراہٹ سے کہا۔

لیکن حوالدار شاید اس کے ساتھ اس قسم کی گفتگو کا عادی تھا۔وہ جھجکتا ہوا آگے بڑھا۔

''نبی خاں، تم جیسے آدمی ڈر گئے تو بس ہو چکا۔''سب انسپکٹر نے اسے بانس پر چڑھا دیا۔

''صاحب توبہ کرو، ڈرتا کون الّو کا پٹھا ہے۔یہ لو۔''یہ کہہ کر بہادری کا اظہار کرتے ہوئے سب سے پہلے جیسے نبی احمد نے اس لاش کے ایک ہاتھ پر رومال رکھ کر اسے اٹھانا چاہا، وہ سب حیرت وخوس سے اچھل پڑے۔خاکستر ہو جانے والی لکڑی کی طرح لاش کا ہاتھ ٹوٹ کر اس کے ہاتھ میں آگیا تھا۔دہشت کی وجہ سے احمد نبی نے اسے جھٹکے سے دور پھینک دیا۔پھر کسی کی ہمت نہیں ہوئی کہ اسے ہاتھ لگائے۔سب انسپکٹر اچریکر تو ان سے بھی دور کھڑا تھا۔

''میرا خیال ہے یہ معاملہ سی آئی ڈی والوں کے ہی بس کا ہے۔ہمیں لاش کو ان کے معائنے تک اسی طرح رہنے دینا چاہیے۔''سب انسپکٹر نے اپنی خفت کو عذرِ لنگ کی آڑ میں چھپانا چاہا۔ویسے ان کا کام صرف مدد کو پہنچنا تھا، تحقیقات سے ان کو واسطہ نہ تھا۔

''بالکل ٹھیک فرمایا، صاحب، آپ نے۔''احمد نبی نے فوراً ہی تائید کر دی اور

Akram Allahabadi

دوسرے کانسٹیبل بھی سرکس کے جوکروں کی طرح گردن ہلانے لگے۔ وہ تو اپنے اپنے دل میں دعا مانگ رہے تھے کہ اس عجیب اور خستہ لاش کو چھونا نہ پڑے۔ نہ جانے اس پر کس کا سایہ ہو۔ پولیس والے اول درجے کے نڈر ہونے کے دعوے دار ہونے کے برعکس اول درجے کے توہم پرست بھی ہوتے ہیں۔ خصوصاً ان شعبوں میں جہاں رشوتوں کی گرم بازاری ضمیر کو مردہ کر کے انسان کو بزدل بنا دیتی ہے۔ یہ لوگ اس طبقے سے تھے یا نہ تھے، لیکن یہ حقیقت تھی کہ اس پر اسرار اور بھیانک لاش نے انھیں دہشت زدہ کر دیا تھا۔ آخر تو وہ بھی گوشت پوست کے انسان تھے۔ فولادی پتلے یا مافوق الفطرت وجود نہ تھے۔ ان کے احساسات بھی عام انسانوں کے احساسات سے یکسانیت رکھتے تھے۔

وائرلیس یونٹ جس مقصد کیلیے یہاں تک آئی تھی، وہ تو ناکام ہی رہ گیا تھا۔ کیونکہ ان کے پہنچنے سے پہلے یہ یہ عجیب واقعہ ظہور پذیر ہو چکا تھا، رہا تحقیقات کا کام تو اس کے ذمے دار وہ نہ تھے۔

وہ لاش کو اسی طرح چھوڑ کر بوڑھے ایکسائز کلرک کے لے کر چلے گئے۔ صرف ایک کانسٹیبل کی ڈیوٹی وہاں لگا دی گئی کہ لاش سے جگہ محفوظ رہے۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

آتشی مخلوق

بوڑھا ایکسائز کلرک سپرنٹنڈنٹ خان کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔اسے عجیب وغریب طریقے سے معمول پر لایا گیا تھا ورنہ نفسیاتی علاج کے طریقے بھی اس کے ذہن اور زبان کے تعطل کو دور نہ کر سکے تھے۔سول سرجن نے تو صبح ہی رپورٹ دیدی تھی کہ اس کا spell ٹوٹنے کی کوئی مدت مقرر نہیں کی جا سکتی، لیکن جب خان اسے چند منٹ ایک بند کمرے میں اپنے ساتھ رکھ کر ہی معمول پر لے آئے تو ڈاکٹر بھی حیران رہ گئے۔انھوں نے اس سے اس طریقِ کار کے بارے میں کافی اصرار سے پوچھا، مگر خان یہ کہہ کر ہنستے ہوئے ٹال گیا کہ بات اتنی معمولی ہے جو بتانے کے لائق نہیں اور جب بالے کو اس نے بتایا کہ برانڈی کے ایک پیگ نے بوڑھے کلرک کو خوف و دہشت کے spell سے نکال لیا تھا، تو وہ خان کے اس نسخے پر حیران رہ گیا۔بات سیدھی بھی تھی اور سمجھ میں آنے والی بھی، لیکن نزاکتوں نے طریق ہائے علاج کو اس قدر گنجان کر دیا تھا کہ ڈاکٹر معمولی سے معمولی بیماریوں کو بھی اور اسباب کو بھی diagnose کرنے میں ایک مقدمے کی فائل کی طرح پھیلا دیتے۔

صرف چند منٹ کی محنت کے بعد بوڑھا اس وقت جوش و ہمت سے بھرا ان کے سامنے موجود تھا۔

''ہاں، تو کیا واقعہ ہوا تھا اس وقت؟''

''واقعہ؟'' بوڑھے نے ذہن پر زور دیا۔''جی ہاں، ایک جوان آدمی جو شکاری لباس میں تھا کل ساڑھے آٹھ بجے کے قریب گھبرایا ہوا سا بھاگتا میری ایکسائز چوکی کے اندر آیا اور مجھ سے اجازت طلب کی کہ میں پولیس کو فون کرنا چاہتا ہوں۔میں نے اجازت دیدی اور اس نے جب پولیس کو کسی خطرے کے بارے میں بتایا تب میں چونکا۔اس کے فون رکھنے کے

بعد میں نے اس سے پوچھا کہ تمہیں کس قسم کا خطرہ ہے تو وہ صرف اتنا بتا سکا کہ بطخوں کے شکار والے خطے سے کچھ نامعلوم سائے اس کا پیچھا کرتے آرہے ہیں، اس کی بندوق بھی ہاتھ پر کسی چیز کے آکر لگنے سے چھوٹ کر ایک گڑھے میں گر پڑی تھی تب سے وہ بے تحاشہ بھاگتا ہی رہا ہے اور اسے ڈر ہے کہ وہ سائے اس کا پیچھا کرتے یہاں تک پہنچ رہے ہوں گے۔"

"اس نے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟" خان نے پوچھا۔

"اس کا موقع ہی نہیں ملا۔" بوڑھے نے بتایا۔ "وہ ابھی کہنے ہی والا تھا کہ ایک تیز روشنی سی ہوئی اور جب ہم نے چونک کر دیکھا تو ایک عجیب بات ...صاحب، میں تو مسلمان آدمی ہوں، جنات وغیرہ کو مانتا ہوں۔ وہ ضرور کوئی جن صاحب تھے، کیونکہ جن آتشی مخلوق ہوتے ہیں۔" بوڑھا ہلیان کرتے کرتے پھر خوفزدہ سا ہونے لگا۔

"ہاں ہاں، کہتے جایئے۔"

"اس آدمی نے ضرور جناتوں کے کسی مقام پر کوئی بے ادبی کی ہوگی۔" بوڑھے نے اپنے یقین کا اظہار کیا۔ "کیونکہ اس کا ثبوت میں موجود ہوں، زندہ، صحیح سلامت...اور.."

"اب گاڑی آگے بھی تو بڑھاؤ، بڑے میاں۔" بالے سے نہ رہا گیا۔

"میں کیا بیان کروں کہ کیا ہوا۔ بس پلک جھپکی تھی۔ میں نے اتنا ہی دیکھا کہ دروازے میں سر سے پیر تک روشن آگ کی طرح ایک آتشی مخلوق کھڑی ہوئی تھی۔" بوڑھے نے بتایا۔

"مخلوق سے کیا مطلب؟" بالے نے وضاحت طلب کی۔

"ارے صاحب، بالکل انسان کا خاکہ۔ وہی جسم، مگر دہکتا ہوا۔ اور اس نے...اس نے اپنا ہاتھ ہلایا، بس۔"

"اچھا پھر؟" خان نے اس کی داستان میں دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

"اس کے ہاتھ سے اس کے آتشی جسم جیسا ہی ایک شعلہ بھڑکا، اس آدمی کی طرف

دوڑا اور پھر میں نے صرف اس آدمی کی چیخ سنی۔اف خدا کی پناہ، میں نے اپنی آنکھوں سے اس کا بدن کالا ہوتے دیکھا، مگر ڈر کی وجہ سے میری آنکھوں میں اندھیرا آ گیا۔بعد کی بات مجھے معلوم نہیں اور میری آنکھ جب کھلی تو آپ سامنے تھے۔''بوڑھے نے سادگی سے اپنا بیان ختم کر دیا۔

''اچھا، اب آپ جا سکتے ہیں، لیکن کوئی اگر آپ سے اس بارے میں پوچھے تو صرف یہ کہیے کہ آپ نے کچھ نہیں دیکھا۔''

''اگر یہ ضروری ہے تو میں اپنی زبان بند رکھوں گا۔''بوڑھا کلرک اٹھ کھڑا ہوا۔

''چچا کو جانے دو۔''بالے نے آواز دے کر انویسٹی گیشن روم کے باہر کھڑے ہوئے مسلح سنتری کو ہدایت کی اور اس نے بوڑھے کلرک کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔بعد میں خان اور بالے بھی باہر نکل آئے۔وہ سیڑھیاں طے کر کے اپنے آفس میں چلے گئے۔

''کیا خیال ہے؟''بالے نے تنہائی میں سپرنٹنڈنٹ خان سے پوچھا۔

''کیا اس بیسویں صدی میں تم اس بات پر یقین کر سکتے ہو کہ صدیوں پرانے ایک دیوتا کا بت عالمِ وجود میں آ کر نقل و حرکت کرنے لگے؟''

''آپ کی مراد بھوت سے ہے یا بت سے؟''

''میں نے بت کہا ہے۔''

''برے خواب آنے لگیں تو کسی پیر فقیر کی دعا لینی چاہیے۔''

''میں سنجیدہ ہوں۔''

''اور میں رنجیدہ۔''بالے نے سرد سانس کھینچ کر کہا۔''خدا مغفرت کرے محکمۂ سراغرسانی کی...''

''شامت آ رہی ہے؟''خان نے اسے گھورا۔

''میں کیا، ماہر نفسیات بھی یہی کہتا۔''

''خیر،خود دیکھ لیں گے کسی دن۔''

''اس واردات کے بارے میں کیا رائے ہے آپ کی؟''

''پال گیری کے جنگل میں بطخوں کے شکار کا خطہ امباندی کے کنارے واقع ہے جو دراوڑوں کی پہاڑی بستیوں سے ہوکر گزرتی ہے۔''

''آپ تو جغرافیہ بیان کرنے لگے۔''

''یہ دراوڑ گیابیتال کی صدیوں سے پوجا کرتے ہیں۔وہ ان کے نزدیک قہر وغضب کا دیوتا ہے۔''

''آپ اس ریسرچ پر ایک کتاب ضرور لکھیے۔''

''کہیے تو آپ کی کھوپڑی پر بھی کچھ لکھ دوں۔'' خان کا ہاتھ اٹھا،لیکن بالے نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو محفوظ کرلیا۔

''اگیابیتا کا نام تو میں نے پہلے بھی کہیں سنا ہے۔''بالے سنجیدگی سے سوچنے لگا۔

''پال گیری اور اس کے اطراف کی آبادیوں کی لوگوں سے یہ افسانے اکثر شہر تک پہنچتے ہیں کہ اگیابیتال اکثر پال گیری کے جنگلوں میں دیکھا گیا ہے،لیکن ان روایتوں میں زیادہ تر یہی مشہور ہے کہ وہ رات کے اندھیرے میں بھٹکنے والوں کو شعلہ بن کر راستہ دکھاتا ہے،نہ کہ ...''

''ہوسکتا ہے اس کا موڈ بدل گیا ہو۔''

''کوئی بھی سمجھدار ان روایات کو تو ہمات سے زیادہ وقعت نہیں دے سکتا۔''

''لیکن ہر افواہ کی بھی کوئی نہ کوئی بنیاد ضرور ہوتی ہے۔''

''اور اسی بنیاد پر میں سوچ رہا ہوں کہ یہ اگیابیتال ہے کیا بلا؟ کیا کسی سمجھدار آدمی نے بھی کبھی اسے دیکھا ہے؟''

''ہاں۔ایک بار کرنل حشمت نے مجھے اپنے شکار کا ایک واقعہ بیان کیا تھا۔اس

Akram Allahabadi

میں آگیا بیتال کا بھی ذکر تھا، مگر مجھے ٹھیک سے یاد نہیں۔میرا خیال ہے ان سے ہمیں ایک بار اور ملنا چاہیے۔"

"مفت میں دو تین گھنٹے بور ہونا پڑے گا۔وہ اپنی شکار بازی کے دو چار واقعات سنائے بغیر واپس نہ آنے دیں گے۔"

"حرج بھی کونسا ہے۔"

"میں بہت مصروف آدمی ہوں۔" بالے نے مصنوعی اکڑ دکھائی۔

"مجھے معلوم ہیں تمہاری مصروفیتیں اور اب میں ان پر پابندی لگانے والا ہوں۔"

"آپ دستورِ ہند کی توہین کے مرتکب ہوں گے۔اس میں شخصی آزادی کی ضمانت دی گئی ہے۔"

"ہم۔مگر حرامخوری کی نہیں۔"

"وہ نیک کان صرف بھائی حرام مونچھ..."

"صاحب۔" رؤف کی بروقت آمد نے بالے کا جملہ کاٹ دیا۔وہ خان کو صاحب کہہ کر اپنی طرف متوجہ کر چکا تھا۔بالے کو یاد آگیا کہ پچھلے ہفتے ہی اس نے رؤف سے ایک شاندار دعوت کھا کر معاہدہ کیا تھا کہ اب وہ اس کی مونچھوں کی شان میں اپنی طرف سے دیے گئے خطاب کا استعمال ترک کردے گا۔ویسے ایسی دعوتیں وہ رؤف سے پہلے بھی کئی بار کھا چکا تھا، لیکن آخر کو زبان ٹھہری۔بے موقع پھسل ہی جاتی تھی اور رؤف اس دن اسے میر صادق، میر جعفر، دوفصلے، گرگٹ، اینگلو انڈین اور نہ جانے کیا کیا کہہ ڈالتا۔آج بھی وہ کچھ نہ کچھ سنائے بغیر نہ رہتا اگر خان سامنے موجود نہ ہوتا۔پھر بھی وہ اسے چیلنج کرتی ہوئی نظروں سے گھورے بغیر نہ رہ سکا۔جس کے جواب میں بالے ایک آنکھ دبا کر مسکرا دیا اور رؤف کا خون اور کھول گیا۔

"کیا ہوا؟" خان نے رؤف سے سوال کیا۔

"تریکم داس کو گرفتار کرلیا گیا ہے۔" رؤف نے مؤدب لہجے میں جواب دیا۔

''اور وہ مہریں؟''

''وہ کچے سونے کی ہی ہیں۔ایک لاکھ پینتیس ہزار کا مال برآمد ہو چکا ہے۔''

''ترکیم داس کچھ بتاتا ہے؟''

''کہتا ہے ایک عرب سوداگر اس کے ہاتھ بیچ گیا تھا، مگر وہ اسے جانتا نہیں۔''

''بکتا ہے۔خان بڑبڑایا۔''ان کمبختوں نے ناک میں دم کر رکھا ہے۔ادھر سینٹرل گورنمنٹ کے ہدایت نامے ہیں کہ روز چلے آرہے ہیں۔آخر کس کس معاملے میں سر مارا جائے۔''

''ایک ہی معاملے میں مار دیجیے،سر رہے گا نہ سودا۔''بالے بول اٹھا۔

''تم چپ رہو،نکمے۔کچھ کر کے دکھایا ہے کیا؟''

''کر کے دکھانا شریف آدمیوں کی شیونگ...لاحول ولاقوۃ۔شیوہ نہیں۔''بالے نے اکڑ کر کہا۔

''بے غیرت کی بلا دور۔''رؤف نے زیرِلب کہا۔اور اسے صرف بالے ہی سن سکا۔

''کر کے دکھانا کو اگر جملے میں استعمال کیا جائے تو مونچھیں دکھانے کے لیے ہوتی ہیں اور بہادری کرنے کے لیے...''

''بکو مت، مجھے کل تک اس اسمگلنگ ریکٹ کے بارے میں ابتدائی رپورٹ چاہیے۔''خان نے میز پر گھونسہ مار کر کہا۔

''کمال ہے۔''بالے نے چونک کر کہا۔''آپ کی گاڑی بغیر سگنل کے لائن بدل دیتی ہے۔ابھی اس اگیابیتال کا چکر چل رہا تھا اور ابھی اسمگلنگ ریکٹ پر پہنچ گئے۔''

''سر دست ہمیں سینٹرل گورنمنٹ کی ہدایات کی تکمیل کرنا ہے۔اس ایکٹ کا اگر ہم جلد سراغ نہ لگا سکے تو ہماری جو پوزیشن مرکزی حکومت کی نظر میں ہے ہم اس سے گر جائیں گے۔''

Akram Allahabadi

''مرکزی حکومت نے اسے بچوں کا کھیل سمجھا ہوگا۔''

''ایسا سمجھتی تو وہ ہمیں تکلیف نہ دیتی۔''

''تو آخر ہم ہی کیوں رہ گئے ہیں ان نیک کاموں کے لیے۔ سرکاری نمک خوار تو اور بھی بہت سے ہیں۔''

''یہ ان کے بس کی بات نہیں ہے۔ یہ گروہ بڑے منظم پیمانے پر سونے کی ناجائز درآمد کر رہا ہے اور ایکسائز، کسٹم اور پولیس کے اعلا حلقے بھی اس کے نامعلوم طریقِ کار سے چکر میں پڑ گئے ہیں۔''

''چکر ہمارا قومی نشان۔''

''شٹ اپ۔'' خان بالے پر بگڑ گیا۔

''آپ قومی نشان کی توہین کر رہے ہیں، میرا کیا۔''

''رؤف خان، تم ترکیم داس سے کاروباری اور نجی طور پر ملنے والوں کی فہرست مرتب کرنے کی کوشش کرو۔ جہاں تک ہو سکے یہ کام کل تک ہی کر ڈالو۔''

''بہت خوب۔'' رؤف نے اٹینشن ہو کر کہا اور پھر اباؤٹ ٹرن ہو کر باہر نکل گیا۔

''اور تم؟'' خان نے بالے کی طرف مخاطب ہوا۔

''اور میں؟'' بالے نے تھکی ہوئی سی سانس کھینچ کر پوچھا۔

''میں ترکیم داس کی ضمانت کی اجازت دے رہا ہوں۔'' خان نے کہا۔

''خدا آپ کو سونا ہی سونا دے گا۔''

''آگے تم سمجھ سکتے ہو، تمہیں کیا کرنا ہے۔''

''لیکن وہ اگیابیتال والا معاملہ؟''

''وہ میں بعد میں دیکھوں گا۔ سر دست جو کہا جا رہا ہے، وہ کرو۔''

''آپ مجھے اپنے ساتھ نہیں رکھنا چاہتے؟'' بالے نے بچوں کی طرح منہ لٹکا لیا۔

Akram Allahabadi

''اب کیا میں تمہیں گود میں بٹھا کر لوریاں سناؤں؟''

''لاحول ولاقوۃ۔یہ بھی کوئی مذاق ہے۔''

'دفع ہو جاؤ، ورنہ میں تمہیں کہیں ڈریس ڈیوٹی پر بھیج دونگا۔''

''گاڑی لے جاؤں؟''بالے چلتے چلتے پوچھنے لگا۔

''تمہاری موٹر سائیکل کو کیا ہوا؟''

''گٹھیا کی بیماری ہو گئی ہے۔میں نے اسپتال میں ڈال دیا ہے۔''

''ٹیکسی کر لینا، مجھے ابھی گاڑی کی ضرورت ہے۔''

''مے گاڈ پنکچراٹ۔''

لیکن خان کے پلٹنے سے پہلے وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

شکاری

پہلی تصویر جے پور کے ایک جنگل کی تھی، جس میں ہاتھیوں کے ہودے میں بیٹھے ہوئے کچھ انگریز اور ایک ہندوستانی راجہ شیر کا شکار کھیل رہے تھے۔ سرسبز پہاڑی جنگل کے اس گھنے ماحول میں جھاڑیوں کے درمیان سے نکل کر ایک ہاتھی پر حملہ آور ہوتے ہوئے ایک شیر کو منظر میں دکھایا گیا تھا۔ مصور اپنے فن کا یقینی طور پر ماہر تھا، کیونکہ چار فٹ لمبی اور ڈھائی فٹ چوڑی اس قلمی تصویر میں اس خوبصورتی اور مناسبت سے منظر کشی کی گئی تھی کہ اس پر کیمرہ فوٹو کا دھوکا ہوتا تھا۔ اس سے تقریباً پانچ فٹ کے فاصلے پر دوسری تصویر تھی، جس میں جنوبی افریقہ کا ایک گھنا جنگل دکھایا گیا تھا، جہاں قد آدم گھاس لہلہا رہی تھی اور ہاتھی دانت کے شکاری تین انگریز گھوڑوں پر سوار چند سیاہ فام افریقی قلیوں کی معیت میں ایک خطرناک خطے میں گھر گئے تھے۔ ان پر ایک گینڈے نے حملہ کر دیا تھا اور ایک دوسرا گینڈا دور سے اسی طرف آتا دکھائی دے رہا تھا۔ گینڈے کے ایک پیر کے نیچے ایک افریقی دبا ہوا تھا اور گینڈے کی ناک کا سینگ ایک انگریز کے گھوڑے کے سینے میں پیوست ہو چکا تھا۔ اس کے سینے سے خون بہہ رہا تھا اور گھوڑا اپنے اگلے دونوں پیروں پر ٹنگ کر رہ گیا تھا۔ باقی دو انگریزوں میں سے ایک کے ہاتھ سے خوف سے بندوق چھوٹ گئی تھی اور دوسرا فائر کر رہا تھا۔ اس تصویر سے اتنے ہی فاصلے پر تیسری تصویر چند روسی شکاریوں کی تھی۔ جن پر برفانی علاقے میں سفید ریچھوں کے حملے کو دکھایا تھا۔ ایک ریچھ ایک شکاری کی بندوق چھین رہا تھا۔ ریچھ کا ایک بچہ ایک آدمی کی آستین گھسیٹ رہا تھا اور ایک ریچھ نے، جو دو پیروں پر کھڑے ہو کر دیو معلوم ہو رہا تھا، ایک شکاری کو اپنی آغوش میں اس طرح دبا لیا تھا جیسے کوئی امریکی فلمی ہیرو اپنی ہیروئن کو باہوں میں کسے ہو، لیکن فرق یہ تھا کہ ریچھ کے تیز نوکیلے دانت اس شکاری کی گردن میں پیوست ہو چکے تھے۔ باقی

Akram Allahabadi

شکاری اپنی تیز کلہاڑیاں حملے کے لیے اٹھائے ہوئے تھے۔ایک شکاری کسی پرانی ساخت کی بندوق کی کرچ ریچھ کی گردن میں مارنے جارہا تھا۔

ایسی ہی ایک اور تصویر میں برفیلی چٹانوں والے سمندر کے کنارے پر کئی سفید ریچھوں نے شکاریوں کی کشتیوں پر حملہ کردیا تھا۔ایک آدمی اپنی کشتی سے لڑھک چکا تھا۔ایک کشتی الٹ گئی تھی اورایک پر ایک تقریباً نو دس فٹ لمبا سفید ریچھ حملہ کررہا تھا۔کشتی کا روسی ملاح چپو سے اسے مارنے جارہا تھا۔ایک اور تصویر میں دو شکاری خونخوار بھیڑیوں کے درمیان میں آگئے اوران میں سے ایک کی گردن ایک بھیڑیے کے دانتوں میں تھی۔اس کا لباس تار تار تھا اور جگہ جگہ سے خون رس رہا تھا۔ایک تصویر میں چند عرب سواروں پر کانا کے ایک ویران علاقے میں تین شیر ببر حملہ آور ہورہے تھے۔ایک عرب کوایک شیر نے دبالیا تھا،دوسرا شیر ایک عرب سوار کے گھوڑے کے کندھے کے حصے پر اپنے دانت اور اگلے پنجے جما چکا تھا۔عرب سوار نے بندوق کا نشانہ لے کر اس شیر پر گولی چلادی تھی جو آدمی کو دبائے ہوئے تھا۔

"آپ کو بھی شکار کا شوق ہے؟" کرنل حشمت کی آواز نے سپرنٹنڈنٹ خان کو چونکادیا۔وہ کرنل کے ڈرائنگ روم کی دیواروں پر چاروں طرف لگی ہوئی ان تصویروں کو ٹہل ٹہل کر دیکھ رہا تھا۔لبوں پر ایک خوشگوار مسکراہٹ لیے وہ پلٹ پڑا۔

"ان تصویروں کو دیکھ کر تو خواہ مخواہ شکار کا شوق پیدا ہوتا ہے۔" وہ مصافحے کے لیے کرنل کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

"مجھے یہ تصویریں بہت پسند ہیں۔پانچ سال ہوئے ایک کباڑی کی دکان سے میں نے ایسی چھوٹے سائز کی چھپی ہوئی تصویریں خریدی تھیں۔پھر میں نے ایک آرٹسٹ سے انہیں انلارج کرایا ہے۔" کرنل ہاتھ ہلا کر گفتگو کرتا ہوا صوفے پر بیٹھ گیا۔خان بھی اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

"مجھے اگر فرصت ملے تو میں یقیناً دوسری تفریحات پر شکار کو ہی فوقیت دینا پسند

Akram Allahabadi

کروں گا۔" خان نے لائٹر سے سگریٹ جلاتے ہوئے جواب دیا۔

"میں اس دن شکار کرونگا جب آپ کو فرصت ملے اور آپ میرے ساتھ شکار پر چلیں۔"

"پال گیری کے جنگلوں کو دیکھنے کا شوق مجھے بھی ہے۔" خان نے کہا۔

"او ہاں، میں تو وہاں ایک بار پھنس چکا ہوں۔ میں نے شاید اس کا قصہ آپ کو سنایا بھی تھا۔" کرنل نے کہا۔

"وہ آگیا بیتال کا معاملہ؟"

"ہاں ہاں، وہی۔ بھئی، عجیب اتفاق تھا وہ بھی۔ میں تو بھوتوں، روحوں اور مافوق الفطرت باتوں کا قائل ہی نہیں ہوں، مگر اس رات جو کچھ مجھ پر گزری، سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے کیا سمجھا جائے۔"

"آپ مجھے پھر سے وہ قصہ سنایئے، میرے ذہن سے اتر چکا ہے۔"

"ضرور۔ مجھے تو وہ واقعہ روزِ اول کی طرح یاد ہے، لیکن ذرا چائے پی لیں۔" یہ کہہ کر کرنل نے دو تین بار اپنے ملازم کو آواز دی، وہ شاید موجود نہ تھا، اس لیے مجبوراً کرنل کی بڑی لڑکی افسر کو آنا پڑا۔

"رحیم باہر گیا ہے، ڈیڈی۔" اس نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔ خان نے غیر ارادی طور پر نصف گھوم کر اس کی طرف دیکھا اور چند سیکنڈ تک اس کی نظریں اس حسین وجود کا جائزہ لیے بغیر نہ رہ سکیں۔ کرنل خود بھی وجیہہ اور خوبصورت آدمی تھا، لیکن اس کی اولاد تو سرے سے یوروپین معلوم ہوتی تھی۔ سرخ و سفید کھلا ہوا رنگ، قابلِ رشک صحت اور چہرے کے نقش و نگار تو اتنے حسین اور جاذبِ نظر تھے کہ اگر سارجنٹ بالے یہاں موجود ہوتا تو دو چار ہزار جانوں سے قربان ہو گیا ہوتا، لیکن خان ایک چٹان کی طرح ٹھس اور بقول بالے، عورتوں کے معاملے میں پھوہڑ واقع ہوا تھا۔ پھوہڑ اس لیے کہ انھیں لفٹ نہ دیتا تھا۔ اس نے اس وقت بھی وہی کیا کہ کرنل کے تعارف کرانے کے باوجود کہ یہ میری لڑکی افسر جہاں ہے، اس نے اس کی

Akram Allahabadi

طرف دوبارہ نہیں دیکھا۔صرف اچھی بچی ہے کہہ کر تصویروں کی طرف دیکھنے لگے۔

''تم ہی لے آؤ، بیٹے۔'' کرنل نے پیار بھرے لہجے میں بیٹی کو مخاطب کیا۔اور وہ جی اچھا کہہ کر چلی گئی۔بات پھر اگیابیتال کے موضوع پر آ گئی۔

''ہاں تو کیا دیکھا تھا آپ نے؟''

''اب چائے تک بھی صبر نہیں؟ خیر ہاں،تو اس رات آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔بارش ہوئی تو نہیں تھی،مگر ہونے والی ضرور تھی۔میں اور میرے ساتھ کیپٹن کمال، سردار بخت بہادر سنگھ اور ٹھاکر رمیش تھے۔پال گیری کے جنگل،خدا کی پناہ،آدمی دن میں راستہ بھول جائے۔ہم لوگ راستہ بھٹک کر اپنے کیمپ سے بہت دور نکل گئے۔''

''کیا نارچز نہیں تھیں آپ لوگوں کے پاس؟''

''یہ بھی تو ایک لطیفہ ہے،خان صاحب۔نارچیں ہوتے ہوئے بھی ہم نے تین بار مختلف راہیں اختیار کیں اور تینوں بار دنیا گول ہے کی طرح گھوم پھر کر اسی ایک ہی مقام پر پہنچے۔''

''وہ طلسمِ ہوشربا کی سرحد تو نہیں ہے؟'' خان نے مذاق کیا۔

''اب آپ جس طرح بھی سوچیے،مگر یہ حقیقت ہے کہ آندھی اور طوفان کا خطرہ ہمیں پریشان کیے تھا اور پھر شیر سے تو آدمی نپٹ بھی لے،مگر یہ کمبخت چیتے اور تیندوے، یہ ہمیشہ پیچھے سے اور دھوکہ دے کر حملہ کرتے ہیں۔وہ تو خیر ہوئی کہ شاید آنے والے طوفان کے ڈر سے وہ کہیں دبکے دبکائے بیٹھے ہوں گے۔''

''ابھی تک صرف تمہید ہی تمہید ہے۔'' خان نے مسکرا کر ٹوکا۔

''ڈیڈی، چائے۔'' افسر چائے کی ٹرے ہاتھوں میں اٹھائے آ پہنچی اور سامنے تپائی پر رکھ دی۔

''انکل کو سلام کرو، بیٹی۔جانتی ہو نا انھیں؟'' خان کی طرف اشارہ کر کے کرنل نے

کہا۔

''جی ہاں۔''لڑکی نے شرماتے ہوئے دبی زبان سے جواب دیا۔

بالے ہوتا تو اس ادا پر بغیر ہتھیار رکے قتل ہو گیا ہوتا، لیکن خان صرف مسکرا کر رہ گیا۔

لڑکی چائے رکھ کر چلی گئی اور کرنل خود ہی دو پیالیوں میں چائے تیار کرنے لگا۔

''ہاں تو...'' کرنل نے پھر سلسلہ چھیڑا۔''اس وقت ہواؤں کے جھکڑ اتنی تیزی سے چل رہے تھے کہ ہر دبلے پتلے درخت کے نیچے سے گزرتے ہوئے ہمیں یہ ڈر لگتا کہ اب گرا، اب گرا۔ اور کئی درخت گرے بھی، مگر ہمارے سروں پر ایک بھی نہیں۔ پھر اچانک ایک عجیب سے شور نے ہمیں چونکا دیا۔ ہم نے دیکھا ایک شیر پیچھے بھاگتا ہوا آ کر سیدھا آگے نکل گیا، شاید اس نے ہمیں دیکھا نہ ہو یا دیکھا ہو تو وہ ضرور جلدی میں تھا۔''

''کوئی خاص کام رہا ہوگا اسے۔'' خان مسکرایا۔

''نہیں بھئی، پھر ہمیں جانوروں کے ریوڑ پیچھے کی سمت سے آ کر سامنے کی طرف بھاگتے نظر آئے۔ ہرن، بارہ سنگھے، لومڑیاں، لکڑ بگھے، خرگوش اور نہ جانے کیا کیا۔ ہم حیران تھے کہ ماجرہ کیا ہے، لیکن سردار جی چیخ اٹھے۔''اوئے ادھر ویکھ، جنگل وچ آگ لگی ہے۔'' ان کی آواز پر ہم نے بھی گھوم کر دیکھا۔ واقعی دور ہمیں شعلوں کی روشنی نظر آ رہی تھی، لیکن اس سے قبل کہ ہم وہاں سے بھاگیں، وہ شعلے ہمیں اپنی ہی طرف آتے نظر آئے، بالکل جس طرح جگنو رات کے اندھیرے میں چمکتے ہیں۔ یہ بڑے بڑے شعلے ہوا کی تیزی سے چمکتے، پھر غائب ہوتے پھر چمکتے نظر آ رہے تھے۔ چشم زدن میں میں ہی یہ شعلے جھاڑیوں اور درختوں کے درمیان سے اڑتے ہوئے ہمارے نزدیک پہنچ گئے۔ وہ زمین سے تقریباً پندرہ بیس فٹ اونچے ہی اڑتے نظر آ رہے تھے، مگر حیرتناک بات یہ تھی کہ جن جھاڑیوں اور درختوں سے ٹکراتے ہوئے وہ آئے تھے، ان میں آگ نہیں لگی تھی۔ ان شعلوں کے آگے آگے بہت سے جنگلی جانور بھاگ رہے تھے۔ ہم لوگ ڈر کے مارے ایک تناور درخت کے پیچھے چھپ گئے۔

وہ شدت سے ہمارے سامنے سے اڑتے ہوئے گزرے۔ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، وہ تقریباً ڈھائی ڈھائی، تین تین فٹ لمبی اور ہوا کے تناسب سے کبھی سکڑتی کبھی پھیلتی آگ کی چادروں کی طرح نظر آرہے تھے۔وہ ہمارے سامنے سے گزر گئے اور ہمیں ذرا بھی ان کی گرمی محسوس نہیں ہوئی۔ یکے بعد دیگرے ایسے کئی درجن شعلے سامنے سے گزرتے ہونگے۔ہر تھوڑے وقفے کے بعد ایک شعلہ مشرق کی سمت جھاڑیوں سے نمودار ہوتا اور آگے جانے والے شعلے کا پیچھا کرتا جھاڑیوں اور درختوں کے درمیان سے گزرتا ہوا مغربی سمت کی تاریکی میں حدِ نظر تک چمک کر معدوم ہو جاتا۔

''اس کے بعد؟'' خان نے گفتگو اور مختصر کرنے کے لیے ٹوکا۔

''ہمارے ساتھ موجود ٹھاکر قریبی علاقے کے زمیندار ہونے کی وجہ سے یہاں کے حالات سے شاید واقف تھے۔انھوں نے بتایا کہ یہ اگیابیتال ہے جو ہمیں راستہ دکھانے آیا ہے۔وہ اس معاملے میں کچھ ضعیف الاعتقاد واقع ہوئے تھے،اس لیے انھوں نے ان شعلوں کو دیکھ کر ہاتھ جوڑ لیے اور جے اگیابیتال کے نعرے لگانے لگے۔بھئی،اپنے پلے تو کچھ پڑا نہیں سوائے اس کے کھڑے دیکھتے رہو۔''

''پھر راستہ مل گیا؟''

''ہاں۔یہی بات مجھے ٹھاکر صاحب کے اعتقاد پر کچھ سوچنے کے لیے مجبور کرتی ہے۔کیونکہ جب ان کی ضد پر ہم لوگ ان ہی شعلوں کے راستے پر جدھر وہ اڑتے ہوئے گئے تھے، چلنے لگے تو منٹوں میں ہی ندی کے کنارے پہنچ گئے،جس کے اس پار ہمارا کیمپ تھا۔''

''میں نے سنا ہے پال گیری کی جنگلی بستیوں کے بھیل اگیابیتال کی پوجا کرتے ہیں؟''

''ضرور کرتے ہونگے، میں نے بھی طرح طرح کی روایات سنی ہیں،لیکن بیچارے ان پڑھ تو ہم پرستوں لوگوں کا اس میں کیا قصور۔''

''خیر، چھوڑیے یہ باتیں۔ میں تو دراصل خود پال گیری میں شکار کھیلنے کا پروگرام بنا رہا تھا، اس لیے سوچا یا تو آپ کو ساتھ لیا جائے یا مشورہ ہی لے لیا جائے۔''

''کب ارادہ ہے؟'' کرنل نے پوچھا۔

''بس، یہی دو چار دن میں۔''

''اچھا۔'' کرنل سوچ میں پڑ گیا۔ ''تو پھر میں بھی چلوں گا۔''

''اور میں بھی۔'' افسر کی نرم و سریلی آواز دخل دیتی سنائی دی۔ کرنل مسکرا دیا۔

''تم کیا کرو گی وہاں جا کر اس خطرناک جنگل میں؟''

''نہیں، ڈیڈی۔ میں بھی چلوں گی۔ میرا نشانہ کوئی خراب تھوڑی ہے۔''

''وہ تو مجھے معلوم ہے، لیکن تم... نہیں نہیں، تم پال گیری نہیں چلو گی۔'' کرنل نے مصنوعی غصے کا اظہار کیا۔

''ہونہہ۔'' وہ بچوں کی طرح منہ لٹکا کر چلی گئی۔

''بڑی ضدی ہے۔'' کرنل نے ہنستے ہوئے خان سے کہا۔ ''اور نڈر بھی بہت ہے۔''

''اچھا تو میں چلتا ہوں۔ کل تک پروگرام آپ کو فون پر بتا دوں گا۔''

''بیٹھیے نا کچھ دیر۔'' کرنل نے اصرار کیا۔ ''میں آپ کو ایک بڑا دلچسپ واقعہ سناتا ہوں۔''

''ضرور سنوں گا، لیکن شکار پر چلتے ہوئے۔ اس وقت ایک ضروری کام ہے۔'' خان اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

حسین ضامن

ایک نیوی بلیو اور رز درنگ کی پلے ماؤتھ کار پانی پر تیرتی ہوئی کشتی کی طرح سڑک کو روندتی ہوئی ڈنکن اسٹریٹ پولیس اسٹیشن کے سامنے رک گئی۔ اسٹیئرنگ سیٹ سے انجن بند کر کے اترنے والی ایک بہت خوبصورت گورے رنگ کی لڑکی تھی، جس نے یوروپین لڑکیوں کی طرح پیازی سائے پر باریک سنہری جالی کا رومال کندھے پر ڈال رکھا تھا۔ اس کے پاؤں میں بغیر ایڑی کے نرم چمڑے کے چمکدار سرخ جوتے تھے، جن کی ٹو پر زرد ریشمی پھول لگے تھے۔

اس کا سڈول جسم اور نیم عریاں پنڈلیاں باہر برآمدے میں بیٹھے ہوئے کانسٹیبلوں کی توجہ بھی اپنی طرف منعطف کیے بغیر نہ رہ سکیں۔ وہ اکیلی ہی تھی۔ ہاتھوں پر اس نے سفید دستانے پہن رکھے تھے۔ اس کے کانوں میں سونے کے گول ناپس تھے، جن میں چاول کے برابر جڑے ہوئے ہیرے چمک رہے تھے۔

کار سے اتر کر وہ سیدھی پولیس اسٹیشن میں گھس گئی۔ دروازے پر کھڑے ہو کر گفتگو کرتے ہوئے دو کانسٹیبل اسے دیکھتے ہی چونک کر ہٹ گئے۔ پولیس اسٹیشن کے بڑے کمرے سے گزر کر وہ اس دروازے پر رک گئی جس پر انسپکٹر انچارج کی تختی لگی ہوئی تھی اور اس کے پیچھے نیچے ہی ایم اے شاہ لکھا تھا۔ اردلی یا تو شاید اس کی شخصیت سے مرعوب ہو گیا یا اس کے رعب حسن سے۔ بہر حال وہ اسے سلام کیے بغیر نہ رہ سکا۔ جواب میں لڑکی نے اپنے پرس سے ایک کارڈ نکال کر اسے تھما دیا اور وہ فوراً ہی اندر چلا گیا۔ لڑکی نے ایک طائرانہ نظر پولیس اسٹیشن کے ماحول پر ڈالی اور وہ بہت سی للچائی ہوئی نظروں کو اپنی طرف تکتے دیکھ کر زیرِ لب مسکرا دی۔

''تشریف لے جایئے۔'' اردلی نے واپس آ کر دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

اندر انسپکٹر شاہ مقدمات کی فائلیں میز پر بکھیرے کسی خاص کیس کے مطالعے میں

مشغول تھا۔اس نے سر اٹھا کر اس لڑکی کی طرف دیکھا، جو ہیلو کہتی ہوئی قریب آ گئی۔

''تشریف رکھیے۔'' وہ اسے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کر کے پھر اپنے کام میں کھو گیا۔

لڑکی چند سیکنڈ تک چپ چاپ بیٹھی رہی، لیکن پھر شاید یہ بے توجہی اس سے ضبط نہ ہو سکی۔

''میں مسٹر ترکیم داس کی ضمانت دینے آئی ہوں۔'' وہ خود ہی بول اٹھی۔

''اوہ..اچھا...آپ؟'' انسپکٹر شاہ انہماک سے چونک پڑا۔

لڑکی چال ڈھال اور لباس مغربی ہوتے ہوئے بھی اس کی گفتگو کا لہجہ صاف صاف مشرقی معلوم ہو رہا تھا کہ انسپکٹر شاہ دانستہ اس فرق کو نظر انداز کر گیا۔

''مگر آپ...آپ تو غیر ملکی...؟'' اس نے تذبذب کا اظہار کیا۔

''جی نہیں، میں سو فیصدی ملکی ہوں۔میں سیٹھ ترکیم داس کی بھتیجی ہوں۔اور اگر نہ بھی ہوں تو میں ان کی ضمانت دینا چاہتی ہوں۔''

''ضمانت ہو سکتی ہے، لیکن نقد ضمانت ہوگی اور وہ بھی دس ہزار کی۔'' انسپکٹر شاہ نے دونوں کہنیاں میز پر ٹیکتے ہوئے اس کے چہرے پر اپنی نظریں گاڑ دیں، لیکن اس کا چہرہ ہر قسم کے ردِ عمل سے عاری تھا۔

''میں کیش تو نہیں لائی ہوں، لیکن آپ کہیں تو چیک لکھ دونگی۔'' لڑکی پرس سے چیک بک نکالتے ہوئے بولی۔

''ایسی صورت میں ہمیں پہلے آپ کے بینک سے تصدیق طلب کرنی ہوگی۔''

''وہ آپ فون پر بھی کر سکتے ہیں۔میرا نام امرتا نروتم داس ہے اور میرا کاؤنٹ مرکنٹائل بینک میں ہے۔''

''بہتر ہے۔'' یہ کہہ کر انسپکٹر شاہ نے فون پر مرکنٹائل بینک کا نمبر پولیس ایکس چینج سے طلب کیا، جو فوراً ہی مل گیا۔ بینک نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ امرتا نروتم داس کا اکاؤنٹ اس بینک میں موجود ہے۔

Akram Allahabadi

فارم وغیرہ بھرنے اور ضمانت کی کاروائی میں تقریباً پندرہ منٹ لگے۔اس کے بعد ترکیم داس کو لاک اپ سے باہر لے آیا گیا۔چودہ گھنٹے کی قید میں ہی اس کا چہرہ زرد ہوگیا تھا، لیکن اس لڑکی پر نظر پڑتے ہی وہ چونک سا پڑا۔وہ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ لڑکی خود ہی انکل کہتی ہوئی اس کی طرف دوڑ پڑی اور اس سے لپٹ گئی۔

''تت...تم...تم...؟''ترکیم داس نے کہنا چاہا،لیکن لڑکی نے پھر اس کی بات کاٹ دی۔

''مجھے تو صبح معلوم ہوا،ورنہ میں رات کو ہی ضمانت کا انتظام کر لیتی۔''

''اب آپ لوگ جا سکتے ہیں۔''انسپکٹر شاہ نے یہ کہہ کر ان کا سلسلۂ گفتگو منقطع کر دیا اور لڑکی ترکیم داس کو لے کر باہر نکل گئی۔انسپکٹر شاہ ان کے باہر جاتے ہی ڈائل گھمانے لگا۔

وہ دونوں پولیس اسٹیشن سے باہر نکل کر پلے ماؤتھ میں بیٹھ گئے اور جس وقت ان کی کار روانہ ہونے لگی تو کئی ایسے تھے جو حسرت بھری نظروں سے اس کے حسین ڈرائیور کو دیکھ رہے تھے۔ترکیم داس کچھ پریشان سا پاس والی نشست پر بیٹھا تھا۔

''تم نے کچھ بتایا تو نہیں؟'' کار کو دوسری طرف سڑک پر موڑتے ہوئے لڑکی نے ترکیم داس سے پوچھا۔اس کی نگاہیں اس وقت بھی اس سائڈ مرر پر تھیں جو اسٹیرنگ والی کھڑکی سے ملا ہوا ونڈ اسکرین کے فریم کے ساتھ نصب تھا۔وہ اس میں پیچھے کا منظر دیکھ رہی تھی۔

''نہیں۔''ترکیم داس نے سر کو جھٹک کر ناخوشگوار سے لہجے میں کہا۔''لیکن میں آئندہ تم لوگوں کے اس جھنجٹ میں نہیں پڑونگا۔''

''کیوں کیا تمہیں بچا نہیں لیا گیا؟''لڑکی نے اس کی طرف دیکھے بغیر سوال کیا۔

''ضمانت کا مطلب چھٹکارا نہیں ہوا کرتا۔اور پھر میرے کاروبار کا نقصان کون بھرے گا،اگر میں جیل چلا گیا؟''

''اس کی نوبت نہیں آئے گی۔اسکارپین کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔''

''جہنم میں گیا تمہارا اسکارپین۔ میری تو ساری عزت، سارا بیوپار خاک میں مل گیا۔''

''وہ تمہیں اس سے کئی گنا زیادہ دے سکتا ہے۔''

''مجھے کچھ نہیں چاہیے، بس میں نے اس بار پولیس کی سخت یا بی سہہ کر بھی اپنے منہ سے ایک لفظ نہیں کہا ہے، لیکن تم اس تک یہ پیغام پہنچا دو کہ مجھے اب اپنی مہربانیوں سے معاف رکھے۔''

''اچھا، پہنچا دونگی، لیکن کہاں چھوڑوں تم کو؟ مجھے شک ہے کہ کوئی ہمارا پیچھا کر رہا ہے۔''

''مجھے گرین ٹیمپل پر چھوڑ دو۔''

لڑکی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چند سڑکوں سے گزرتی ہوئی اس کی کار ایک سونی سی سڑک کے کنارے بنے ہوئے ایک شاندار نئی طرز تعمیر کے مندر کے سامنے رک گئی۔ اس مندر کی دیواریں وغیرہ کیونکہ سبز رنگ کی تھیں، اس لیے یہ گرین ٹیمپل کہلاتا تھا۔ اس کی پشت پر دو منزلہ اور سہ منزلہ عمارتوں کی دو طرفہ قطاریں تھیں۔ ان عمارتوں میں کیونکہ زیادہ تر وہ مارواڑی اور گجراتی رہتے تھے، جو سونے چاندی اور جواہرات وغیرہ کا بیوپار کرتے تھے، اس لیے اس محلے کو جوہری باغ اور اس کی سڑک کو ڈائمنڈ اسٹریٹ کہا جاتا تھا۔ یہ مندر بھی اس علاقے کے جوہریوں نے ہی بنوایا تھا اور اس میں خاص طور پر لکشمی اور سرسوتی کی پوجا ہوتی تھی۔

گجراتیوں کی اس پرسکون اور مہذب آبادی میں دوپہر کا سناٹا شہر کی آدھی رات سے زیادہ پرسکوت اور ویران سا معلوم ہوتا تھا۔ صرف شام ڈھلتے ہی عورتیں اور بچے گھروں سے نکلتے اور رات ہونے تک چہل قدمی کرنے کے بعد ڈربے کی مرغیوں کی طرح پھر ان ہی میں گھس جاتے۔ وہ آوازیں جو اس بستی میں رات کو دس گیارہ بجے تک سنائی دی جاتیں، صرف ریڈیوز کے گانوں کی ہوتی تھیں یا اکا دکا آنے والی کسی کار کے ہارن کی۔ مرد کیونکہ زیادہ تر

بیوپاری تھے، اس لیے اپنے گھروں کو ان کی واپسی رات کے اول اوقات میں ہی ہوا کرتی تھی۔ ان میں کچھ تو اتنے تھکے ہوئے ہوتے کہ گھر میں گھس کر باہر جھانکنے کی ہمت تھی نہ کرتے اور جو چند زندہ دل کچھ دیر کے لیے کھانا ہضم کرنے گھر سے نکلتے بھی تو ماحول سونا دیکھ کر زیادہ دیر باہر نہ ٹھہر پاتے۔

بہرحال اس وقت تو دن تھا اور وقت دوپہر کا۔ یہ وقت مندر کے پجاری کے بیوپار کے لیے بھی کارآمد نہ تھا، اس لیے مندر کا دروازہ بھیڑ کر وہ شاید سونے چلا گیا تھا۔ بلّے ماؤتھ جس وقت گرین ٹیمپل کے نزدیک رکی تو صرف محلے کا ایک لاوارث کتا فٹ پاتھ کے کنارے پر کسی ایسے حاتم طائی کا منتظر تھا جو چٹ پٹا کھا کر اپنا جھوٹا دونا اس کی طرف پھینک دے۔ اس نے کار سے اترتے ہوئے ترکیم داس کو مایوس نظروں سے دیکھا اور دم ہلاتا ہوا کسی اور مخیّر کی تلاش میں ایک طرف چل دیا۔

"تم اب پولیس کو کوئی بیان نہیں دو گے۔" لڑکی نے معنی خیز نظروں سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"اس شرط پر کہ مجھے دوبارہ پریشان نہ کیا جائے۔" یہ کہہ کر ترکیم داس فٹ پاتھ کے کنارے کنارے آگے کی طرف چل دیا۔ وہ لڑکی چند سیکنڈ اسے گھورتی رہی پھر اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے اس نے کار اسٹارٹ کر دی۔ اب وہ جوہری باغ کے مخالف سمت میں اپنی کار ڈرائیو کر رہی تھی۔ اس کار کی رفتار تیز رکھی تھی، لیکن کچھ دور پر ہی اسے گاڑی کو بریک لگا کر روکنا پڑا۔

بیچ و بیچ سڑک پر ایک عجیب سی وضع کا نوجوان آدمی دوپہر کی کڑی دھوپ میں سرخ کے اس پار سے اس پار تک لیفٹ رائٹ کر رہا تھا۔ اس جھلسا دینے والی گرمی میں اس نے گھٹنے تک لمبا ایک پرانا فوجی اوورکوٹ پہن رکھا تھا۔ وہ ایک میلی سی پرانی خاکی پتلون پہنے ہوئے تھا، جس کا ایک پائنچہ تو پنڈلیوں سے اوپر تک چڑھا تھا اور دوسرا اتنا لمبا کہ جوتے کی ایڑی کے نیچے

Akram Allahabadi

اس کی گوٹ دب رہی تھی۔اس کے پیروں میں ٹوپر سے پھٹے ہوئے پرانے فل بوٹ تھے اور اس نے اوورکوٹ کے اندر جو قمیص اس پتلون پر پہن رکھی تھی وہ آثارِ قدیمہ کی کسی نمائش میں رکھے جانے کے قابل تھی۔کیونکہ اس کے کالروں میں بندھی ہوئی ٹائی ایک علیحدہ شے نہ تھی بلکہ اسے اسی قمیص کے گریبان کے ساتھ سی دیا گیا تھا۔وہ تھی بھی اتنی پرانی کہ اس میں جگہ جگہ سوراخ پڑ گئے تھے۔اس نے سر پر ایک پرانی گورکھا ہیٹ رکھی تھی اور اس کے اوورکوٹ کے کندھوں پر کئی کئی گول بٹن ٹنکے ہوئے تھے۔اسکا چہرہ کلین شیو تھا،مگر اوپری ہونٹوں کے اوپر اس کے دونوں نتھنوں کے نیچے ہٹلری طرز کی مونچھیں اس کے چہرے کو چارلی چپلن جیسا بنائے ہوئے تھیں۔آنکھوں پر اس نے زنگ آلود سنہری فریم کی اسپرنگ والی عینک لگا رکھی،لیکن عینک کے دونوں شیشے غائب تھے۔وہ اپنے قد وقامت کا اکہرے بند کا تندرست آدمی تھا۔اس کا رنگ گندمی تھا اور آنکھوں کی پتلیاں گہری۔وہ دونوں ہاتھ پشت پر باندھے بڑے مغرورانہ انداز میں سڑک پر ٹہل رہا تھا۔اس نے بڑی تکبر آمیز نظروں سے اس لڑکی کی کار اور پھر کار چلانے والے کی طرف دیکھا اور بیچ وبیچ سڑک پر رک کر کھڑا ہو گیا۔لڑکی نے جھنجلا کر مسلسل دو تین ہارن بجائے اور اس پر بھی وہ نہ ہٹا تو کار اس کے قریب لے جا کر روک دی۔

''اچھا ہو تم مجھ پر ٹینک چڑھا رہے تھے۔''وہ بغیر شیشے کے فریموں سے اسے گھور کر بولا۔ساتھ ہی اس نے اپنے پشت پر بندھے ہوئے ہاتھ سامنے کر لیے۔اور لڑکی یہ دیکھ کر چونک پڑی کہ اس کے دونوں ہاتھوں میں پستول موجود تھے۔راہ چلتا ایک دوسرا آدمی بھی رک کر اس پاگل کی اس عجیب وغریب حرکت کو دیکھنے لگا۔

''بدتمیز،ٹینک سے باہر آؤ۔''وہ اپنے پستول کی نال اس کی طرف کر کے تحکمانہ لہجے میں بولا۔

اپنی اس منحوس شکل اور عجیب وغریب حلیے میں بھی وہ اس وقت سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

''کک...کون ہو تم؟یہ کک کیا بدتمیزی ہے؟''لڑکی کسی قدر سہم کر گاڑی سے اترتی

ہوئی ہکلاہٹ کے ساتھ بولی۔

''سلام کرو ہمیں، بے ادب...سلام کرو۔'' وہ آواز کو گرج دار بنا کر بولا اور ساتھ ہی اس کے پستول کی نالی لڑکی کے سینے کی طرف ہو گئی۔لڑکی نے پہلے سر سے پیر تک اسے دیکھا، پھر اس کی نگاہیں اس کے ہاتھوں پر جم گئی جن میں پستول تھے۔غیر ارادی طور پر اس کا ہاتھ سلام کے لیے اٹھ گیا۔

''خیر، ہم تمہیں غیر ملکی سفیر سمجھ کر معاف کرتے ہیں۔'' نوجوان پاگل نے بڑی شان سے سینہ پھلا کر کہا۔

کچھ اور لوگ جمع ہو کر دور سے ہی یہ دلچسپ تماشہ دیکھنے لگے تھے۔ان میں سے کوئی بھی نہ قریب آیا نہ کسی نے مداخلت کی جرأت کی۔وہ لوگ بھی اس پاگل کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر تذبذب کے شکار تھے۔پستول نقلی بھی نہیں معلوم ہوتے تھے ہنسی میں ٹال دیا جاتا۔ تماشہ دیکھنے والوں میں سے چند نوجوان تو اس پاگل اور اس کے پستول کو بھول کر صرف اس خوبصورت لڑکی کے جلوؤں میں ہی کھو گئے تھے۔

''یہ ٹینک تم نے کہاں سے چرایا ہے؟'' ہٹلری مونچھوں والے پاگل نے پستول کی نال سے لڑکی کی پلے ماؤتھ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔اس کا موڈ اب بھی خطرناک تھا۔

''یہ...یہ تو میری کار ہے، پلے ماؤتھ۔'' لڑکی نے معصومیت سے جواب دیا۔

''شٹ اپ۔تم ہماری دھول میں آنکھ نہیں جھونک سکتے۔ہم تمہیں اپنے بتیسویں ڈویژن کی چودھویں بٹالین کے سولجر نمبر ۳۰۲ سے شوٹ کرا دیں گے۔''

''میں سچ کہہ رہی ہوں۔''

''ہائیں...کیا کہا...کہہ رہی ہو..تو کیا تم لڑکی ہو؟''

جواب میں لڑکی نے صرف اثبات میں گردن ہلا دی۔

پاگل نے اپنی جیب سے بچوں کے فلم دیکھنے والی دوآنے کی دوربین نکالی اور اسے

آنکھ پر لگا کر اسے دیکھنے لگا۔

''ارے ہاں سچ ۔تم تو لڑکی ہو۔'' یہ کہتا ہوا وہ قریب آگیا اور اس کے چاروں طرف دیکھ کر اپنی بتیسی کھول کر ہنس دیا۔

''ہم تم پر عاشق ہو گئے ۔تم ہماری ایوا پیرن ہو۔'' وہ بہت آہستہ سے اس کے کان کے قریب منہ لا کر بولا اور اس خوفزدہ کیفیت میں بھی لڑکی اس عجیب وغریب انکشاف پر ہنس پڑی۔

''ارے، تم نے ہمیں ابھی تک نہیں پہچانا؟'' پاگل نے پھر سنجیدہ ہو کر اس سے نرمی سے سوال کیا۔لڑکی نے جواب اپنی کار کے دروازے تک واپس پہنچ گئی تھی،نفی میں سر ہلا دیا۔

''انسلٹ ۔تمہیں اس بد نصیبی پر خودکشی کر لینی چاہیے۔ہم وہ ہیں جن کا نام سن کر مسٹر ونسٹن چرچل کو تین تین دن تک اجابت نہیں ہوتی تھی۔'' وہ ایک ہاتھ ہوا میں بلند کر کے بلند آواز میں کہنے لگا۔لڑکی اس جملے پر پھر ہنس پڑی۔

''تم ہنستی ہو، تمہیں ڈرنا چاہیے۔مگر نہیں ڈرنا چاہیے، کیونکہ ہم کمبخت تم پر عاشق ہو گئے ہیں۔ہم جرمن قوم کے عزم وطاقت کے دیوتا، دنیا کے لیے تباہی و بربادی کے باپ، ڈکٹیٹر، خانہ خراب ہر ہٹلر ہیں...ہر ہٹلر۔''

''ساری دنیا ہمارے نام سے کانپتی ہے،تم بھی کانپو۔ہیل ہٹلر۔'' وہ یہ کہتے کہتے پھر جلال میں آگیا،لیکن لڑکی اب مسکرا رہی تھی۔

''کانپو،لڑکی، ورنہ ہمارا ایک اشارہ تمہیں گھاٹ کی موت اتار دے گا۔'' پاگل نے غصے میں آکر اپنے دونوں پستول پھر سیدھے کر لیے۔لڑکی کے لبوں کی مسکراہٹ پھر مغفور ہو گئی، اس نے بے بسی سے مجمع کی طرف دیکھا،جس کے ساتھ سڑک چھاپ ہٹلر کی نظریں بھی اسی طرف گھوم گئیں۔مجمع کو دیکھتے ہی وہ پلٹ پڑا۔

''اٹینشن۔'' وہ دور سے ہی چیخا۔

Akram Allahabadi

کچھ لوگ کھسک گئے، کھچ سٹ پٹا کر رہ گئے۔

''آرین نسل کے بہادرو۔'' ہٹلر پلے ماؤتھ کے بانٹ پر چڑھ گیا اور ایک ہاتھ ہوا میں بلند کر کے تقریر کرنے لگا۔ ''ہٹلر تم سے وعدہ کرتا ہے کہ ساری دنیا کو فتح کر کے تمہارے قدموں میں ڈال دے گا۔ جاؤ، زیادہ سے زیادہ اولادیں پیدا کرو۔ ہمیں دنیا پر حکومت کرنے کے لیے جرمن نوجوانوں کی بے پناہ ضرورت ہے۔ اے میری قوم، ہٹلر کو خدا نے تمہارے لیے مرگِ مفاجات، نہیں، راہِ نجات بنا کر بھیجا ہے۔ بھرتی ہو جاؤ، تم سب میری فوجوں میں بھرتی ہو جاؤ۔ میں آسمان کی ساتویں اولاد تم سے اقرار کرتا ہوں کہ امریکہ پر تمہارا جھنڈا لہرائے گا، یورپ پر تمہارا جھنڈا لہرائے گا اور ہندوستان میں ہر مسٹنڈا لہرائے گا۔ لہراؤ، میری قوم کے انڈے بچو۔ وہ دن دور نہیں جب...''

''اے، میری کار سے اترو۔'' لڑکی نے ہمت کر کے اسے للکارا۔

''کیا کہا؟ ہٹلر اپنی تھری انچ مارٹر پر کھڑا ہو کر تقریر کر رہا ہے۔'' ہٹلر نے پلٹ کر اسے ڈانٹا اور سامنے جمع ہو جانے والے آدمیوں سے مخاطب ہو گیا۔ وہ اب بڑی دلچسپی سے اس تماشے کو دیکھ رہے تھے۔ لڑکی اب اپنی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔

''میں گاڑی چلا دوں گی۔'' وہ سائڈ ونڈو سے سر باہر نکال کر چیخی۔

''چلتی کا نام گاڑی ہے۔ چلتی کا نام چلتی کا نام۔'' اور یہ رٹتے رٹتے وہ بانٹ پر ہی ناچ ناچ کر گانے لگا۔ ''جگ میں چلتی کا نام گاڑی۔''

لوگ بے بحا شا ہنس رہے تھے اور لڑکی پر خوف کی بجائے اب جھنجلاہٹ طاری ہو گئی تھی۔

یکا یک پاگل ہٹلر پلٹا اور اس نے کار کے ونڈ اسکرین پر منہ لگا کر دور ہی سے لڑکی کے ہونٹوں کا بوسہ لے لیا۔ لڑکی نے غصے میں آ کر گاڑی کا انجن اسٹارٹ کر دیا۔

''مائی ڈارلنگ، ایوا پیرن۔'' وہ ونڈ اسکرین کے شیشے سے اپنی ناک رگڑتے ہوئے

ہوئے بولا۔

''آپ لوگ تماشہ دیکھ رہے ہیں۔خدا کے لیے مجھے اس پاگل سے بچایئے۔''لڑکی نے ہجوم سے راستہ گھرا ہوا دیکھ کر کھڑکی سے سر نکال کر مجمع سے کہا۔اس پر کچھ آدمی چونک پڑے اور ایک طاقتور سا نوجوان اپنی آستینیں چڑھاتا ہوا آگے بڑھ آیا۔پاگل ہٹلر کے پستول اس وقت اس کی جیب میں تھے۔

''ابے او ہٹلر کے بچے، نیچے اتر۔''اس نے پاگل ہٹلر کو چیلنج کیا۔

''ہٹلر کے بچے۔''پاگل اسے حیرت سے دیکھ کر بڑبڑایا۔''تم پاگل ہو۔ہٹلر نے تو ایک ہی بچہ دیا تھا۔''

پاگل کے اس جواب پر دوسرے تو ہنس پڑے،لیکن وہ نوجوان اور بھڑک اٹھا۔

''کار سے اترتا ہے کہ نہیں؟''

''اٹینشن۔''ہٹلر حلق پھاڑ کر چیخا۔

''تیرے اٹینشن کی تو ایسی تیسی۔''یہ کہہ کر جست مار کر وہ آدمی بانٹ کے قریب پہنچ گیا۔لڑکی اب سنجیدگی سے یہ تماشہ دیکھ رہی تھی۔

''دیکھ رہی ہو،ایوا پیرن۔یہ تمہارے بھائی صاحب کیسی آنکھیں نکال رہے ہیں۔میں انھیں راکٹ سے اڑا دونگا۔ہائے،مگر دنیا ایک سالے سے محروم ہو جائے گی۔سالہ...سالہ ...دھرم سالہ...گنو سالہ...وگیرہ۔''پاگل ہٹلر بڑی رومان آمیز نظروں سے لڑکی کو دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

مگر اسی وقت وہ آدمی اس کے نزدیک پہنچ چکا تھا۔

''سلام کرو۔''پاگل ہٹلر اسے قریب دیکھ کر تحکمانہ لہجے میں بولا۔

''تیری تو...''یہ کہہ کر اس آدمی نے،جو ڈیل ڈول اور تندرستی کے اعتبار سے پاگل سے دوگنا معلوم ہوتا تھا،اس کی ٹانگ تھامنے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ پاگل کی لات اس

Akram Allahabadi

زور سے اس کے سینے پر پڑی کہ وہ سڑک پر چاروں شانے چت جا گرا۔ پاگل ہٹلر یکا یک غضبناک ہوگیا۔

''ایوا پیرن، تمہارے بھائی نے ہمارے حضور میں گستاخی کی ہے، ورنہ ہم اسے مسولینی کا باپ بنانے والے تھے۔اب ہم اسے گولی ماردیں گے۔''

یہ کہہ کر اس نے پھر پستول نکال لیے۔اس کے ہاتھوں میں پستول دوبارہ دیکھ کر مجمع گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔لڑکی بھی سہم سی گئی اور نوجوان حملہ آور کی ہمت نہ ہوئی کہ پھر اپنی بہادری کا مظاہرہ کرے۔وہ سڑک سے اٹھ کر مجمع کی طرف بھاگا۔

''ٹھہر جاؤ، فرانسیسی پسوؤ، ورنہ ہم تمہاری کھوپڑی پر انقلاب لے آئیں گے۔''

پاگل ہٹلر نے اسے وارننگ دی اور باٹ سے کود پڑا۔وہ آدمی اب مجمع کے قریب پہنچ رہا تھا کہ پاگل نے دونوں پستولوں سے فائرنگ شروع کردی۔دھماکوں کی آواز کے ساتھ ہی لوگ اس طرح سر پر پیر رکھ کر بھاگے کہ سڑک صاف نظر آنے لگی۔مگر اس اثنا میں لڑکی کو موقع مل گیا۔اس نے کار اسٹارٹ کر ہی رکھی تھی، اسے گیئر میں ڈال کر دوڑا دیا، لیکن اسے یہ خبر بھی نہ ہوسکی کہ پاگل ہٹلر پیچھے رہ جانے کی بجائے آرام سے اس کی کار کی اسٹپنی پر سوار ہو چکا ہے۔وہ پیچھے سے اپنا ہیٹ اٹھا اٹھا کر راہ گیروں کو سلام کرتے ہوئے طرح طرح کے منہ بناتا جاتا تھا اور لڑکی ایک خطرناک پاگل سے پیچھا چھڑانے کی خاطر پیچھے دیکھے بغیر کار اور تیز دوڑاتی جارہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

مورتی حرکت میں

کسی بھی گناہ کے احساس سے تھک کر انسان اکثر روحانی عقیدتوں کی پناہ ڈھونڈتا ہے۔شاید یہی سبب تھا کہ خلافِ معمول رات کے اس سناٹے میں ترکیم داس کے قدم گرین ٹیمپل کی طرف اٹھ رہے تھے۔مندر میں اس وقت تقریباً سناٹا چھا چکا تھا کیونکہ زندگی کے جو کچھ آثار تھے وہ اس کے پچھلے حصے میں منتقل ہو گئے تھے، جہاں اس وقت مہنت اور اور اس کے چیلے گھوٹی ہوئی بھنگ کے ایک بڑے برتن کے گرد حلقہ بنائے بیٹھے پیتل کے چھوٹے چھوٹے گلاسوں میں اپنے اپنے حصے کی بھنگ سے شوق فرما رہے تھے۔مہنت خود بھی ان میں شامل تھا۔ کیونکہ پرماتما سے ملانے کے لیے بھنگ شاید اس کا مرغوب ترین نشہ تھا۔

مندر کے سامنے والے حصے میں اس وقت سناٹا تھا کیونکہ رات کو ۹ بجنے کے بعد اتفاق سے ہی کوئی بھولا بھٹکا عقیدت مند مندر میں آتا تھا۔رات کی پوجا ویسے ساڑھے ۷ بجے ختم ہو جاتی تھی اور مندر کے کواڑ گیارہ بجے بند ہو جایا کرتے تھے۔اس وقت ساڑھے ۹ بج رہے تھے جب ترکیم داس ایک شفاف سفید دھوتی باندھے مندر میں داخل ہوا۔اس کے چہرے پر اکتاہٹ اور تھکن کے آثار تھے جیسے وہ اپنے ماحول سے بیزار ہو کر مقدس دیوتاؤں کی آشرن میں آیا تھا یا جیسا سے اس کی روح کا بوجھ یہاں کھینچ لایا تھا۔

سیڑھیوں کے بعد مندر کا بڑا داخلی دروازہ، جس کے پٹوں میں نوک دار پیتل کے گھوکھرو لگے ہوئے تھے، کھلا تھا۔اسے عبور کرنے کے بعد مندر کے دالان کا وہ حصہ تھا جس میں چھت گیر ستونوں پر رقص کرتی ہوئی مورتیاں منقوش تھیں۔اس دالان کے بعد پھر سیڑھیاں تھیں جو ایک قدِ آدم آبنوسی دروازے پر جا کر ختم ہوتی تھیں۔یہ دروازہ ایک وسیع ہال میں کھلتا تھا، جہاں پوجا کے لیے بھون منڈپ لگتا تھا۔یہاں دیواروں پر مردنگ، بجیرے اور جھانجھ

وغیرہ ٹنگے ہوئے تھے۔

اس ہال میں سامنے کی طرف چار سیڑھیاں تھیں جو ایک مرمریں چبوترے سے منسلک تھیں۔اس چبوترے پر وہ دروازہ تھا جس سے اندر ایک بڑے کمرے میں رکھی ہوئی لکشمی اور وشنو بھگوان کی قدِ آدم مورتیاں صاف نظر آتی تھیں۔ان سیڑھیوں پر پہنچ کر ترکیم داس رک گیا۔اس نے وہیں سے سر جھکا کر دیویوں اور دیوتاؤں کو پرنام کیا اور پھر دھوتی کے پائنچے سنبھالے سیڑھیاں چڑھ کر اس کمرے میں داخل ہوگیا۔وہ شاید یہاں پہلے بھی آچکا تھا، ورنہ بے جھجک سیدھا یہاں تک نہ پہنچ جاتا۔اس نے بڑی عقیدت سے ان مورتیوں کو دیکھا اور پھر چھت سے لٹکے ہوئے گھنٹے کو ہلا دیا۔مندر کی خاموش فضا ٹن ٹن کی گونج سے لرز اٹھی۔ گھنٹے کی آواز مندر کے پچھلے حصے تک بھی پہنچ گئی اور مہنت اس امید میں اٹھ کھڑا ہوا کہ شاید کوئی مالدار پاپی دیوتا دیوتاؤں کی پناہ میں آیا ہو اور اسے اس سے خاصی رکھشا مل جائے۔

''دیوی، میں بڑا بھاگی ہوں، مجھے شما کردو۔'' ترکیم داس لکشمی کی مورتی کے سامنے دوزانو ہوگیا۔''تم نے مجھے بہت کچھ دیا، مگر میں اور زیادہ کی ہوس میں غلط راستوں پر پڑ گیا۔ میرا کلیان کرو، دیوی، مجھے بچاؤ۔'' وہ گڑگڑانے لگا۔

مہنت اب بھجن والے ہال میں پہنچ چکا تھا اور اسے دور سے ترکیم داس دیوی کے قدموں میں جھکا ہوا نظر آرہا تھا۔ترکیم داس کا سر عقیدت سے جھکتے جھکتے سجدے کے نزدیک پہنچ گیا، مگر اسی وقت ایک عجیب وغریب بات ہوئی، جس نے حیرت وخوف سے مہنت کی آنکھیں پھیلا دیں۔وہ اتنی دور سے بھی یہ دیکھے بغیر نہ رہ سکا کہ لکشمی کی قدِ آدم مورتی میں جیسے جان پڑ گئی ہے۔وہ اپنی جگہ سے حرکت کررہی ہے۔ترکیم داس کی گھگھی بندھ گئی۔وہ اسے اپنی پرارتھنا کا حیرتناک ردِعمل سمجھا۔وہ سمجھا کہ ایک ہی عبادت میں وہ معرفت تک جا پہنچا ہے۔اس کے چہرے پر کسی کئی ہزاروں سال تپسیا کیے ہوئے رشی کے تقدس مآب چمک پیدا ہوگئی۔یہ اس کے اندرونی احساس کی پیداوار تھی۔اس کا دل عقیدت سے اس قدر لبریز ہوگیا کہ آواز حلق سے نہ

نکل سکی، وہ کانپنے گا۔ لکشمی کی مورتی حرکت میں آچکی تھی۔ پہلے اس نے ایک پیر آگے بڑھا کر اپنی مسند کی پہلی سیڑھی پر رکھا، پھر دوسرا پیر دوسری سیڑھی پر اور جس وقت اس کا تیسرا قدم کمرے کے فرش پر پڑا، تو مہنت کو چکر آنے لگے۔ زندگی بھر کی پوجا پاٹھ کے باوجود وہ کبھی دیوی دیوتاؤں کو خواب میں بھی نہ دیکھ سکا تھا اور ترکیم داس کی ایک پوجا نے لکشمی کے بت میں جان ڈال دی تھی۔ وہ اسے کوئی مہارشی سمجھ کر پیچھے ہی سے پرنام کرنے لگا۔

لیکن جس وقت ریکم داس کی نظریں دیوی کے چمکتے ہوئے چہرے پر پڑیں تو اس کی آنکھیں حیرت وخوف سے پھیل گئیں۔ اس کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکلی اور اسی وقت دیوی کے بلند ہوتے ہوئے ہاتھ سے ایک شعلہ بھڑک کر ترکیم داس پر پڑا۔ اس کی چیخ ادھوری رہ گئی۔ کمرہ ایک سیکنڈ کے لیے تیز آسمانی روشنی سے بھر گیا۔ مہنت بے ہوش ہو چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

''ڈیئر سوفت۔''

''بات مت کرو۔''

''بات کون گدھا کرتا ہے، ہم تو پیار کر رہے ہیں۔''

''تمہارا پیار گیا تیل لینے، میں کوئی لونڈیا ووڈیا ہوں۔ ارے واہ، لاڈ پہ آئے تو تاڑ پہ چڑھ گئے۔''

''اچھا تو اب نیچا تر آؤ، ورنہ میں تمہاری کھوپڑی پر پشاوری بینڈ بجا دونگا۔''

''چہ خش، کوئی زبردستی ہے۔ مان نہ مان، میں تیرا دوست۔''

''میری بلا سے۔ جب حوالات میں نظر آؤ گے تب عاقبت روشن ہوگی۔''

''میاں خاں، یہ دھمکی کسی اور کو دینا، اپن نہ چور، نہ اچکے، نہ ڈاکو، نہ خونی۔''

''میں کیا جانوں؟ دینا بینک کے کیشیئر کی لڑکی نے تمہارے خلاف رپورٹ لکھوائی

ہے کہ کل تم اسے راستے سے اٹھا کر لے گئے تھے۔''

''کون ...؟ میں ...؟''شوکت اس بری طرح اچھل پڑا، جیسے کسی بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

''سالی دو گھنٹے سے ایف بس کے کیو میں کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے تو نیکی کی جو اسے لفٹ دے دی۔''شوکت نے معصومیت سے کہا۔

''وہ تو کہتی ہے کہ تم نے دو گھنٹے تک اسے اپنے بنگلے میں بند رکھا۔''بالے نے سنجیدگی سے کہا۔

''ایک دم جھوٹ۔لو اور لو، یانی کہ نیکی کر دریا میں ڈال۔حاتم طائی نے سچ لکھا تھا۔''

''اور تم نے پڑھا ہوگا۔''

''کیا مطلب؟''

''حاتم طائی نے لکھا تھا۔''

''اور نہیں تو کیا میں ٹھونک رہا ہوں اپنی طرف سے۔پوچھ لو جا کے واڈیا سے۔''

''خیر، مجھے اس سب سے کیا مطلب۔خان صاحب نے کہا ہے کہ شوکت کو خود جا کر گرفتار کر کے لاؤ، کسی اور کو بھیجوں گا تو وہ ہتھکڑی ڈال کر لائے گا۔''

''ارے نہیں...؟''شوکت کو یقین نہیں آیا۔

''تمہارے سر کی قسم۔''

''ما...مم...مگر میں نے تو اس سالی کو چرچ روڈ سے بٹھا کر سات رستے پر چھوڑ دیا تھا۔''

''بلیک میل کرنا چاہتی ہوگی تمہیں۔''

''بالے بھائی، کان پکڑتا ہوں، اب جو کبھی ایسی نیکی کروں تو۔''

Akram Allahabadi

"پولیس آفس تو چلنا ہی پڑے گا۔"

"کچھ کر کے ٹل نہیں سکتی؟"

"ایک شرط پر۔"

"یانی کیا؟"

"تمہاری گاڑی تین دن تک میری سروس میں رہے گی۔"

"ارے ہاں، سب سمجھ گیا۔ یہ گاڑی کے لیے سب چکر ہے۔"

"میری بلا سے، ورنہ میں تو گواہی دے دیتا کہ شوکت کی گاڑی تو پانچ دنوں سے میرے پاس ہے۔ لڑکی کا بیان غلط ہے۔" بالے نے چہرے کو قطعی سنجیدہ بنا کر کہا۔

"اللہ قسم؟"

"تو کیا اتنی دیر سے بکواس کر رہا تھا میں۔"

"تو پھر لے جاؤ۔"

"یہ تو میں تمہاری خاطر کر رہا ہوں۔ ویسے تمہیں میری خاطر ایک کام اور کرنا ہوگا۔"

"کاہے کا معاملہ ہے؟"

"ایک لونڈیا کا۔"

"پھر لونڈیا کا۔ نہیں میں نے تو کان پکڑے۔"

"ہزاروں میں ایک ہے۔"

"ہوگی سالی۔ میرے سر میں ویسے ہی تھوڑے بال ہیں۔"

"تم اور کچھ نہیں کرو گے، صرف اس کا پتہ چلانا ہے۔"

"چلاؤ تم خود، میں کوئی ایجنٹ نہیں ہوں۔"

"تم تو عقل سے پیدل ہو پورے۔ ارے ایک ہوٹل میں صرف اس کے بارے میں پوچھنا ہے۔ کوئی وجہ پوچھے تو کہہ دینا کہ ہماری پرانی دوستی ہے۔"

Akram Allahabadi

”وہ تو ہے ہی۔“

”ارے میری تمہاری نہیں، اس لڑکی کی اور تمہاری۔“

”ایسا... سمجھ گیا۔“

”کیا سمجھ گئے؟“

”تم نے مجھے بالکل وہ سمجھا ہے کیا، یانی کہ بوکھل۔“ شوکت پھر بگڑ گیا۔

”نہیں، تم بہت عقل مند ہو، لیکن بتاؤ تو۔“

”یہی کہ مجھے اس سے پرانی دوستی کرنا ہے۔“

”تمہارا سر۔“

”تو پھر کیا؟“

”خیر، تم تیار تو ہو جاؤ، میں راستے میں اچھی طرح سمجھا دوں گا۔“

”مگر وہ کیشیئر کی چھوکری؟“

”گولی مارو اسے۔ میں ثابت کردوں گا کہ اس نے تم پر جھوٹا الزام لگایا ہے۔“

”یار بالے بھائی، بہوت دنوں سے کسی سے موجت نہیں ہوئی۔“

”پھر رگ ٹیڑھی ہوئی؟“

”نہیں، اللہ قسم۔ وہ جو کہا ہے کسی نے کہ دل کی بستی ویران پڑی ہے الو بول رہے ہیں۔“

”مگر، بھالے بھائی، دل کی بستی کیسے ہوسکتی ہے، وہ تو اتنا سا ہوتا ہے۔“

”وہ شاعر پاگل رہا ہوگا۔“

”ہاں بئی میں بھی سوچ رہا تھا۔“

”تم اب سوچنا چھوڑ کر جلدی سے تیار ہو جاؤ۔“

”ابھی لو۔“

Akram Allahabadi

شوکت کو تیار ہونے میں بمشکل دس منٹ لگے۔نوکر کو گاڑی نکلوانے کی ہدایت اس نے پہلے ہی کر دی تھی۔جب وہ بنگلے سے باہر نکلے تو کار پورٹیکو میں موجود تھی۔

''بالے بھائی،لڑکی خطرناک تو نہیں ہے؟'' شوکت نے کار میں بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں،صرف اونچی ایڑی کے سینڈل پہنتی ہے۔''

''یہ کیا ہوا؟''

''فیشن۔بیٹے ٹھیکیدار،فیشن۔'' بالے نے جلدی سے اس کا شک رفع کر دیا۔اور پھر بالے کے جواب سے یہ اطمینان کرنے کے بعد کہ عزت کو کوئی خطرہ نہیں،اس نے کار ڈرائیو کرتے ہوئے اس لڑکی کے متعلق بیسیوں سوال کر ڈالے۔جنکا جواب بالے اوٹ پٹانگ دیتا رہا۔اور شوکت کے دماغ میں جذبۂ عشق کے کیڑوں کی نشوونما ہونے لگی۔بالے نے اسے یہ بھی سمجھا دیا کہ اسے کیا کیا کرنا ہوگا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

امرتا نروتم داس

گرین گیسٹ ہاؤس کا منیجر فربہ اندامی میں شوکت کا قبلہ وکعبہ معلوم ہوتا تھا، لیکن اس موٹاپے کے علاوہ کمبخت میں ایک اور عیب بھی تھا۔ وہ بہرہ تھا۔ بالے کے پروگرام کے مطابق کیونکہ شوکت نے ایک شاندار سوٹ پہن رکھا تھا، اس لیے موٹے منیجر کو اپنی نشست سے اٹھے بغیر اس کے لیے تعظیماً سر کو ذرا سا جنبش دینا پڑا۔ اسے شاید اپنی نشست پر بیٹھنے میں اتنی کوفت نہ ہوتی ہوگی، جس قدر اچانک اٹھ بیٹھنے میں۔ انسان سے زیادہ وہ ایک ہوا بھرا ہوا گول غبارہ نظر آتا تھا، لیکن وہ جس قدر جسمانی طور پر تگڑا واقع ہوا تھا، اتنا ہی نازک مزاج بھی تھا۔ اور یہ نازک مزاجی خصوصاً اس کی اپنی تعریف کے سلسلے میں حدِ کمال تک پہنچی ہوئی تھی۔ کوئی اگر اسے موٹا کہہ دیتا تو اس کا برا ماننا تو خیر ایک جائز بات تھی، لیکن کسی اجنبی کا اسے دیکھ کر صرف مسکرا دینا بھی اس کے لیے فری اسٹائل کے چیلنج سے کم نہ ہوتا تھا شوکت اگر مسکرا نہ دیتا تو اس نے اسے کوئی قیمتی گاہک یا معزز نووارد سمجھ کر اور زیادہ عزت کی ہوتی، لیکن شوکت کی مسکراہٹ پر اس کا منہ بن گیا۔

''فرمایئے؟'' اس نے پھولے ہوئے منہ کو اور پھلا کر پوچھا۔

''آپ منیجر ہیں؟'' شوکت نے اس کا مذاق اڑانے والے انداز میں پوچھا۔ ایسے موقعوں پر اس سے ایسی حماقتیں غیر ارادی طور پر سرزد ہو جاتی تھیں۔ منیجر نے کوئی جواب نہیں دیا، صرف اس کی طرف دیکھتا رہا۔

''میں پوچھ رہا ہوں آپ کیا منیجر ہیں؟'' شوکت نے اپنا سوال دہرایا۔

''آج سنیچر نہیں جمعرات ہے۔ آپ اپنا کام بتایئے۔'' منیجر نے جھلائے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

Akram Allahabadi

"چہ خش۔ اسکرو ڈھیلا معلوم ہوتا ہے کچھ۔" شوکت اس عجیب سے جواب پر بڑبڑایا، لیکن اس وقت تک منیجر نے وائرلیس یونٹ (چونگا) کان میں لگالیا تھا۔

"آپ کے ہوٹل میں مس... مس امرتا نروتم داس ہیں کوئی؟"

"سنڈاس... اوہ... بیرا، صاحب کو سنڈاس کا راستہ دکھاؤ۔"

"نروتم داس۔" شوکت حلق پھاڑ کر چیخا۔

"اوہ.. ہاں ہاں، رہتے ہیں۔ گوتم داس رہتے ہیں۔"

"دھت تیری کی۔" شوکت جھنجلا گیا۔

"میں مس امرتا نروتم داس پوچھ رہا ہوں۔" شوکت اس کے چونگے کے نزدیک منہ کر کے چیخا۔

"وہ بھی ہیں۔" منیجر نے اثبات میں گردن ہلا کر کہا۔

"ان کا کمرہ کہاں ہے؟"

"کمرہ؟ تو جناب اتنی دیر سے میرا وقت کیوں برباد کر رہے ہیں۔ کمرہ کوئی کالی نہیں ہے یہاں۔" منیجر نے روکھے پن سے جواب دیا۔

"اب میں تمہارا سر توڑ دونگا۔" شوکت کو غصہ آ گیا۔ وہ سمجھا شاید منیجر اس کا مذاق اڑا رہا ہے۔

"توڑ دیں گے؟ کیا تالا؟ جناب، یہ کوئی اٹھائی گیرا گیسٹ ہاؤس نہیں ہے۔"

"شٹ اپ۔" شوکت حلق کے بل چیخا۔ اس کے بھیجے میں یہ بات آ چکی تھی کہ منیجر اس کا واقعی مذاق اڑا رہا ہے۔

"آپ خود۔" منیجر بھی اکڑ گیا۔

"یانی کہ کیا؟" شوکت نے اکڑ کر پوچھا۔

"وہی جو آپ کہہ رہے ہیں۔" منیجر نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ "یہ خوب ہے، کمرہ

نہ دو تو تالا توڑ دیں گے، جیسے ہوٹل ہی خرید لیا ہو۔" وہ بڑبڑایا۔

"میں ایسے دس ہوٹل خرید سکتا ہوں۔" شوکت کو پھر جلال آ گیا۔

"کیا سکتا ہوں؟" منیجر نے چونگے کا رخ اس کی طرف کر کے پوچھا۔

"ہوٹل..خرید..." شوکت نے منہ پھیرے ہوئے جواب دیا۔

"خرید و رید نام کا کوئی نہیں ہے یہاں۔"

لیکن قبل اس کے کہ شوکت آپے سے باہر ہوتا، ایک ادھیڑ عمر کا بیرا ان کی جھڑپ سن کر ادھر آ پہنچا۔

"معاف کیجیے گا، جناب۔" اس نے بڑے ادب سے شوکت کو مخاطب کیا۔ "منیجر صاحب کچھ اونچا سنتے ہیں۔"

"یہ منیجر ہے یا انصاف کی توپ۔" شوکت منیجر کو گھور کر بڑبڑایا۔

"ہمیں حکم دیجیے، کیا چاہیے آپ کو؟"

"ایک لڑکی..."

"جی...؟ کیا فرمایا آپ نے؟" بیرے نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھ کر دوبارہ پوچھا۔

"ارے وہ کیا نام ہے اس کا، تمہارے اس گھاس کے گٹھر نے سب بھلا دیا۔ شوکت ذہن پر زور دینے لگا۔ "ہاں، وہ امرتا مس نروتم داس۔"

"مس امرتا نروتم داس؟"

"ہاں ہاں، وئی۔ کہاں واقع ہوئی ہیں وہ؟"

"پہلی منزل پر کمرہ نمبر ۲۴۔" بیرے نے ادب سے کہا اور منیجر کی طرف چل دیا۔

شوکت کمرہ نمبر ۲۴ رٹتا ہوا اوپری زینہ طے کرنے لگا۔ گیسٹ ہاؤس جو نیچے سے ہوٹل اور اوپر سے گیسٹ ہاؤس تھا، اس وقت شور و شغب سے خالی تھا۔ بالعموم گاہکوں کا ہجوم اور اوپر مقیم

Akram Allahabadi

مہمانوں کی نیچے ہال میں آمد سورج ڈھلنے یا اس کے بعد ہوتی۔ ویسے یہ ایک نیم مغربی انداز کی شاندار قیامگاہ تھی۔

شوکت کو کمرہ نمبر ۲۴ تلاش کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ اس لیے کہ ہر کمرے کے دروازے کے اوپر نمبر کی تختی لگی ہوئی تھی۔ وہ ۲۴ نمبر کے روم پر رک گیا اور گھنٹی کا بٹن دبانے لگا۔ دوسرے لمحے دروازہ کھلا اور ایک موسم بہار میں کھلے ہوئے پھول جیسا سرخ و سفید چہرہ باہر جھانکنے لگا۔ پہلی ہی نظر میں شوکت کے ہاتھ پیر پھول گئے۔

''فرمایئے؟'' اس نے نرم و سریلی آواز میں شوکت سے پوچھا۔

''جی، وہ... یانی کہ نروتا امریتم داس... یہیں رہتی ہیں؟''

''امرتا نروتم داس۔'' لڑکی اس کی گھبراہٹ پر مسکرائی اور اس نے دروازہ اور وا کر دیا۔ ''کہیے، میں ہی ہوں۔''

''اوہ... تو آپ ... جی ہاں، مجھے آپ ہی سے کچھ کام ہے۔'' شوکت بوکھلائے ہوئے بولا۔

''آیئے، اندر تشریف لایئے۔'' لڑکی دروازہ کھول کر پیچھے ہٹ گئی اور شوکت جھجکتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ کمرہ اندر سے آراستہ اور روشن تھا۔ لڑکی نے جو سرخ ساڑی میں ملبوس شوکت کو لال پری سے کسی طرح کم نظر نہیں آ رہی تھی۔ بڑی خوش اخلاقی سے اسے صوفے پر بیٹھنے کی پیشکش کی اور خود سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔ کمرے میں اس کی ایک نوکرانی بھی موجود تھی۔

''جی تو فرمایئے۔ کیا خدمت کروں آپ کی؟''

''وہ... یانی کہ آپ کے جو ہیں نا وہ..'' شوکت اٹکتے اٹکتے بولا۔

''جی؟'' لڑکی کا موڈ کچھ نا خوشگوار سا ہو گیا۔

''یانی کہ آپ کے چاچا... سیٹھ سرگم... نہیں نہیں، سیٹھ ترکم داس۔''

''میرے تو کوئی چچا نہیں۔ میرے پتا جی اپنے ماں باپ کے اکیلے ہی تھے۔'' لڑکی

نے سادگی سے کہا۔

''واہ، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ابھی پرسوں ہی تو گرفتار ہوئے تھے وہ۔آپ نے ہی تو آج ان کی ضمانت لی ہے۔''

''میں نے...؟ کس کی...؟''لڑکی چونکی۔

''وہی سیٹھ ترکیم داس جی کی۔''

''مگر میں تو اس نام کے کسی آدمی کو جو جانتی ہی نہیں۔آپ کو ضرور غلط فہمی ہوئی ہے۔''

''مجھے غلط فہمی؟''شوکت سوچ میں پڑ گیا۔''نہیں نہیں، وہ تو سالہ ...مگر آپ...'' کہتے کہتے اس نے اپنی زبان تھام لی۔لڑکی اسے عجیب سی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔وہ اسے بہر حال کسی غلط فہمی کا شکار کوئی شریف آدمی ہی سمجھی تھی، ورنہ شوکت کی اب تک کچھ نہ کچھ مدارات ہو جاتی۔

''تو پھر آپ نہیں ہیں وہ لڑکی؟''شوکت نے بے بسی سے سر جھٹکا۔

''جی ہاں۔ہوسکتا ہے وہ کوئی اور لڑکی ہو۔مجھے تو کچھ معلوم نہیں کون صاحب گرفتار ہوئے، کس نے ضمانت لی ہے۔''

''ایسا ہی ہوگا۔مجھے شاید غلط پتہ بتا دیا کسی نے۔''

''نام تو میرا ہی امرتا نروتم داس ہے۔''

''تو پھر غلط فہمی ہی ہوگی کچھ۔اچھا معاف کیجیے گا۔''شوکت گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا، لیکن لڑکی کچھ سوچتے سوچتے چونک پڑی۔

''سنیے، ابھی آپ نے کسی کی گرفتاری اور ضمانت کا ذکر کیا تھا؟''

''جی ہاں۔ترکیم داس کی گرفتاری اور امرتا نروتم داس نے ضمانت لی تھی دس ہزار کی۔''

''ہوسکتا ہے کہ اس نام کی کوئی اور لڑکی بھی ہو۔لیکن آپ کون ہیں؟''اس نے شوکت سے اتنی دیر بعد یہ سوال کیا۔

''مم...میں ...میں تو ترکیم داس کا دوست ہوں۔اسے یہ خبر دینے آیا تھا کہ اس کی ضمانت کینسل کردی گئی ہے اور اسے دوبارہ گرفتار کرلیا جائے گا۔''شوکت نے بھولے پن سے بتایا۔

''اوہ،مگر اس ضمانت لینے والی لڑکی نے اپنا پتہ کیا لکھوایا تھا؟''

''یہی...کیا نام ہے کہ گرین ریسٹ ہاؤس۔''

''ضرور کسی نے فراڈ کیا ہے۔''لڑکی بڑبڑائی۔

''ہاں ہاں، کیا ہوگا۔''شوکت نے خود اس کی تائید کی۔''آپ پولیس میں رپورٹ لکھوایئے۔''وہ اسے مشورہ بھی دینے لگا۔

''آپ کا شکریہ کہ آپ نے مجھے آکر بتادیا ورنہ شاید میرے فرشتوں کو بھی اس کی خبر نہ ہوتی۔''لڑکی نے شوکت کو ممنون نظروں سے دیکھا اور شوکت کے بدن میں نگہ ناز کے براہِ راست تصادم سے دورانِ خون تیز ہوگیا۔لڑکی خود اسے دروازے تک چھوڑنے آئی اور اسے رخصت کرتے ہوئے اس نے پھر ایک بار شوکت کا شکریہ ادا کیا جس کے جواب میں شوکت صرف نے ایک حسرت بھری نظر نمبر ۲۴ پر ڈالی اور دل ہی دل میں فیصلہ کر کے کہ اسے اس لڑکی سے محبت ہوجانی چاہیے،وہ دوبارہ ملاقات کی ترکیبیں سوچتا زینے اترنے لگا۔

جب وہ ہال میں آیا تو منیجر کاؤنٹر سے ہٹ کر بیروں کو کچھ ہدایتیں دے رہا تھا۔اس پستہ قد ہاتھی کو دیکھ کر شوکت کو پھر ہنسی آگئی اور منیجر کا پارہ پھر چڑھ گیا۔

''نہایت بدتمیز آدمی ہیں یہ صاحب۔''وہ ادھیڑ عمر بیرے سے کہنے لگا۔

''جی نہیں،وہ آپ کو پہچانے نہیں تھے۔''بیرے نے ادب سے کہا۔

''پہنچانے آئے تھے،کسے؟''منیجر نے چونگا کان سے لگا کر پوچھا۔

"مجھے۔" بیرہ یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

ہرہٹلر

شوکت گیسٹ ہاؤس سے نکل کر سیدھا اپنی کار میں جا بیٹھا۔ لیکن جیسے ہی اس کی کار اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھی، گیسٹ کے ہاؤس کے دروازے میں ایک سایہ نمودار ہوا اور اس نے ہاتھ ہلا کر کسی کو کچھ اشارہ کیا۔ جس کے فوراً بعد گیسٹ ہاؤس کے باہر کھڑی ہوئی کاروں میں سے ایک کالے رنگ کی پرانی ڈیسوٹو قطار سے نکل کر اسی راستے پر چل پڑی جس پر شوکت کی کار گئی تھی۔ جب وہ کار بھی فاصلے کے دھندلکے میں پہنچ کر غائب ہو گئی تو وہ سایہ سیڑھیاں اتر کر باہر نکل آیا۔ وہ ایک سوکھے چھوہارے جیسی جھریوں دار شکل کا منحنی سا آدمی تھا، جس نے سر پر فیلٹ ہیٹ لگا رکھا تھا، لیکن اس سوکھے چہرے پر اس کی زیرہ جیسی چمکیلی آنکھیں اس کے چست و چالاک ہونے کا پتہ دے رہی تھیں۔ اس نے ایک پرانا سا موٹے کپڑے کا گرم سوٹ پہن رکھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی، جس کا سرا آگے کی طرف گھوما ہوا اور گھوڑے کی سی شکل کا تھا۔ اس نے پہلے کاروں کی قطاروں کے درمیان کھڑے ہو کر چاروں طرف نظر دوڑائی، پھر ان کے درمیان سے چلتا ہوا گیٹ سے باہر نکل آیا۔ یہاں بھی سڑک پر سناٹا تھا۔ وہ اسے کراس کر کے دوسری طرف کے فٹ پاتھ پر چلنے لگا۔ شروع میں اس کی رفتار ایسی رہی جیسے کوئی چہل قدمی کرنے کے لیے نکلا ہے، لیکن جیسے جیسے فاصلہ زیادہ ہوتا گیا، اس کی رفتار تیز ہوتی گئی۔ ٹھیک اسی وقت اس سے تقریباً سو قدم کے فاصلے پر ایک اور سایہ بھی اندھیرے میں حرکت کر رہا تھا۔ اگلی سڑک کے موڑ پر گھومنے کے بعد وہ منحنی سا آدمی اور تیز چلنے لگا۔ اس نے اس سڑک کو بھی کراس کر لیا اور دوسری طرف کے اس فٹ پاتھ پر ہو لیا، جس کے کنارے کنارے بچوں کے ایک پارک کی فینسنگ چلی گئی تھی۔ کبھی کبھی وہ ایک آدھ بار پیچھے پلٹ کر بھی دیکھ لیتا، لیکن اس کا پیچھا کرنے والا سایہ بھی کافی محتاط تھا، وہ ہر ایسے موقع پر یا تو کسی مجمع، یا راہ

روکی آڑ میں ہوجاتا یا لاپرواہی سے فٹ پاتھ کے کنارے کھڑے ہوکر دوسری طرف دیکھنے لگتا۔

آگے شہر کا ایک مشہور چوراہا کمانیہ اسکوائر تھا، جس کے مشرقی کونے پر ملٹن بار کی ایک منزلہ شاندار عمارت دور سے صاف ہی نظر آتی تھی۔ اس کے بڑے دروازے پر برقی حروف کا بورڈ نصب تھا۔ چوراہے کو عبور کرتا ہوا وہ آدمی تیزی سے بار میں داخل ہوگیا۔ اس کے اندر جانے کے دو منٹ بعد ہی وہ سایہ بھی بار کے دروازے پر پہنچ گیا جو اب تک اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ وہ اپنے السٹر کے کالروں میں اپنا چہرہ چھپائے ہوئے تھا۔ اس کی پیشانی سرمئی رنگ کے فیلٹ ہیٹ کے آگے جھکے ہوئے حصے سے ڈھکی ہوئی تھی۔ اس نے بار کے دروازے میں جھانک کر دیکھا۔ اندر کافی چہل پہل تھی اور شاید مشروبات کی آڑ میں شراب کا دور چل رہا تھا۔ دروازے کے وسطی حصے میں کیونکہ شیشے کے فریم لگے تھے اس کے اندر کا ماحول صاف نظر آرہا تھا۔ ملٹن بار کے بارے میں مشہور تھا کہ یہاں وہ غیر ملکی جمع ہوکر شراب نوشی کرتے ہیں، جن کے پاس شراب کے سرکاری پرمٹ ہیں، لیکن وہ منحنی سا ادھیڑ عمر آدمی سو فیصدی ہندوستانی ہی معلوم ہوتا تھا۔ اس کے ہال میں اس طرح داخل ہونے پر کچھ سفید فام لوگوں نے برے برے منہ بنائے، لیکن وہ ان کی طرف دیکھے بغیر بار ٹنڈر سے مخاطب ہوگیا۔

''گیسٹیلو۔'' منحنی آدمی نے بار ٹنڈر سے کہا۔

''چہرہ؟'' بار ٹنڈر نے ادھر ادھر دیکھ کر آہستہ سے پوچھا۔ جس کے جواب میں اس آدمی نے اپنی اندر کی جیب سے ایک چمکدار سنہری چیز نکال کر اس کے سامنے کردی۔ یہ ایک سونے کی انگوٹھی تھی جس پر نگ کی جگہ ایک عجیب سا نقش کھدا ہوا تھا جس کی شکل ڈنک اٹھائے ہوئے کسی بچھو سے ملتی جلتی تھی۔ بار ٹنڈر نے اسے دیکھ کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

''بزنس؟'' بار ٹنڈر نے پوچھا۔

''نو... ڈینجر۔'' وہ بولا۔

''روم نمبر ۱۱۔'' یہ کہہ کر بارٹنڈر نے اسے ایک کیس سے ایک چھوٹی سی چابی نکال کر دے دی۔ وہ اسے مٹھی میں دبا کر آگے چلا گیا۔

اس کے جانے کے ایک منٹ بعد ہی ہال میں ایک عجیب سی نئی شخصیت داخل ہوئی۔ یہ ایک ادھیڑ عمر کا تندرست سا عرب تھا، جو اپنے قومی لباس میں تھا۔ اس کا رنگ گندمی اور چہرہ بیضوی تھا۔ قد میں وہ تقریباً چھ فٹ رہا ہوگا۔ ہال میں داخل ہونے کے بعد ایک نظر اس نے چاروں طرف ڈالی اور پھر کاؤنٹر پر چلا گیا۔ ہال میں موجود لوگوں نے اس کی طرف زیادہ توجہ نہ کی۔ شاید وہ اس جگہ کسی عرب کی آمد پر حیران نہ تھے۔

بارٹنڈر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''گیسٹ ملو۔'' عرب نے بارٹنڈر کی طرف جھک کر پوچھا۔

''چہرہ؟'' بارٹنڈر نے سوال کیا۔

''چہرہ...گم...اسکارپین۔'' عرب نے بگڑی ہوئی ہندوستانی میں کہا۔

''اُدر بیٹو...ابھی کھبر دینگا۔'' بارٹنڈر نے ہال کی ایک میز کی طرف اشارہ کیا۔

''نائیں...ارجنٹ...جلدی...ہمرا جہاز۔'' عرب نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''دو منٹ، بس۔'' بارٹنڈر نے اسے دو انگلیوں کے اشارے سے سمجھایا۔

عرب دونوں کندھے جھٹک کر بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے اس میز پر جا بیٹھا جس کے لیے بارٹنڈر نے اشارہ کیا تھا۔ وہ محتاط انداز میں چاروں طرف دیکھتا جاتا تھا۔ ہال میں اس وقت ایک اسپینی لڑکی رقص کر رہی تھی۔ اس کے ساتھ اس رمبا رقص میں دو مقامی اینگلو انڈین لڑکے اور ایک پیانسٹ بھی شریک تھے۔ زیادہ تر نشستیں غیر ملکی سفید فام لوگوں سے پر تھیں۔ ان میں سے بعض کی میزوں پر تو علی الاعلان برانڈی اور وسکی کی بوتلیں موجود تھیں اور بعض کے سامنے ہالس وائن کی بوتلیں تھیں۔ ہالس وائن شراب بندی کے بعد شراب فروشوں کی ایک نئی دریافت تھی، جسے ناک کے نام سے فروخت کیا جاتا۔ اس لیے پولیس اس پر ہاتھ نہیں ڈالتی

تھی۔اسپینی ڈانسر میزوں کے درمیان سے رقص کرتی ہوئی گزری تو کئی منچلوں نے، جو نشے میں مست تھے، اپنی باہیں پھیلا دیں، مگر وہ تڑپتی ہوئی مچھلی کی طرح ان کی گرفت سے نکلتی ہوئی نئے آدمی عرب کی میز کے پاس رک گئی۔

''آانت رجل الساعتہ۔'' وہ اسے گھبرایا ہوا سا دیکھ کر مسکرا کر اس کی مونچھوں کو چھیڑتی ہوئی بولی۔عرب نے اس طنز کو محسوس کر لیا۔وقتی مرد کے اس طعنے میں دراصل رقاصہ نے اس بزمِ عیش طرب میں اس کی خموشی پر چوٹ کی تھی۔اسپینیوں کے لیے عربی کا جاننا کوئی غیر متوقع بات نہ تھی۔اسپین پر صدیوں تک عرب حکومت کر چکے تھے۔

عرب نے اسے غصیلی نظروں سے گھور کر لاحول پڑھنے لگا اور وہ مسکراتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔پورا ہال عرب کی اس کیفیت پر شراب نوشوں کے طنزیہ قہقہوں سے گونج اٹھا اور عرب بے چینی سے کروٹ بدل کر رہ گیا۔

یکا یک ایک عجیب سی آواز نے ان قہقہوں کا دم گھوٹ دیا۔

''ہالٹ۔''

یہ ایک فوجی قسم کی آواز تھی۔سب اس کی طرف پلٹ پڑے۔کوئی اسے پولیس آرڈر سمجھا، کوئی ناگہانی آفت، لیکن جب ان کی نظریں داخلی دروازے پر پڑیں تو وہ بے اختیار ہنس دیے۔آنے والا وہی پاگل ہٹلر تھا، لیکن اس وقت اس کے سر پر گورکھا ہیٹ نہیں تھا۔اس کے بال ماتھے پر بالکل ہٹلری انداز میں بکھرے ہوئے تھے۔

''ہیل ہٹلر۔'' وہ زور سے چیخا اور کئی شرابیوں نے لطف لینے کے لیے اس نعرے کو دہرا دیا۔

''یہ کمبخت پھر آ گھسا یہاں۔'' بارٹنڈر کی جھنجلائی ہوئی آواز سنائی دی۔

''جرمن قوم کے نوجوانو، مجھے پہچانو، اور نہیں پہچانتے تو جہنم میں جاؤ۔میں ہٹلر ہوں۔آرین قوم کا قابلِ فخر سکوت...ہونہہ ہونہہ...سپوت۔آئی ایم ہٹلر۔اٹینشن۔''

"ارے بھگاؤنا اسے۔" بارٹنڈر نے ایک بیرے کو اشارہ کیا۔

"رہنے دیجیے نا، ذرا لطف آئے گا۔" ایک معزز قسم کے غیر ملکی نے بارٹنڈر سے سفارش کی۔

"مگر جناب دوپہر سے پریشان کیے ہوئے ہے۔" بارٹنڈر جھنجلا کر بولا۔

"پولیس کے سپرد کیوں نہیں کر دیتے؟" ایک دوسرے آدمی نے کہا۔

"یہ پولیس کا نام سنتے ہی بھاگ جاتا ہے۔" وہ بولا۔

"شٹ اپ، یو ساڑھے تین انچ کا آدمی۔ ہٹلر کا انسلٹ کرتا ہے۔" پاگل ہٹلر کو غصہ آگیا۔

"ہٹلر جو اسٹالین کی مونچھوں سے نہیں ڈرا، میرے سرفروش نازیو...نہیں، نازیو۔ کیا تم یہ توہین برداشت کر سکتے ہو۔ ہٹلر نے ہمیشہ توپ کے منہ سے بات کی ہے۔ وہ اب بھی ایسا ہی کرے گا۔" یہ کہہ کر اس نے جیب سے پستول نکال لیے۔ پستولوں پر نظر پڑتے ہی ہال میں سناٹا چھا گیا۔ وہ نقلی نہیں معلوم ہوتے تھے۔

"ارے کسی طرح پکڑواسے۔" بارٹنڈر نے پھر بیروں کو حکم دیا۔

"خبردار، الٹی کھوپڑی کے جمعدار، حرکت جو کی کسی نے تو بے حس و حرکت بن جائے گا۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا اور اچک کر ایک میز پر چڑھ گیا۔

"تم لوگ اس شیطان کے بہکانے میں نہ آؤ۔ میں مرا نہیں ہوں، میں نے ہندوستان میں دوسرا جنم لیا ہے۔ جرمن قوم کی بیٹیوں کے بیٹو، میں دنیا کو دوبارہ فتح کر کے تمہاری گود میں ڈال دونگا۔ ذرا ایک سگریٹ۔" تقریر کرتے کرتے اس نے اسی میز کے نزدیک سہمے ہوئے بیٹھے ایک آرٹش سے سگریٹ مانگی۔ اس نے بے چون وچرا اسے سگریٹ پیش کر دی جسے منہ میں لگا کر وہ پھر تقریر کرنے لگا۔

"میں نے جنرل رومیل کو حکم دے دیا ہے کہ وہ دشمنوں کے ناک کان کاٹ کر چیل

کوؤں کو بانٹ دے۔''

''بخدا تم پر فرض ہے کہ تم اپنے ناک کان کی حفاظت کرو۔ناک اور کان۔میرے بہادر نوجوانو، ناک کان بڑی ضرورت کی چیزیں ہیں۔جس آدمی کی ناک نہیں اسے دریائے ٹیمز میں ڈوب مرنا چاہے۔جس کے کان نہیں اس میں اور ایک بھینس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس لیے جرمن قوم کے سپوتو، اپنی ناکوں کے لیے میرا دانت کا منجن اور کانوں کے لیے سن لائٹ سوپ صابن استعمال کرو۔بہت فائدے کی چیز ہے۔ریسرچ کے بعد ڈاکٹر اینٹی فلوجسٹن نے لکھا ہے موتی سی آب لاتا ہے یہ دانت کا منجن۔ہیل ہٹلر۔''

بعض سفید فام آدمیوں نے اس کی ہندوستانی کو خاک نہ سمجھتے ہوئے ہیل ہٹلر کے نعرے کا مذاقاً پھر ساتھ دے دیا۔لیکن پاگل ہٹلر نے فوراً ہی زور زور سے رونا شروع کر دیا۔

''ہائے میری ایوا بیرن۔''

''یہ نئی سوجھی ہے گدھے کو۔''ہال میں کسی نے انگریزی میں کہا۔

''ڈیئر مسٹر۔''پاگل ہٹلر نے رونا روک کر اس سے مخاطب ہو گیا۔''یو ہیو ناٹ لوک ودھ اپنی خوبصورت گرل۔ہائے، زمانہ ڈز ناٹ نو۔وہاٹ ہیتی ہے ایک ہارٹ پر عالمِ فراق گھورکھپوری میں، مائی ایوا بیرن۔او مائی ڈارلنگ ایوا۔آئی وہیر ڈھونڈ لونگا یو کو۔''

لوگ بے تحاشا ہنس رہے تھے۔شائد اپنے اظہارِ غم پر یہ ہنسی پاگل ہٹلر کو ناگوار گزری۔اس نے پستول کی نالیں چھت کی طرف کر کے ہوا میں دو فائر کر دیے۔جس کے ساتھ ہال میں کئی چیخیں بلند ہوئیں اور لوگ سہم گئے۔

''کال دی پولیس۔''ایک آدمی نے بارٹنڈر سے کہا۔

''پپ...پولیس۔''بارٹنڈر ہچکچایا۔''ارے، مگر تم لوگ کیا دیکھ رہے ہو۔باہر نکال کر پھینکو اس ہٹلر کے بچے کو۔''وہ پھر بیروں پر بگڑ پڑا۔

دنیا گواہ ہے کہ ہم نے کوئی بچہ نہیں دیا۔یہ شخص جھوٹا ہے۔''ہٹلر اکڑ کر بولا۔اور لوگ

اس کے پستولوں سے خوفزدہ ہونے کے باوجود ہنس پڑے۔

''ہالٹ یور ماؤتھ۔''ہٹلر دھاڑا۔اور پھر سناٹا چھا گیا۔

''میری ایوا بیرن اسی مقبرے میں دفن ہے۔تم اسے چھپاؤ گے تو میں سب کو اپنی توپ سے اڑا دونگا۔''

لیکن اسی وقت ایک نوجوان انگریز نے پیچھے سے جست کر کے پاگل ہٹلر کے دونوں ہاتھ اپنے قابو میں کر لیے۔بیرے جواب تک سہمے ہوئے دوری کھڑے تھے،فوراٹوٹ پڑے اور ذرا دیر میں پاگل ہٹلر کی درگت بن گئی۔وہ بیروں کے ہاتھوں مار کھا کر بھی۔''ہائے میری ایوا بیرن...تمہارے عشق میں یہ بھی ہونا ہے۔''چیختا رہا۔

''ارے،مگر یہ پستول تو نقلی ہیں۔''ایک معمر آدمی نے ہٹلر کے ایک پستول اٹھا کر دیکھتے ہوئے کہا۔

''نقلی؟''دوسرا آدمی چونکا۔

''ہاں،یہ تو بچوں کے کھیل کے نقلی امریکن پستول ہیں۔''وہ پھر بولا۔''ان میں صرف پٹاخوں کی آواز ہوتی ہے۔''یہ کہہ کر اس نے مظاہرہ کے لیے دو تین دھماکے کر کے بھی دکھا دیے۔

''مجھے چھوڑ دو...مجھے چھوڑ دو۔''ہٹلر چیخنے لگا۔''میرا ہتھیار دشمن کے قبضے میں چلا گیا ہے۔قوم کے نوجوانو،مجھے آگے بڑھنے دو۔''

لیکن آگے بڑھنے دینے کی بجائے دو بیروں نے اسے ہاتھ پیر تھام کر ہوٹل کے باہر پھینک دیا اور دربان کو سختی سے ہدایت کر دی گئی کہ آئندہ یہ پاگل کسی طرح بھی اندر گھسنے نہ پائے۔

پاگل ہٹلر دیر تک موضوع بحث بنا رہا۔لوگ اس کے تذکروں سے مزے لیتے رہے۔اس تمام گڑبڑ میں اس عرب نے کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔وہ خاموشی سے بیٹھا یہ تماشہ دیکھتا

Akram Allahabadi

رہا تھا، لیکن اب شاید وہ انتظار کی مدت طویل ہونے سے بور ہو چکا تھا۔ وہ اپنی نشست سے اٹھ کر پھر کاؤنٹر پر آ گیا۔

''یا آنی ....ام کو دیر ہوتا ہے۔'' وہ بارٹنڈر سے بولا۔

''اوہ، میں اس پاگل کی گڑبڑ میں بھول ہی گیا تھا، معاف کیجیے گا۔'' بارٹنڈر نے معذرت کی۔ ''بس ایک منٹ اور۔''

عرب پھر اپنی نشست پر واپس چلا گیا۔ بارٹنڈر نے کاؤنٹر کے نیچے لگے ہوئے ماسٹر فون کو آن کر کے کاؤنٹر سے نیچے جھک کر کسی کو کال کیا۔

''گیسٹیلو باس۔''

''یس۔'' ماسٹر فون سے آواز آئی۔

''وہ عرب ہے۔''

''انتھونی خبر لایا ہے کہ مارتھا کی تلاش شروع ہو گئی ہے۔ احتیاط رکھو۔ اس عرب کو ادھر بھیج دو۔''

''او کے، باس۔'' یہ کہہ کر بارٹنڈر نے سوئچ آف کر دیا۔ اس نے اشارے سے عرب کو پاس بلایا اور پھر اسے اوپر جانے کی ہدایت کرتے ہوئے اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔

پہلی منزل میں زینے سے باہر نکلتے ہی ایک آدمی اس کے سامنے آ گیا۔ وہ کوئی خوفناک شکل کا ہندوستانی تھا۔ پہلے وہ سر سے پیر تک عرب کو گھورتا رہا، پھر بھاری سی آواز میں بولا۔ ''کیا چاہیے؟''

''گیسٹیلو۔'' عرب نے لاپرواہی سے کہا۔

''ادھر آؤ۔'' وہ آگے آگے چلنے لگا۔ عرب بے چون و چرا اس کے پیچھے ہو لیا۔ کچھ دور چل کر وہ آدمی ایک کمرے کے دروازے پر رک گیا۔ دروازے کی چوکھٹ پر ایک کی ہول بنا ہوا تھا۔ اس نے جیب سے ایک چابی نکال کر اس میں ڈالی اور چابی کو گھمانے کی بجائے دبانا

Akram Allahabadi

شروع کر دیا۔ چند سیکنڈ بعد ہی کمرے کا دروازہ کھل گیا۔

''اندر جاؤ۔'' وہ آدمی غیر مہذب لہجے میں عرب سے بولا۔ عرب نے بھی جواب میں قہر آلود نظروں سے اسے دیکھا اور پھر اس کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس کے اندر داخل ہوتے ہی کمرے کا دروازہ جھٹکے سے بند ہو گیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا، دروازہ مقفل ہو چکا تھا۔ اس کے سامنے ایک صوفے پر ایک تندرست سا گورا چٹا آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ہونٹوں میں سگار دبا ہوا تھا۔ وہ عرب کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے مخاطب ہو گیا۔

''تشریف رکھیے۔'' اس نے انگریزی میں کہا، لیکن عرب نے کچھ اس انداز سے اسے دیکھا جیسے انگریزی زبان سے نابلد ہو۔

''محکمۂ سی آئی ڈی کا سپرنٹنڈنٹ اور انگریزی زبان نہ سمجھ سکے۔'' گیسٹیلو مسکرایا۔ اس جملے پر عرب ایک لمحے کے لیے چونکا، لیکن فوراً ہی اس نے خود کو سنبھال کر اس قدر معصوم بنا لیا، جیسے اب بھی کچھ نہ سمجھا ہو۔

''آانت مسٹر گیسٹیلو؟'' اس نے بھولے پن سے اس کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

''خاں صاحب، آپ جس وقت یہ سوانگ بھر کر اپنے بنگلے سے نکلے ہیں، مجھے اسی وقت خبر ہو گئی تھی۔'' گیسٹو نے سگار کا ایک لمبا کش لیتے ہوئے کہا، لیکن عرب اس وقت تک اپنی جیب سے پستول نکال چکا تھا۔

''تو یوں ہی سہی، مسٹر گرارڈ۔'' عرب کا لہجہ ہندوستانی ہو گیا، لیکن گرارڈ کے نام پر گیسٹو چونک سا پڑا۔ پھر بھی اس نے اپنے چہرے کی خوشگوار کیفیت برقرار رکھی۔

''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، خان صاحب۔ آپ شاید ترکیم داس کے معاملے میں غلط راستے پر پڑ کر یہاں تک آ گئے ہیں۔ نہ میں گرارڈ ہوں نہ اس نام کی کسی شخصیت سے واقف ہوں۔'' وہ بدستور صوفے پر بیٹھا، بڑے سکون سے گفتگو کرتا رہا۔

Akram Allahabadi

''اور شاید یہ بھی غلط فہمی ہو گی کہ جس لڑکی نے فرضی امرتا تروتم بن کر ترکیم داس کی ضمانت لی تھی وہ تمہاری بہن مارتھا ہے؟''

''نہیں، یہ سچ ہے، لیکن یہ غلط ہے کہ ہمارا اس سلسلے سے کوئی واسطہ ہے جس کی آپ تحقیقات کر رہے ہیں۔''

''تو پھر ترکیم داس کی ضمانت کیوں لی گئی؟''

''میں اخباروں میں اس کی گرفتاری کی خبر پڑھ چکا تھا اور یہ بھی کہ وہ سونے کی اسمگلنگ کے سلسلے میں ہوئی ہے۔ مارتھا نے میری ہی ہدایت پر اس نامعلوم اسمگلنگ ریکٹ کی نمائندہ بن کر اس کی ضمانت لی تا کہ وہ اس طرح ترکیم داس سے وہ راز اگلوا سکے جو شاید پولیس بھی نہیں اگلوا سکی۔ میں اس ریکٹ کا پتہ لگا کر اسے بلیک میل کرنا چاہتا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ ترکیم داس اسے ریکٹ کی نمائندہ سمجھ کر کوئی نہ کوئی ایسی بات ضرور کہہ بیٹھے گا جس سے ہمیں اس کا سراغ مل سکے۔''

''اگر یہ مان بھی لیا جائے تو اس نے امرتا تروتم بن کر ضمانت کیوں لی؟''

''امرتا اس کی سہیلی ہے۔ اور ویسے اس کا مقصد اس ریٹ کو الجھن میں ڈالنے کے علاوہ یہ بھی تھا کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ مارتھا اپنی صحیح شخصیت میں ان لوگوں کی نظر میں آجائے۔''

''لیکن امرتا کو اس کا علم نہیں کہ یہ کس کی حرکت ہے؟''

''اسے بتا دیا جاتا تو کیا وہ ایسا کرنے دیتی؟ اور پھر پس پردہ دباؤ ڈال کر کوئی بھی اصل واقعے سے آگاہ ہو سکتا تھا۔''

''مارتھا کہاں ہے؟''

''یہ مجھے بھی معلوم نہیں، لیکن وہ ترکیم داس کے ہی چکر میں ہو گی۔''

''بہر حال کہانی اچھی ہے۔ اور ہاں، پھر یہ تم نے اپنے پاس آنے والوں کے لیے ڈرامائی طریقے کیوں اختیار کر رکھے ہیں؟''

Akram Allahabadi

''اگر میں بتادوں تو کیا آپ یقین کریں گے؟''

''شاید۔''

''کسی پراسرار شخصیت 'اسکارپین' کے نام سے یہاں ایک خفیہ گروہ کام کر رہا ہے۔ اور دراصل یہ بھی مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ تریکم داس بھی اس گروہ کا ایک آلہ کار تھا۔''

''نئی بات کہو۔''

''تو کہیں آپ مجھے ہی اسکارپین نہ سمجھ بیٹھیں؟''

''نہیں۔ میں اتنا بیوقوف نہیں ہوں۔'' خان مسکرایا۔

''مجھے ایک غیر ملکی ملاح کے ذریعے اس بین الاقوامی ریکٹ کے وجود کا علم ہوا تھا اور آپ تو جانتے ہیں کہ میرا پرانا دھندا کیا ہے۔''

''بلیک میلنگ۔'' خان نے صوفے پر ایک پیر رکھ کر اس کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔

''بالکل۔ چنانچہ میں نے اس گروہ پر یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ میں اس کی سرگرمیوں سے آگاہ ہوں اور اسے جب چاہوں نقصان پہنچا سکتا ہوں، خود کو پراسرار اسکارپین ظاہر کرنا شروع کر دیا۔''

''اور پھر بھی اندھیرے میں رہے۔''

''آپ کا اندازہ صحیح ہے، لیکن مجھے یقین ہے کہ اب زیادہ دن اصل اسکارپین کی شخصیت پردے کی آڑ میں نہ رہ سکے گی، کیونکہ اسی مغالطے میں اس کے کئی نئے گاہک مجھ تک آ چکے ہیں۔''

''اور تم ان سے بھی کچھ پتہ نہ چلا سکے۔''

''اس کے لیے مجھے ان پر ظاہر کرنا پڑتا کہ میں اسکارپین نہیں ہوں۔''

''ایسے لوگ تمہارے پاس خالی ہاتھ تو نہ آتے ہوں گے؟''

''وہ سونا خریدنے آتے تھے، لیکن ان کی ادائیگی کے طریقے عجیب تھے۔ وہ غیر

ملکوں کے بینکوں کے ڈرافٹ پیش کرتے تھے۔"

"اور تم نے کیا کہا ہے؟"

"میں نے یہ بہانہ کر دیا ہے کہ ابھی مال کے آنے میں ہفتے دو ہفتے کی دیر ہے۔"

"خوب، لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ میں اس کہانی پر یقین کرلوں، جب کہ تم میری نقل وحرکت کی بھی نگرانی کرا رہے تھے؟"

"آپ اس سے میری نیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں، میرا مقصد صرف اس قدر تھا کہ کہیں آپ اسکارپین کا نام سن کر میرے یا مارتھا کے خلاف کوئی سخت اقدام نہ کر بیٹھیں۔ میں چاہتا تھا کہ ایسا وقت آنے سے پہلے آپ کو سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔"

"لیکن مارتھا نے قانون کو دھوکہ دیا ہے؟"

"مجھے یہ تسلیم ہے، لیکن اس کا ارادہ بالکل نہ تھا۔ مارتھا کا خیال تھا کہ وہ بعد میں اپنی سہیلی کو سب کچھ بتا کر اسے رازداری پر آمادہ کرلے گی۔ اور کیونکہ ضمانت نقد کی صورت میں ہے، اس لیے پولیس زیادہ سے زیادہ اتنا کرے گی کہ اگر تریکم داس غائب ہو جائے تو ضمانت کی رقم ضبط کرلی جائے۔ مگر بعد میں یہ ارادہ بدل گیا، کیونکہ امرتا نروتم داس کی نگرانی شروع ہو گئی تھی، بلکہ میرا خیال ہے کہ آپ بھی وہیں سے میرے آدمی کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہیں۔ وہ بیوقوف مجھے ٹیلی فون پر خبر دینے کی بجائے خود یہاں چلا آیا تھا۔"

"اس کا پیچھا کرنے والا میں نہیں، میرا ایک آدمی تھا، لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ شہر کا ہر وہ مقام میری نظر میں رہتا ہے، جہاں کسی جرم کی امکانی راہیں پہنچی ہوں۔"

"میں تو چاہتا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو آپ کا سامنا بھی نہ ہو اور آپ کو معلوم بھی ہو جائے کہ آپ غلط لوگوں پر شبہ کر رہے ہیں۔"

"لیکن قانون تو مارتھا کو معاف نہیں کرسکتا۔"

"تب مجھے افسوس ہے کہ اسے قانون سے فرار کی راہیں اختیار کرنی پڑیں گی۔

Akram Allahabadi

ویسے میں یا میرے آدمیوں نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی ہے جو قانون کی زد میں آتی ہو۔" وہ بھی بڑے اعتماد کے ساتھ بولا۔

"تم اقرار کر چکے ہو کہ مارتھا نے تمہارے اشارے پر ترکیم داس کی ضمانت لے کر پولیس کو دھوکہ دیا ہے۔"

"صرف زبانی، اور وہ بھی آپ کے سامنے سچ بولنے کے لیے۔ ورنہ میں تو ابھی اور اسی وقت اس اقرار سے مکر سکتا ہوں۔" گیسٹیلو مسکرایا۔

"خیر۔ لیکن یہ نہ بھولنا کہ قانون کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ تم کہیں بھی رہ کر میری دست برد سے دور نہیں رہ سکتے۔" خان نے یہ کہہ کر ریوالور جیب میں ڈال لیا۔

"میں ہر ملک کے قانون کا احترام کرتا ہوں۔ میرا مقابلہ صرف غیر قانونی حرکتیں کرنے والوں سے ہوتا ہے اور وہ بھی انھیں بلیک میل کرنے کے لیے۔"

"یہ بھی ایک جرم ہے۔"

"بشرطیکہ شریف شہریوں کے ساتھ کیا جائے یا اس کے ثبوت فراہم ہو جائیں۔"

"یہ دروازہ بند کیوں کیا گیا تھا؟"

"یہ اس پراسرار طریقِ کار کا ایک حصہ ہے جو خود کو اسکارپین ظاہر کرنے کے لیے میں نے اختیار کیا ہے۔"

"میرے سوا یہاں اور کوئی نہیں جانتا کہ آپ کون ہیں۔"

"اور جاننا بھی نہیں چاہیے۔"

"میں سمجھتا ہوں۔"

خان اب دروازے کی طرف پلٹا، لیکن کسی خیال سے پھر رک گیا۔

"بہتر ہوگا کہ تم خود مارتھا کو تلاش کر کے قانون کے حوالے کر دو، ورنہ میں تو اسے ڈھونڈ ہی نکالوں گا اور اس صورت میں وہ کافی سزا کی مستحق ہوگی۔"

Akram Allahabadi

''کم از کم ایک بھائی سے تو یہ نہ ہوگا، ویسے اس کی تلاش کا قانون کو اختیار ہے۔''

گیسٹیلو بھی کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

''مگر ایک بھائی اپنی بہن کو اپنی غرض کے لیے جہنم میں جھونک سکتا ہے؟'' خان نے اسے نفرت بھری نظروں سے دیکھ کر کہا۔

''بعض اوقات مجھے اپنے بزنس کے لیے ایسے بھی رسک لینے پڑتے ہیں۔''

''سمجھ لوں گا تمہارے بزنس سے بھی کسی دن۔'' خان یہ کہتا ہوا دروازے تک پہنچ گیا۔ اس وقت گیسٹیلو نے اپنے صوفے کے دستے میں لگے ہوئے ایک بٹن کو دبا دیا، جس کے ساتھ ہی دروازہ آپ سے آپ کھل گیا اور خان باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

عشق بالجبر

''ہیل ہٹلر۔''

دوڑتی کار میں سنائی دینے والی اس غیر متوقع آواز نے اسے بری طرح چونکا دیا کہ اسٹیرنگ پر اس کے ہاتھ بہک گئے۔ وہ کار میں اکیلی ہی تھی اور سڑک پر دور تک بھیانک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ شہری آبادی کو پیچھے چھوڑ کر اس وقت اس کی کار سمتی پور روڈ پر دوڑ رہی تھی، جو شہر کو سو میل دور کے سرحدی علاقے سے ملاتی تھی۔ اس راستے سے زیادہ تر لوگ گرمی کے موسم یا تعطیل کے دنوں میں دیوبالا ہل اسٹیشن کو جایا کرتے تھے، جو صوبے کا کشمیر کہا جاتا تھا۔

اس نے کار کی رفتار دھیمی کرتے ہوئے کار کے اندر کی مدھم روشنی آن کر دی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، کیونکہ پچھلی نشست پر وہی پاگل ہٹلر موجود تھا، اپنے اسی مخصوص حلیے میں۔

''تت... تم... یہاں بھی؟''

''جہاں تم وہاں تمہارا سایہ۔'' پاگل ہٹلر نے کسی قدر شرمائے ہوئے انداز میں کہا۔ ''لڑکی، تم ہر ہٹلر سے بدتمیزی کر رہی ہو۔ ہم پڑے ڈرے نہیں، عزت کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ اگر تم ہماری ایوا بیرن نہ ہوتیں تو ہم تمہیں توپ دم کرا دیتے۔'' ہٹلر نے اس پر آنکھیں نکالتے ہوئے جواب دیا۔

''اس سب اداکاری کی کیا ضرورت ہے۔ تم صاف صاف کیوں نہیں بتاتے کہ تم کون ہو؟''

''ہٹلر ہرگز اداکاری نہیں ہو سکتا۔ تم کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ کیا تم نے ایک انڈین شاعر کا وہ شعر سنا ہے، پیا بن ناہیں آوت چینا... چینا... نہیں... نہیں، چائنا۔ ہم کو تمہارے بغیر چائنا

نہیں آتا ۔ہم کو تم سے لو ہو گیا ہے ۔لو یعنی محبت پریم یعنی رومانس مائی سوئٹ ہارٹ ۔"

"تم مجھے پریشان کر رہے ہو۔" اس نے زچ ہو کر گاڑی روک لی ۔

"تمہاری پریشانی پر ہٹلر کے سو بکرے قربان ۔کیوں نخرے کرتی ہو۔"

"اف...فوہ...آخر تم کیوں آئے ہو یہاں تک؟ کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"شمِ عشق ۔ہائے وہی کمبخت تو کھینچے کھینچے پھر رہا ہے ۔اے حسینہ گلفام ایوا بیرن ۔ اس ہٹلر بدنصیب کو تجھ سے عشق ہو گیا ہے ۔تو اگر نگاہِ کرم کر دے تو ہمارے چودہ طبق روشن ہو جائیں ۔ورنہ ہم تیری چلتی موٹر سے کود کر خودکشی کریں گے اور تاریخ تجھے بدنام کرے گی ۔"

"شوق سے کرلو۔" لڑکی نے گاڑی رفتار پر چھوڑ دی ۔اس لیے اب اس کا خوف دور ہو چکا تھا ۔پاگل ہٹلر بے ضرر مخلوق نظر آنے لگا تھا ۔

"شٹ اپ یو لڑکی ۔ہم کہاں نہیں ہوتے ،ہم ہٹلر ہیں ۔شیطان بھی جس کے آگے مشک لے کر پانی بھرتا ہے ۔"

"آخر...آخر تم چاہتے کیا ہو؟" مارتھا نے بے بسی سے پوچھا ۔

"ہم...ہم تمہیں چاہتے ہیں ،ڈارلنگ ایوا بیرن...نائیں...بیرن ۔"

"اس سب اداکاری کی کیا ضرورت ہے آخر ۔تم صاف صاف کیوں نہیں بتا دیتے کہ کون ہو؟"

"میں کون ہوں؟ یانی کہ میں...؟ کمال ہے تم مجھے نہیں جانتی؟ اونہہ اونہہ ، پہچانتیں ۔ہائے رے او بے درد زمانے ۔تیرا برا ہو ۔میرا بھلا ہو۔" وہ گانے لگا ۔لڑکی نے جھنجلا کر گاڑی روک دی ۔

"تم یا تو مجھے مار ڈالو، یا میرا پیچھا چھوڑ دو۔" وہ فیصلہ کن انداز میں بولی ۔"میں جانتی ہوں کہ تم پاگل نہیں ہو۔"

"کون پاگل ۔ہشت ... پاگل تم خود ۔لیلیٰ نے بھی اسی طرح مجنوں کو پاگل بتا کر

لڑکوں سے پتھر کھلوائے تھے۔تم مجھے کیا کھلوانا چاہتی ہو؟''

''جوتے۔''لڑکی اور جھنجلا گئی۔

''ہر ہٹلر...اور جوتے۔بدتمیز لڑکی، ہماری موجبت کا تم مذاق اڑا رہی ہو۔کہاں ہے ہمارا جنرل سیل بی ڈومیل۔''

''بکومت۔میں جانتی ہوں کہ تم ایک انچ بھی پاگل نہیں ہو۔''لڑکی نے پھر اپنا جملہ دہرایا۔

''میں ایک فٹ پاگل ہوں۔پھر تمہارے باپ کا اجارہ۔جاؤ میں تم سے شادی نہیں کروں گا آں۔''

''گاڑی سے اتر جاؤ۔''یکا یک یہ کہتے ہوئے لڑکی نے اپنے سامنے کی پٹی سے ایک چھوٹا سا سیاہ ریوالور نکال لیا۔

''تیر نظر چلے یا گولی، ہم تو ہٹلر ہیں، جہاں بیٹھ گئے، بیٹھ گئے۔''

''میں گولی مار دوں گی۔''

''تمہارے بغیر زندہ رہنا ویسے بھی بدتمیزی ہے۔شوق سے مارو۔''اس نے سینہ سامنے کر دیا۔

''آخر تم ہو کون؟''لڑکی زچ ہو کر بولی۔

''سچ سچ بتا دوں؟''پاگل اچانک سنجیدہ ہو گیا۔

''جلدی بتاؤ، میرے پاس وقت نہیں ہے۔''

''ایسا تو ملک الموت بھی نہ کہتے۔خیر، جلدی سنو۔''

''بکو نا آخر۔''

''میں سی آئی ڈی کی پولیس ہوں۔اوہ واہ، کیا بول گیا۔یعنی کہ پولیس کی سی آئی ڈی۔''

Akram Allahabadi

''وہ میں پہلے ہی سے سمجھ رہی ہوں۔''

''ہائے سمجھ ہی لیتیں تو پھر کیا تھا۔ میں تو تمہارے لیے پاگل تک بن بیٹھا۔''

''مجھے گرفتار کرنے آئے ہو؟''

''آیا تو اسی نیت سے تھا، لیکن اب نہیں۔''

''کیوں؟''

''میں خود گرفتارِ قفسِ محبت ہو گیا ہوں۔''

''کیا تم سارجنٹ بالے ہو؟''

''بالے؟'' وہ زور سے اچھل پڑا۔ ''لاحول ولاقوۃ۔ کس ہری مرچ کا نام لیا ہے صبح صبح۔ میں تو اس کی شکل سے نفرت کرتا ہوں۔''

''تو پھر کون ہو تم؟''

''تمہارا ایک عاشقِ زار، زار روس مت سمجھ لینا۔''

''تم میرا مذاق اڑا رہے ہو؟''

''سچ پوچھو تو میں آپ اپنا مذاق اڑا رہا ہوں۔'' اس نے روندھنی سی شکل بنالی۔

''تم کہنا کیا چاہتے ہو آخر؟''

''کہنے کو اب رہ ہی کیا گیا ہے۔ ادھر نوکری سے بھی گیا، ادھر تم بھی خاطر میں نہیں لا رہی۔''

''کیا مطلب؟''

''مارتھا۔'' پاگل ہٹلر نے جذبات سے لرزتی آواز میں اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''مجھے سچ مچ تمہاری گرفتاری کے لیے بھیجا گیا تھا، لیکن میں تو گیا۔ میرا خیال ہے کہ ارسطو بھی تمہیں دیکھ لیتا تو ہتھیار ڈال دیتا۔''

''صاف صاف کہو؟''

Akram Allahabadi

''بس زندگی کے چند رومان انگیز لمحات تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔اس کے بعد اگر مجھے پھانسی بھی ہو جائے تو غم نہ ہوگا۔میں نے جب سے تمہیں دیکھا ہے،اپنا سب کچھ کھو بیٹھا ہوں۔''

''تمہاری اس محبت کا ثبوت؟'' وہ مسکرا پڑی۔

''کیا یہ کافی نہیں کہ میں شہر میں ہی جب چاہتا تمہیں گرفتار کر سکتا تھا۔پھر اپنے دل کا غم تمہارے سامنے انڈیلنے کے لیے یہاں تک کیوں چوری چھپے آتا؟''

''مجھے یقین نہیں آرہا کہ تم سچ کہہ رہے ہو۔''

''میں ہی سارجنٹ بالے ہوں،مارتھا۔کیا اب بھی یقین نہ کروگی؟''

''سارجنٹ بالے۔'' وہ مسکرائی۔''مگر تم تو بہت سی لڑکیوں سے عشق کر چکے ہو؟''

''عشق زندگی میں ایک ہی بار ہوا کرتا ہے۔میری تفریح کو لوگوں نے بدنام کر رکھا ہے۔''

''مگر میں کیسے یقین کرلوں کہ تمہیں واقعی مجھ سے محبت ہو گئی ہے؟''

''خان صاحب تمہارے بھائی گیسٹیلو تک پہنچ چکے ہیں۔پولیس ہر طرف تمہیں تلاش کر رہی ہے۔اور صرف میری ہی وجہ سے تم اب تک بچی ہوئی ہو۔کیا یہ تمہارے یقین کے لیے کافی نہیں؟''

''میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔'' وہ پریشان ہو گئی۔''یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک پولیس سارجنٹ ایک ایسی لڑکی سے پیار کرنے لگے جو قانون کی نظر میں مجرم ہے؟''

''تم نے شاید عبدالروف تمؔ کا وہ شعر نہیں سنا ہے،

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالبؔ۔''

''لیکن یہ سب کچھ تم مجھ سے شہر میں بھی کہہ سکتے تھے؟''

''وہاں تمہیں میری سچائی پر یقین نہ آتا۔اور پھر ممکن ہے پولیس ہمارے پیچھے لگ

جاتی ۔ ابھی تک تو خان صاحب کو بھی معلوم نہیں کہ میں اس بھیس میں تمہیں تلاش کر رہا ہوں ۔ سچ پوچھو تو میں نے تمہیں جب ڈکسن اسٹریٹ پولیس اسٹیشن پر کار روکتے دیکھا تھا، وہیں سے میرے دل میں کچھ کچھ ہونے لگا تھا ۔ میں نے کئی بار چاہا کہ تم پر ہاتھ ڈالوں، مگر دل نے ہر بار بغاوت کی ۔ اور آخر مجھے دل کے ہاتھوں مجبور ہو جانا پڑا ۔"

"مگر تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ تمہیں محبت کا جواب محبت سے ملے گا؟" وہ واپس نشست پر بیٹھ گئی ۔ بالے بھی اب پچھلی نشست سے کود کر اس کے برابر آ بیٹھا ۔

"میں نے زندگی میں پہلی بار کسی کو اتنی شدت سے چاہا ہے اور میرا ایمان ہے کہ سچائی اپنا اثر رکھتی ہے ۔" وہ اس کے قریب ہو کر بولا ۔

"تم میری خاطر کیا کر سکتے ہو؟"

"میں اب ڈیوٹی پر واپس جانے سے رہا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ میں اس نوکری سے تنگ آ چکا ہوں ۔ آدمی چوبیس گھنٹے غلامی کی زنجیروں میں جکڑا رہتا ہے ۔ اب اگر تم سچے دل سے میری ہو جاؤ تو ہم اس قانون اور قانونیت کے ماحول سے کہیں اتنی دور نکل چلیں گے جہاں کوئی ہمارے درمیان حائل نہ ہو سکے ۔"

"تم سچ کہہ رہے ہو؟" وہ اپنی سحر انگیز نگاہوں سے کئی گیلن شراب بالے کی آنکھوں میں انڈیلتے ہوئے بولی ۔

"تم بہت شکی ہو، مارتھا ۔"

"میرا ساتھ دو گے؟"

"مرتے دم تک ۔" یہ کہہ کر اس نے اسے اپنی بانہوں میں لے لیا ۔ مارتھا نے کوئی تعرض نہ کیا ۔ اس نے بالے کے گالوں پر تھپکے دیتے ہوئے ہٹلری مونچھیں اکھاڑ ڈالیں، پھر عینک بھی اتار لی ۔

"ایسے برے بھی تو نہیں ہو ۔" وہ بڑی محبوبانہ ادا سے آنکھیں مچکا کر بولی ۔

Akram Allahabadi

''سچ؟''

''ہُم۔''اس نے گنگناتے ہوئے کہا۔

بالے نے اپنے بازوؤں کی گرفت اور مضبوط کرلی۔ مارتھا اس کے سینے سے لپٹ گئی۔ بالے کے جسم میں بیک وقت سینکڑوں سوئیاں چبھ گئیں۔ مارتھا کے کانپتے ہونٹ اس کے ہونٹوں کے قریب آ گئے۔ مارتھا کی باہنیں بالے کے گرد حائل ہوگئیں اور اس نے اپنے ہونٹ اس کے گرم گرم ہونٹوں سے پیوست کردیے۔ بالے بیٹھے بیٹھے لڑھکنے لگا تو وہ چونک پڑی۔

''یہ کیا؟''

''فرطِ جذبات سے بیہوش ہورہا ہوں۔''

''سنا ہے تم بہت شریر بھی ہو۔''

''ہنستے ہنستے زندگی گزار دینا مجھے اچھا لگتا ہے۔''

''اور مجھے بھی۔''

''یا خدا خیر، کہیں ہارٹ فیل نہ ہوجائے میرا۔''

''کیوں؟''

''میں تمہیں اس شدت سے چاہنے لگا ہوں کہ تمہیں پا لینے کے بعد میرا دورانِ خون تیز ہوگیا ہے۔''

''تمہیں میں پہلے مونجنی کی ایک پارٹی میں دیکھ چکی ہوں۔ نہ جانے کیوں اس دن بھی میرا جی چاہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ناچوں، لیکن گیسٹیلو نے منع کردیا۔''

''تو اس کا مطلب یہ کہ دونوں طرف تھی آگ برابر لگی ہوئی۔''

''میرا دل نہ جانے کیوں اب بھی ڈر رہا ہے۔'' وہ اپنا سر اس کے سینے پر ٹیکتے ہوئے بولی۔

Akram Allahabadi

''یہ ڈر آپ سے آپ دور ہو جائے گا، لیکن میں بھی تم سے کچھ چاہتا ہوں۔''

''کیا؟'' مارتھا نے جذبات میں کھوئی ہوئی آواز میں پوچھا، جیسے وہ کسی خواب کی دنیا سے بول رہی ہو۔

''کم از کم میری خاطر سہی، تم اپنی زندگی کا یہ ڈھنگ بدل دو۔ چلو ہم سب کو پیچھے چھوڑ کر کہیں دور نکل چلیں۔''

''میں چلوں گی، لیکن مجھے تھوڑی سی مہلت دو۔''

''کیوں؟''

''میں اپنا آخری کام پورا کرلوں۔''

''کیا میں تمہاری مدد نہیں کرسکتا؟''

''نہیں۔ تم سامنے آئے تو مارڈالے جاؤ گے۔''

''تمہاری خاطر مجھے وہ بھی منظور ہے۔''

ایسا نہ کہو۔ میں کیسے تمہاری موت برداشت کروں گی۔''

''کم از کم یہ تو بتا دو کہ کس قسم کا کام ہے؟''

''میری زندگی کے اس پہلو کو راز ہی رہنے دو، ورنہ میں سمجھوں گی کہ تم مجھ پر شک کر رہے ہو۔''

''جیسی تمہاری مرضی، لیکن اگر تم پر آنچ آئی تو میں ان لوگوں کی چولیں ہلا دوں گا۔''

''کن لوگوں کی؟'' مارتھا نے چونک کر پوچھا۔

''وہی جو تم جیسی بھولی بھالی اور قابلِ پرستش لڑکی کو اپنا آلۂ کار بنائے ہوئے ہیں۔''

بالے نے تمام تر رومانی کیفیتیں اپنی آنکھوں میں انڈیل کر کہا۔ وہ محبت بھری نظروں سے اس کے چہرے کو تکنے لگی۔

''نہیں۔ وہ لوگ صرف دشمنوں کے لیے خطرناک ہیں۔''

''کچھ بھی ہو، میں تمہاری حفاظت سے غافل نہیں رہوں گا۔''

''لیکن سامنے آئے بغیر۔''

''منظور ہے۔''

''تو پھر میری بات مانو گے؟''

''بولو۔''

''میری کار کی اسٹپنی میں ایک پیراشوٹ موٹر بائیک موجود ہے، اس پر بیٹھ کر تم شہر واپس چلے جاؤ، میں وہاں تمہیں صبح مونجنی میں ملوں گی۔''

''کیا یہ تمہاری خواہش ہے؟''

''میری التجا ہے۔''

''ان حسین لبوں سے نکلی ہوئی التجا کون ٹھکرا سکتا ہے۔'' بالے نے یہ کہہ کر آخری بار اسے اپنی آغوش میں لے کر پھر کار سے باہر نکل آیا۔ وہ اسے اب تک مخمور نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

''تمہاری یہ جادو جگاتی ہوئی نگاہیں میرے پیروں میں رسی ڈالے دے رہی ہیں۔'' بالے نے چلتے چلتے رک کر کہا۔

''کوئی بہتر تشبیہ نہیں مل سکی کیا؟'' وہ ہنس کر بولی۔

''زنجیر پرانی ہو چکی ہے، اس لیے۔''

''خدا کے لیے اب چلے جاؤ۔ مجھے زیادہ دیر ہو گئی تو ہم دونوں کے لیے خطرہ ہے۔ ان لوگوں کو شک ہو جائے گا۔''

''کن لوگوں کو؟'' اب کی بار بالے چونکا۔

''وہی جو مجھے اپنا آلۂ کار بنائے ہوئے ہیں۔'' اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

''آلہ بھی اور کار بھی...؟'' بالے نے بھولے پن سے پوچھا اور وہ ہنس پڑی۔

Akram Allahabadi

''خیر، مگر دیکھو کسی کو بھی یہ نہ معلوم ہو جائے کہ...''

''کہ تم مجھ پر عاشق ہو گئے ہو۔'' اس نے جملہ مکمل کر دیا۔

''ہائے، کتنی سمجھ دار ہو تم۔ کاش میں نپولین ہوتا۔''

''ہٹلر تو بن ہی چکے ہو۔''

''مائی ڈارلنگ ایوا پیرن۔'' بالے پھر آگے بڑھا۔

''بس بس۔'' مارتھا نے مسکرا کر اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

اس نے کار کا انجن اسٹارٹ کر دیا۔ اور اب جب تک بالے اسٹیپنی سے بیرا شوٹ بائیک نکالتا رہا، وہ کھڑکی سے سر نکال کر پیچھے دیکھتی رہی، مگر جب بالے نے اسٹیپنی بند کرتے ہوئے 'او کے' کہا، تو اس نے گاڑی گیئر میں ڈال دی۔ بیرا شوٹ بائیک کے اسٹارٹ ہونے کے ساتھ ہی اسے 'اچھا ڈارلنگ، بائی بائی' کی آواز سنائی دی اور اس نے اپنی گاڑی آگے بڑھا دی۔

بالے کی بیرا شوٹ بائیک ابھی بمشکل ایک فرلانگ ہی گئی ہوگی کہ وہ بریک پر ہاتھ رکھتے ہی چونک پڑا۔ موٹر سائیکل کے بریک نہیں تھے۔ یہ سوچتے ہی اس کا دل دھک سے ہو گیا کہ اگر اس وقت اتفاقاً اس نے بریک ٹیسٹ نہ کیے ہوتے تو بروقت ضرورت بریک لگانے پر خدا جانے کیا حشر ہوتا۔ لیکن ابھی وہ موٹر سائیکل سے اتر بھی نہ پایا تھا کہ رات کی تاریک فضا کے سناٹے کو ایک فائر کی آواز نے توڑ دیا۔ گولی سنسناتی ہوئی بالے کے سر کے اوپر سے گزر گئی اور اگر وہ بڑی پھرتی سے خود کو زمین پر نہ گرا دیتا تو دوسری گولی شاید اس کے سر کے چیتھڑے اڑا دیتی۔ دوسری گولی دوسری سمت سے چلائی گئی تھی، جس کا مطلب یہ تھا کہ اس پر دو طرفہ حملہ کیا جا رہا ہے۔ پھر اس پر مسلسل گولیوں کی بوچھار ہونے لگی۔ بالے نے خود کو زمین پر چپکا لیا اور آہستہ آہستہ گری ہوئی موٹر سائیکل کی طرف رینگنے لگا۔ لیکن اسی وقت داہنی سمت سڑک کے کنارے کی جھاڑیوں سے ایک ٹارچ کی روشنی اس پر پڑی اور اگر اس وقت اس کی حاضر دماغی

کام نہ آجاتی تو اسی جگہ اس کی لاش تڑپتی نظر آتی۔اس نے دوسرے ہاتھ سے فوراً اس روشنی پر فائر کر دیا۔اور اتنا اچانک اور متوقع تھا کہ کامیاب رہا۔جھاڑیوں کے طرف سے کسی کی چیخ سنائی دی اور پھر دوڑتے قدموں کی آواز، مگر ساتھ ہی دوسری سمت سے فائرنگ اور تیز ہوگئی۔پھر شاید داہنی سمت کچھ آدمی اور آ گئے۔اور اب بالے کے لیے فرار کی بھی مہلت نہ رہی۔دونوں صورتوں میں اس کے لیے جان کا خطرہ تھا۔موٹر سائیکل لے کر بھاگتا بھی تو بریک نہ تھے۔اور یہ کھلی جگہ حملوں سے بچنے کے لیے غیر محفوظ۔اسے آج زندہ بچنے کی امید نہ رہی۔کاش وہ لڑھک کر کسی جھاڑی کی اوٹ تک ہی پہنچ جاتا، لیکن اب اس کا بھی موقع نہ تھا۔اس کا رواں رواں سلامتی کی دعائیں مانگنے لگا۔لیکن فائرنگ اچانک بند ہوگئی اور پھر دونوں طرف سے ٹارچ کی روشنی اس پر پڑنے لگی۔وہ چار آدمی تھے جن میں سے دو داہنی سمت کی جھاڑیوں سے نکلے تھے اور دو بائیں سمت سے۔رات کی تاریکی میں ان کے لباس بھی سیاہ نظر آ رہے تھے۔وہ اپنے ہاتھوں میں پستول لیے ہوئے تھے۔چاروں طرف سے وہ بالے کے قریب ہوتے گئے۔

''خبردار، حرکت کی تو یہیں گولی ماردی جائے گی۔''

''تم ہٹلر کو گولی مارو گے۔جرمنی قوم تمہارا ستیاناس کر دے گی۔''

''بیٹے ہٹلر، اب تمہیں ہمارے ستیاناس کی دعا مانگنے کے لیے دوسرا جنم لینا پڑے گا۔''

''تم چار آدمی ہو نا؟'' بالے نے معصومیت سے پوچھا۔

''تمہیں کیا آٹھ نظر آ رہے ہیں؟'' ایک نے طنزیہ لہجے میں جواب دیا۔

''تو میں تم میں سے ایک ایک کا صفایا کرنے کے لیے ساڑھے چار جنم لونگا۔''

''ٹھیک ہے، پہلے تم مر کے تو دکھاؤ۔''

''اسے دیوتائی بھینٹ چڑھانے کے لیے درواڑوں کے سپرد کر دینا چاہیے۔اس نے ہمارے ایک ساتھی کو زخمی بھی کیا ہے۔'' ان میں سے ایک نے کہا۔

''مگر میرا گوشت سپھک ہے،تمہارے دیوتا کو بدہضمی ہوجائے گی۔''بالے نے احتجاج کیا۔

''وہ پتھر بھی ہضم کرسکتا ہے،تم تو صرف پولیس کے اخروٹ ہو۔''

''پولیس؟ کہاں ہے پولیس؟ ارے مجھے بچاؤ کوئی۔ وہ مجھے گرفتار کرلے گی۔'' بالے ان سے ہی مدد طلب کرنے لگا۔جس پر وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔

''خوب،لیکن یہ بھانڈ پن اب نہیں چلے گا۔''وہ یہ کہہ کر پھر اپنے ساتھیوں کی طرف مڑا۔''یا تو اسے لے چلو یا یہیں ختم کردو۔''

''کل دیوتا کی پوجا کا دن ہے۔اس کے لیے دراوڑ اس بھینٹ کو بڑی خوشی سے قبول کریں گے۔

''باندھ دو اس کے ہاتھ پاؤں،ڈالو گاڑی میں۔'' پہلے آدمی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''لیکن اس کا اس طرح لے جانا بھی ٹھیک نہیں ہے۔''ان میں سے ایک نے مشورہ دیا۔

''تو پھر بیہوش کردو۔''

چنانچہ زبردستی بالے کی ناک پر کلورافارم کا رومال رکھ کر اسے بیہوش کردیا گیا۔اس کام سے فارغ ہوکر ان میں سے ایک نے جیب سے ایک وسل نکال کر بجائی۔دو منٹ بعد ہی سامنے کی طرف سے آتی ہوئی کسی کار کی ہیڈ لائٹس سڑک پر چمک اٹھیں۔

یہ ایک سیاہ شیشوں والی لمبی پرانی بیوک کار تھی،جسے ایک لمبوتری سی خوفناک سی شکل کا آدمی ڈرائیو کررہا تھا۔

''ایک ہی ہے؟''اس نے پوچھا۔

''ہاں۔''پہلے آدمی نے کہا۔

Akram Allahabadi

بالے کو گاڑی کی پچھلی نشست پر ڈال دیا گیا۔اس کے دائیں بائیں تین تین آدمی بیٹھ گئے۔چوتھا جوان میں سب سے بڑا معلوم ہوتا تھا اگلی نشست پر جا بیٹھا۔کار اسٹارٹ ہو کر سونی اندھیری سڑک پر دوڑنے لگی۔لیکن اس میں موجود لوگوں کو یہ وہم وگمان بھی نہ تھا کہ ایک دوسری شیورلیٹ اپنی بجھی ہیڈ لائٹس کے ساتھ نصف فرلانگ کے فاصلے سے اس کا پیچھا کر رہی ہے۔ اس گاڑی کے انجن میں آواز تک نہ تھی اور دور سے اندھیرے میں اس کا سیاہ رنگ اس طرح مدغم ہو رہا تھا کہ اس کے وجود وعدم کا احساس بغیر آواز کے مشکل تھا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

بالے پنجرے میں

آنکھیں کھوتے ہی وہ حیران حیران نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ یہ ایک تقریباً دس فٹ چوڑا اور پندرہ فٹ لمبا خیمہ تھا۔ جس کے اندر ایک اسٹریچر پر وہ لیٹا ہوا تھا۔ پاس ہی ایک چیڑ کی لکڑی کی تپائی رکھی تھی، جس پر کارلٹن سگریٹ کا ایک خالی پیکٹ پڑا تھا۔ پیتا نے کی طرف خیمے کے ایک کونے میں لکڑی کے دو تین صندوق رکھے تھے۔ اس نے اپنی جیبیں ٹٹولیں، وہ خالی تھیں۔ پھر اسے رات کے واقعات یاد آ گئے۔ اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ وہ یقیناً کسی کیمپ میں تھا۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ کیمپ شکاریوں کا ہو، کیونکہ اسٹریچر کے نیچے کونے میں جنگلی سور کو مارنے کی کلہاڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ اس نے ایک کلہاڑی ہاتھ میں لے لی اور دبے قدموں دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔

دروازے کے پردے کے نزدیک رک کر اس نے باہر کی آہٹ لی، لیکن خیمے کے آس پاس سناٹا تھا، البتہ کچھ دور کچھ مدھم سی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ جیسے کچھ آدمی آپس میں مصروفِ گفتگو ہوں۔ لیکن جیسے ہی اس نے پردے ہٹا کر باہر جھانکنے کی کوشش کی، ایک پہچانی ہوئی آواز نے اسے چونکا دیا۔ آواز خیمے کے اندر سے ہی آئی تھی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا، کونے میں پڑے ہوئے باکس کے پیچھے کوئی زمین پر نیم دراز تھا۔ اس کی آواز یقیناً بالے کی پہچانی ہوئی تھی، مگر وہ اسے شکل سے نہ پہچان سکا۔ وہ ایک تنومند، لیکن بگڑی ہوئی شکل کا آدمی تھا۔ اس کے بدن پر کپڑے بھی پرانے تھے یا شاید اسی قسم کے لباس کا عادی رہا ہو۔ وہ بڑے آرام سے باکس کے پیچھے پیر پر پیر رکھے لیٹا گھاس کا ایک تنکا چبا رہا تھا۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں ایک بھرا ہوا پستول تھا۔

''ادھر دیکھو۔'' اس آدمی نے بالے کو مخاطب کیا۔ اس کا اشارہ خیمے میں ایک ڈوری

پر ٹنگے ہوئے چمڑے کی بیلٹ کی طرف تھا، جس کے نچلے سرے میں پیتل کا ایک گول کلیمپ لگا ہوا تھا۔ وہ آدمی خوفناک انداز میں مسکرایا اور اس نے بڑی لاپرواہی سے اس بیلٹ پر فائر کر دیا۔ اور واقعی بالے کو اسے نشانہ باز تسلیم کرنا پڑا، کیونکہ گولی اس تقریباً ایک پانچ والی گولائی والے کلیمپ پر پڑی تھی اور وہ اس میں چھید تو نہ کر سکی لیکن گڑھا ڈال دیا تھا۔

''ہونہہ، یہ کیا بات ہوئی، میں اس سے اچھا نشانہ مار سکتا ہوں۔'' بالے نے حقارت سے اس کی پستول کی طرف دیکھ کر کہا۔

''تو م....؟'' وہ حقارت سے زمین پر تھوک کر بولا۔ ''اور نشانہ باز۔'' یہ کہتے ہوئے اس کا قہقہہ چھوٹ گیا۔

''اچھا، جہاں کہو، نشانہ لگا دوں۔'' بالے نے بیوقوفوں کی طرح اکڑ کر سینہ ٹھونکا۔

''ایسا؟'' وہ اپنی پلکیں جھپکا کر طنزیہ لہجے میں بولا۔ ''تو وہ...'' اس نے اس پیتل رنگ کی طرف اشارہ کیا جو خیمے کے درمیان اس ماگ پر اوپر چڑھی ہوئی تھی جس کے سہارے چھت کا بیلنس تھا۔ ''اس پر مارو نشانہ۔ لیکن اگر چوک گیا تو؟''

''تو میں تمہیں سو روپے دونگا۔'' بالے نے کہا۔

''تمہارے پاس سو روپے ہیں؟''

''ہاں۔ یہ دیکھو۔'' بالے نے اپنے کوٹ کا کالر الٹ کر اس کے کونے میں پڑے ہوئے سبز نوٹ کا سرا دکھایا۔

''ارے، یہ کہاں رہ گیا تھا؟'' اس آدمی نے بالے پر جھپٹنا چاہا۔

''اونہونہہ، شرط کے ذریعے۔ وہ تو خود ہی تمہیں مل جائے گا۔''

''ہاں ہاں، اور کیا۔ اس رنگ پر کیا لگے گا نشانہ۔''

''اچھا تو لاؤ پستول، میں اس کے باپ پر بھی نشانہ لگا کر دکھاتا ہوں۔'' بالے نے اور زیادہ اکڑ دکھائی۔

Akram Allahabadi

''لو۔'' یہ کہتے ہوئے بے ساختگی میں اس آدمی نے پستول بالے کی طرف بڑھا دیا، لیکن شاید فوراً بعد ہی اسے اپنی حماقت کا احساس ہوگیا۔ پھر بھی وہ ہاتھ واپس نہ کھینچ سکا اور پستول بالے کی گرفت میں آچکا تھا۔

''اب بتاؤ نشانہ اس پر ماروں یا تمہاری کھوپڑی پر؟''

''ارے... مگر وہ شرط؟'' اس آدمی نے بوکھلا کر کہنا چاہا۔

''بس اب شرط یہی ہے کہ تم آرام سے میری جگہ اس اسٹریچر پر لیٹ جاؤ۔ چلو، جلدی۔'' بالے نے پستول کی نال پر اسے حکم دیا اور وہ منہ ہی منہ میں شاید خود کو گالیاں دیتا ہوا اسٹریچر پر جا لیٹا۔ بالے نے اس خیمے کے کونے میں پڑی ہوئی رسی سے اسے اسٹریچر کے ساتھ کس دیا، لیکن رومال بھی اس کی جیب سے دوسری چیزوں کے ساتھ ہی نکالا جا چکا تھا۔ اور اس وقت اس آدمی کا منہ بند کرنا بھی لازم تھا۔ مجبوراً اسے کوٹ کا دامن پھاڑ کر اس کے منہ میں کپڑا ٹھونسنا پڑا۔

جب وہ خیمے سے باہر نکلا تو اسے سامنے والے خیمے سے کوئی باہر نکلتا نظر آیا۔ وہ اسے دیکھتے ہی چونک پڑا۔ وہ یقیناً مارتھا تھی۔ وہی حسین متحرک مجسمہ، جو اپنی فریب کاریوں کے ساتھ اندر سے پتھر کی طرح سخت تھا اور اوپر سے ریشم کی طرح ملائم۔

''ڈارلنگ؟'' بالے نے کسی عقل سے پیدل اور فدوی قسم کے عاشق کی طرح سینے پر ہاتھ رکھ کر جھومتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔ وہ اسے دیکھتے ہی چونک پڑی۔ وہ پستول جیب میں ڈال چکا تھا۔

''تم...؟ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟''

''انڈے دے رہا تھا، اس خیمے میں۔ آؤ نا آدھے تم بھی...''

''شٹ اپ۔ کیا بکواس ہے یہ؟''

''بکواس تو شوکت تھانوی کر چکے، یہ تو سو فیصدی غمِ دل ہے، مائی سوئٹ...''

Akram Allahabadi

''تت تم...تم اپنی موت کو دعوت دے رہے ہو۔واپس جاؤ خیمے میں۔''وہ گھبرا کر کہنے لگی۔

''دعوت تو اپنی شادی کے دن دیں گے،ابھی کہاں۔''یہ کہتا ہوا وہ قریب آ گیا۔

''اوہ..''وہ جھنجلا گئی۔''مجھے یہ بدتمیزی قطعی پسند نہیں۔''

''قطعی نہ سہی،کچھ کچھ تو ہے۔''

''یو ایڈیٹ۔تم نہیں جانتے کہ تمہاری زندگی اور موت میں چند قدم کا فاصلہ رہ گیا ہے۔''

''کتنے قدم کا؟ذرا گن کے بھی بتا دو نا۔''

''یوں نہ مانو گے تم۔''یہ کہہ کر اس نے چاہا ہی تھا کہ کسی کو آواز دے،لیکن بالے نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''ہاں ہاں،یہ کیا کرتی ہو،کوئی سن لے گا تو؟یعنی کہ شادی سے پہلے ہی...''لیکن اسی وقت بالے کو محسوس ہوا جیسے کوئی پشت کی طرف سے اس کے قریب آ رہا ہے۔بظاہر انجان بن کر کھڑا رہا،لیکن زمین پر جیسے ہی اسے ایک انسانی سایہ اپنے قریب ہوتے نظر آیا وہ پھرتی سے پلٹ پڑا۔ایک سیکنڈ کی تاخیر اس وقت اس کے سر کو دو حصوں میں تقسیم کر چکی ہو گی۔اس نے پلٹتے ہی پوری طاقت سے حملہ کرنے والے کی ناک پر گھونسہ جڑ دیا۔حملہ آور کے لیے جو ہاتھ میں ریچھوں اور بھیڑیوں کا شکار کرنے والی کلہاڑی بلند کیے ہوئے تھا،یہ جواب قطعی غیر متوقع تھا۔وہ اس گھونسے کی تاب نہ لا کر اپنے بھاری تن و توش کے ساتھ زمین بوس ہو گیا۔

''تمہارے بھائی صاحب ہیں نا یہ؟''بالے نے اس کی طرف اشارہ کر کے اتنی معصومیت سے پوچھا کہ خود مارتھا کے لبوں پر بھی ہنسی آتے آتے رہ گئی۔زمین پر گر کر سنبھلنے والے نے جواب میں پہلے اسے ایک موٹی سی گالی دی اور پھر کسی بھوکے بھیڑیے کی طرح اس پر جھپٹ پڑا،لیکن بالے بندر جیسی تیزی سے اچھل کر ایک طرف ہٹ گیا اور اس بار حملہ آور زمین پر اوندھا گر کر خاک چاٹتا نظر آنے لگا۔

"بند کرو یہ ڈرامہ۔" اچانک ایک گرجدار آواز بڑے خیمے کی طرف سے سنائی دی۔
بالے نے گھوم کر دیکھا، ایک بلند قامت آدمی جس نے سفید رومال سے اپنے چہرے کو چھپا رکھا تھا، اپنے ہاتھ میں پستول لیے خیمے کے دروازے پر کھڑا تھا۔ بالے کو دوبارہ پستول نکال لینے کی مہلت نہ ملی۔ زمین پر گرنے والا سنبھل چکا تھا اور آستین سے اپنا منہ پونچھتا ہوا بالے کی طرف بڑھا اور اس کا گریبان تھام کر اس نے جوشِ انتقام میں بالے کے سر پر اپنے مضبوط سر سے دو ٹکریں ماریں۔ وہ تھا بھی وحشی قسم کا آدمی اور کمبخت کا سر اس قدر مضبوط تھا کہ بالے کی کھوپڑی کی چولیں تک ہل گئیں اور اسے کچھ نہ ہوا۔

"اسے یہاں لاؤ۔" دوسرا آدمی یہ کہتا ہوا پھر اسی خیمے میں داخل ہو گیا۔ بالے نے چاہا کہ اتنی مہلت میں اپنی جیب سے پستول نکال لے، لیکن پہلا آدمی اب اسے اپنی کلہاڑی کے سائے میں لیے ہوئے تھا، جس کا مطلب یہ تھا کہ ایک غلط جنبش اور سر کے دو ٹکڑے۔ وہ جب اس بڑے خیمے میں داخل ہوا تو یہاں کا نقشہ ہی کچھ اور تھا۔ خیمہ اندر سے کافی آراستہ اور آرام دہ تھا اور وہ آدمی ایک کرسی پر نیم دراز ہچکولے لے رہا تھا۔ اس نے اپنی خوفناک آنکھیں بالے کے چہرے پر گاڑ دیں۔ چند لمحے اسے گھورتا رہا پھر اس نے دوسرے آدمی کو باہر جانے کا اشارہ کیا جو فوراً ہی مؤدب ہو کر باہر چلا گیا۔

"تم یہاں کیوں آئے؟"

"کون...؟ میں...؟ نہیں تو۔" بالے نے بیوقوفوں جیسی شکل بنا کر جواب دیا۔ "میں تو لایا گیا ہوں۔"

"میں بدتمیزی برداشت کرنے کا عادی نہیں ہوں۔"

"کون بدتمیز کہتا ہے۔ میں تو شعر بن کر ایک شاعر پر نازل ہوا تھا۔ اس نے مجھے گیندے کا پھول سمجھ کر ایک خوبصورت لڑکی کی گود میں پھینک دیا۔

"جس قدر بکواس کرو گے تمہاری موت اور زندگی میں اسی قدر فاصلہ کم ہوتا جائے گا۔"

Akram Allahabadi

"ہائے ظالم، تم نے کسی سے عشق فرمایا ہوتو جانو کہ کس طرح عاشق صادق چمگادڑ کی اولاد کی طرح گھنیری زلفوں کی چھاؤں ڈھونڈتا پھرتا ہے۔"

"میں تمہیں یہیں ختم کردوں۔"

"میں شروع ہی کب ہوا تھا۔اچھی زبردستی ہے۔"

"میں خواہ مخواہ تم لوگوں سے الجھنا نہیں چاہتا تھا، لیکن میرے معاملات میں زبردستی ٹانگ گھسیڑ کر تم پولیس والوں نے اپنی شامت بلائی ہے۔"

"پولیس؟ کون پولیس؟ آپ کو کچھ غلط فہمی ہوئی ہے مس۔ٹر۔"

"سارجنٹ، میری نگاہیں شہر کے چپے چپے پر پھیلی ہوئی ہیں۔لوگ مجھے نہیں دیکھ سکتے، لیکن میں اپنی نامعلوم آنکھوں سے سب کچھ دیکھتا رہتا ہوں۔یہ مسخرا پن مجھ سے نہیں چلے گا۔"

"تب تو تم ضرور مریخ سے آئے ہوگے۔"

"چپ رہو۔مجھے تمہارے ساتھی کا انتظار نہ ہوتا تو میں تمہیں ابھی اس بدتمیزی کی سزا دے دیتا۔"

"تو پھر کرو موت کا انتظار۔حکیم لقمان بھی یہی کہتے تھے۔"

لیکن قبل اس کے کہ وہ پراسرار شخص اور گرم ہوجائے، ایک آدمی کی آمد نے اس کی توجہ اپنی طرف منعطف کرلی۔

"کیا ہے، ڈکشٹ؟"

"سر، ڈبا آگیا ہے۔" وہ معنی خیز نظروں سے بالے کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں دیکھتا ہوں۔تب تک ان سارجنٹ صاحب کو تین نمبر میں قید رکھو۔اور دیکھو ہوشیاری سے یہ بڑے حضرت واقع ہوئے ہیں۔"

"کہاں؟" بالے بول پڑا۔"بڑے حضرت تو تمہاری مرمت کے لیے جوتے تیز کر

Akram Allahabadi

رہے ہو نگے۔ میں تو چھوٹا حضرت ہوں۔"

"شٹ اپ۔" اس آدمی نے غضبناک ہو کر بالے کے منہ پر طمانچہ جڑ دیا۔ اور اگر اس وقت وہ پستول کی نال کی زد میں نہ ہوتا تو اسے اس کا مزا چکھا دیتا، لیکن اپنی جگہ سے جنبش کرتے ہی اسے محسوس کرنا پڑا کہ اس وقت صبر سے کام لینا پڑے گا۔

وہ پراسرار آدمی خیمے سے باہر نکل گیا اور ڈکشٹ نے اسے باہر چلنے کا اشارہ کیا۔ عدمِ تعاون کا مطلب تھا ایک گولی اور دم باہر۔ وہ مجبوراً آگے آگے چلنے لگا۔ دل ہی دل میں وہ اس وقت مار تھا سے لے کر اس سفید نقاب والے نامعلوم آدمی تک کے لیے فیصلے کر چکا تھا، لیکن اس وقت تو بہر حال وہ خود خطرے کی نوک پر تھا۔

تین نمبر دراصل وہ تین نمبر خیمہ تھا جس کے اندر ایک لوہے کی مضبوط سلاخوں والا بڑا سا پنجرہ بنا رکھا ہوا تھا۔ بالے کو اسی پنجرے میں داخل کر کے اس آدمی نے باہر سے تالا ڈال دیا اور پلٹنے لگا۔

"اے بھائی۔" بالے نے اسے پکارا۔ "یہ تو بتاتے جاؤ کہ اس قفس کے قیدیوں کو غل مچانا منع ہے یا اجازت ہے۔"

"جی بھر کر چیخو، یہاں کوئی سننے والا نہیں۔" وہ آدمی یہ کہتا ہوا ایک کونے میں پڑی ہوئی میز پر بیٹھ گیا۔ اس نے جیب سے ایک چھوٹی سی بوتل نکال لی، جس میں کوئی دیسی قسم کی شراب تھی۔ وہ اسے منہ سے لگا کر غٹا غٹ پی گیا۔

بالے نہ جانے کس موڈ میں تھا۔ اس نے پھٹے گلے کے ساتھ الاپنا شروع کر دیا۔

"مرغِ دل مت رو یہاں، پیا پلانا منع ہے۔"

"اے کیا تم بھی پیتے ہو؟" اس آدمی نے سرور میں آ کر اس سے دور ہی سے پوچھا۔

"کون کمبخت نہیں پیتا ہے۔" بالے نے اس کا جواب بھی شاعری میں دیا۔

"شاعری بھی کرتے ہو؟" وہ طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

Akram Allahabadi

''پیدائشی شاعر ہوں، بھائی۔عرض کروں کچھ؟''

''کہہ ڈالو۔''

''اتنی دور سے کیا مزا آئے گا۔''بالے نے منہ بگاڑ کر کہا۔

''تو میں قریب آجاتا ہوں۔''یہ کہہ کر وہ پنجرے کے نزدیک اپنا اسٹول لے کر بیٹھ گیا۔''ہاں،اب کہو۔''

''کہا ہے...اہا...کیا خوب کہا ہے۔''

''کیا کہا ہے؟''وہ آدمی برا سا منہ بنا کر بولا۔

''جواب نہیں کہنے والے کا،مگر کہا ہے۔''

''کیا خاک کہا ہے،بغو نا ہب۔''وہ زیادہ مدہوش بننے کی کوشش کرنے لگا۔

''کہا ہے کہ دو چار الو کے پٹھے لوگ گل سے بلبل کے پر باندھتے ہیں۔''

''قیوں...دو چار ہی قیوں؟''اس کی زبان فرطِ سرور سے لڑکھڑانے لگی۔''ہلو کے لئے تو ہر جھنہ ہوتے ہیں۔دس دیس سو فچاس ہزار۔''

''ہاں۔ایک تم ہی دیکھ لو۔''

''قون...؟میں...؟ابے میں؟''وہ ایک دم غضبناک ہو گیا۔''میں ہلو کا فٹا...تیری تو...''اور پھر وہ ایک موٹی سی گالی دیتا ہوا پنجرے پر جھپٹ پڑا۔اس نے اپنی دانست میں بالے کے جبڑے پر سیدھا گھونسہ مارا،لیکن جیسے ہی اس کا ہاتھ دو سلاخوں کے درمیان سے ہو کر اندر آیا،بالے نے ایک طرف ہٹ کر اسے ایک ہاتھ سے تھامتے ہوئے دوسرا ہاتھ باہر نکال کر اس کی گردن دبوچ لی۔اسے شور کرنے کی بھی مہلت نہ مل سکی۔بالے نے اسے بے ہوش کر دیا۔اس کے بعد وہ اس کی پتلون کے بیلٹ سے چابی نکال کر اس پنجرے کو کھولتے ہوئے باہر آگیا۔اس نے اسے گھسیٹ کر اسی پنجرے میں ڈالنے کے بعد دروازہ باہر سے مقفل کر دیا۔پھر وہ اسی کا پستول سنبھالتا ہوا تیزی سے نکل کر خیمے سے باہر بھاگا۔اسے ان تین خیموں کے

سرے پر ایک درخت کے سائے میں دو آدمی بیٹھے باتیں کرتے نظر آئے۔لیکن شاید انھیں بھی کسی کے قدموں کی آہٹ مل گئی تھی۔وہ چوکنے سے ہو گئے تھے۔پھر وہ اپنی گفتگو روک کر اٹھے اور دو مختلف سمتوں سے آہٹ لیتے ہوئے اسی خیمے کی طرف آنے لگے۔ان میں سے ایک وہی آدمی تھا جو بالے کو اس نامعلوم باس کے سامنے لایا تھا۔بالے نے اس وقت تک دروازے سے ہٹ کر خیمے کی آڑ لے لی تھی۔وہ دونوں جیسے ہی اس خیمے میں داخل ہوئے،بالے نے ان میں سے پیچھے والے آدمی کو گردن میں ہاتھ ڈال کر روک لیا۔اس نے اس کا منہ بھی بند کر لیا تھا تا کہ وہ آواز نہ نکال سکے۔

''اگر ذرا ہلے تو گولی مار دونگا۔''

پستول کی نوک پر اس آدمی کو بالے کا حکم ماننا پڑا۔وہ اسے خیمے کی پشت پر لے گیا۔ اتنی دیر میں اندر دوسرا آدمی اس پنجرے کے تالے کو توڑنے کی کوشش کر رہا تھا،جس کی چابی اس وقت بالے کی جیب میں تھی۔

''تمہارا باس کہاں گیا ہے؟''بالے نے تحکمانہ لہجے میں اس آدمی سے پوچھا۔

''مجھے نہیں معلوم۔''

''بھیجے کے چیتھڑے اڑا دونگا،جلدی بتاؤ۔''بالے نے پستول کی نال اس کی کنپٹی سے لگا دی۔

''دادل کی گھاٹی میں۔''وہ اٹک اٹک کر بولا۔

''کہاں ہے وہ گھاٹی؟''

''کیسر ندی کے اس پار۔''اس نے بتایا۔

''ندی کدھر ہے؟''

''وہ...اُدھر۔''اس نے مغرب کی طرف اشارہ کیا۔''ان ٹیلوں کے پیچھے۔''

''اگر تم نے مجھے دھوکا دیا تو میں واپس آ کر تمہیں زندہ نہ چھوڑوں گا۔''بالے نے

اسے تنبیہ کی۔ لیکن پھر سوچ کر اس نے اس آدمی کو ہی آگے چلنے کے لیے کہا۔ پہلے تو وہ فرار کی راہیں تلاش کرنے لگا، لیکن پستول کی نال سے کیونکہ اس کے سر کا فاصلہ کچھ زیادہ نہ تھا، اس لیے اس کی جرأت نہ ہوئی۔ وہ بے چون وچرا بالے کی ہدایت پر عمل کرتا رہا۔

خیمہ گاہ سے نظر آنے والے راستے سے ہٹ کر وہ ان ٹیلوں کی طرف چلتے رہے۔ یہ ٹیلے بچ بچ کر چلنے کے لیے کافی کارآمد ثابت ہوئے، کیونکہ انھیں یہ معلوم ہو چکا تھا کہ خیمہ گاہ سے ایک آدمی نکل کر اس راستے پر دوڑا ہے جو براہِ راست ان ٹیلوں کی طرف جاتا ہے اور بالے نے اسے دور سے ہی دیکھ بھی لیا تھا، لیکن وہ اس کی نظر سے محفوظ تھے۔ بالے اس قدر چوکنا تھا کہ اس نے اس آدمی کو ذرا سا شور کرنے کی بھی مہلت نہ دی۔ ایک جگہ اس آدمی نے راستے کا ایک پتھر لڑھکانا چاہا، لیکن بالے نے فوراً ہی پستول اس کی گردن سے لگا دی۔

پھر ایک جگہ وہ ایک ٹیلے کی آڑ میں ٹھہر گئے۔ بالے نے دیکھا دوسرا آدمی جو اسے اپنے باس کے سامنے لے گیا تھا، ایک اونچے ٹیلے پر چڑھ کر چاروں طرف نظریں دوڑا رہا تھا۔ پھر اس نے اپنے ساتھی کو ڈارو کے نام سے دو تین آوازیں بھی دیں اور جواب نہ پا کر پلٹ پڑا۔ اب وہ تیزی سے خیمہ گاہ کی طرف واپس جا رہا تھا اور اس کا ساتھی بالے کی قید میں بے بسی سے اسے جاتے دیکھ رہا تھا۔

"گھبراؤ نہیں، میں تمہارا اچار نہیں ڈالوں گا۔" بالے نے اس سے کہا۔

"تم مجھے چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟" وہ جھنجلا کر بولا۔

"ابھی نہیں، ندی پار کرنے کے بعد۔"

"اس بڑے ٹیلے کے اس پار تمہیں ندی نظر آ جائے گی۔"

"میں ندی کا پانی پلا کر ہی لوٹاؤں گا تمہیں، برخوردار۔ بار برداری کے کچھڑوں جو پیاسا نہیں چھوڑا جاتا۔ چلو آگے۔" وہ آدمی چپ ہو رہا۔

☆☆☆☆☆☆

خونخوار گدھ

بالآخر وہ کیسر ندی پر پہنچ گئے۔ندی کافی گہری اور تقریباً سو فٹ چوڑی تھی۔اس کے دونوں طرف خاردار جھاڑیاں تھیں۔بالے نے کنارے کنارے کچھ دور چل کر اندازہ کیا کہ یہاں سے کوئی کار اسے عبور نہیں کر سکتی۔اور وہ لوگ کار بغیر تو اس طرف نہ آئے ہونگے۔اس آدمی نے بھی یہی بتایا تھا کہ ان کے پاس ایک کار تھی۔مگر دور تک اس ندی کے کنارے کو دیکھ ڈالنے کے بعد بھی بالے کو کوئی ایسا پل نظر نہیں آیا جس کے ذریعے اس ندی کو عبور کیا جا سکے۔اس نے کئی جگہ کا پانی بھی ناپ کر دیکھا،ندی درمیان میں اس سے پندرہ فٹ تک گہری تھی۔ویسے ٹیلوں کے سلسلے کے بعد یہ علاقہ بھی نشیبی تھا۔

''تم جھوٹ تو نہیں بول رہے؟''بالے نے اس آدمی کو چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

''پستول تمہارے ہاتھ میں ہے۔''اس نے بلا جھجک جواب دیا۔

''مگر بغیر کسی پل کے وہ اس ندی کو کیسے پار کر سکتے ہیں؟''

''یہ تم سوچو،لیکن اسے پار کیے بغیر گھاٹی کا کوئی راستہ نہیں۔''اس نے بتایا۔

''کیا حرج ہے اگر میں تمہیں بھی ساتھ ہی لے ڈوبوں۔''بالے نے کہا۔

''اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا تمہیں۔''وہ بولا۔

''خیر۔جب تک میں اس ندی کو پار کرنے کا راستہ نہ تلاش کرلوں،تم اس درخت سے بندھے رہو گے۔''یہ کہہ کر بالے نے اسے ندی کے کنارے درخت کے تنے سے کس کر باندھ دیا۔اس کام کے لیے اسے جنگلی کیر کی سبز چھال سے کام لینا پڑا جو چمڑے کی طرح مضبوط تھی۔وہ اس کی مضبوطی کا بارہا امتحان کر چکا تھا۔اس نے اس کے دونوں ہاتھ پیچھے باندھ

کر پیر بھی نیچے سے باندھ دیے اور پتوں کا ایک گولہ بنا کر اس کے منہ میں ٹھونستے ہوئے اسے بھی چھال سے کس دیا۔ پھر وہ اطمینان سے ندی کے کنارے آگے بڑھنے لگا۔

اس وقت سورج نصف النہار سے ڈھل چکا تھا، لیکن ندی کا پانی اب تک گرم تھا۔ اور اس سے بخارات بلند ہو رہے تھے۔ ندی کا پاٹ کہیں کہیں سکڑ کر چالیس پینتالیس فٹ تک آ گیا تھا۔ مگر ایک جگہ وہ کنار یکی نمی میں کسی کار کے پہیوں کے نشان دیکھ کر چونک پڑا۔ ٹائروں کے نشانات ندی کے پانی میں جا کر ختم ہوئے تھے۔ ندی کا پانی ناپنے کی کوشش میں اس کے کپڑے کمر تک بھیگے ہوئے تھے۔ وہ ایک لمبی چھڑی میں دوسری لمبی چھڑی آڑی باندھ کر پانی ناپتا جاتا تھا۔ اس جگہ اسے ندی کا پانی اتھلا نظر آیا اور ندی کے درمیان میں بھی پانی کمر سے نیچے ہی رہا۔ اس نے ندی پار کر لی، لیکن دوسرے کنارے پر پہنچ کر اسے حیرت ہوئی جب اس نے دیکھا کہ اس طرف کسی کار کے پہیوں کا خفیف سا نشان بھی نہیں۔ ندی میں داخل ہونے والی کار کو یقیناً دوسری طرف نکلنا ہی چاہیے تھا اور یہاں کی زمین بھی نم تھی جس میں ٹائروں کے نشانات کا پایا جانا قطعی متوقع تھا۔ وہ اس وقت اس آدمی کو بھول ہی چکا تھا، جسے وہ درخت سے باندھ آیا تھا، لیکن اچانک اس کی چھٹی حس بیدار ہو گئی۔

'زرزر...' کی آواز ضرور ندی پر سے ہی آ رہی تھی، لیکن سامنے تو کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ آواز ایسی تھی جیسے یا تو کوئی کار ندی کے اس پار دوڑ رہی ہو، یا شاید موٹر بوٹ۔ اس کا دوسرا خیال درست نکلا۔ اور اگر اس نے بڑی پھرتی سے خود کو ایک تین چار فٹ اونچی جھاڑی کی آڑ میں لیٹ کر چھپا نہ لیا ہوتا تو وہ دیکھ لیا جاتا اور اس وقت اس کا انجام یقیناً ایک ایسی موت ہوتی جس میں اس کا جسم گولیوں سے چھید ڈالا جائے۔ اسے پچھلی سمت سے ایک چھوٹی سی موٹر بوٹ آتی نظر آئی اور وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس میں بیٹھے ہوئے تین آدمیوں میں سے بوٹ کو ڈرائیو کرنے والے کو چھوڑ کر باقی دو کے پاس اسٹین گنیں تھی۔ وہ بڑے احتیاط سے دونوں طرف دیکھتے چلے آ رہے تھے۔ ندی کے آس پاس جھاڑیاں اور میدان تھے، جن میں کسی

کا چھپ رہنا محال تھا، مگر خیریت ہوئی کہ بوٹ بالے کے سامنے سے گزر گئی اور ان میں سے کسی نے اسے نہیں دیکھا۔ وہ ضرور اس کی جستجو کر رہے تھے، کیونکہ ان دو آدمیوں سے ایک اس کا پہچانا ہوا تھا، وہی خیمے والا۔ بالے نے اٹھتے بیٹھتے جھاڑیوں کی آڑ لے کر ندی کے کنارے کنارے آگے کی طرف پنجوں کے بل دوڑنا شروع کر دیا۔

ان آدمیوں کو جو موٹر بوٹ میں تھے، شاید خیمے کی طرف سے کسی کے تعاقب یا خطرے کی توقع نہ تھی۔ اس لیے وہ پشت کی طرف سے بے خبر تھے۔ ندی کا یہ کنارا کہیں کہیں کافی پرنم اور خطرناک ہو گیا تھا اور کہیں کہیں پتھریلا۔ دو ایک جگہ تو بالے کو کانٹوں دار جھاڑیوں میں بھی الجھنا پڑا اور اس کی پنڈلیوں میں خراشیں پڑ گئیں، لیکن اس نے ہمت نہ ہاری۔ وہ پنجوں کے بل دوڑتا ہی رہا۔

ندی اب دو طرف گھنیرے درختوں کے درمیان داخل ہو رہی تھی۔ میدانی علاقے کو عبور کرنے کے بعد یہ ایک گھنے قدرتی درختوں والا سبزہ زار تھا جسے چھدرا ہوا جنگل کہا جا سکتا تھا۔ ندی کا پاٹ آگے جا کر تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ اور ایک بار تو وہ موٹر بوٹ بالے کی نظروں سے اوجھل ہی ہو گئی۔ وہ صرف کچھ دور چل کر اس کی آواز ہی سن سکا، لیکن پھر وہ اسے نظر نہ آئی۔ وہ حیران تھا کہ کہ اسے ندی کھا گئی یا اس کے کنارے۔ کچھ سمجھ میں نہ آنے پر وہ ایک درخت پر چڑھ گیا، لیکن یہ دیکھ کر اس کی حیرت دوبالا ہو گئی کہ کسی طلسمی واقعے کی طرح وہ موٹر بوٹ ندی کے سینے سے غائب ہو چکی تھی، البتہ تقریباً ایک فرلانگ آگے ندی کے ایک پہاڑی کٹاؤ سے ہو کر گزر رہی تھی، جس کے کنارے جھاڑیاں پانی پر اوندھ آئی تھیں۔ یہ جگہ کٹاؤ کی اونچائی کی وجہ سے دن میں بھی تاریک نظر آتی تھی۔ پہاڑی سلسلہ اس سے پہلے ہی شروع ہو گیا تھا، لیکن ندی اس سلسلے کے کنارے کنارے گھوم کر شمال کی طرف نکل گئی تھی اور درخت پر سے اس کا لہراتا ہوا شفاف پانی صاف نظر آ رہا تھا۔ اچانک بالے کی نظر اوپر کی طرف چلی گئی۔ اسے پہاڑی کی بلندی کے پیچھے کچھ گدھ اور چیلیں اڑتی ہوئی نظر آئیں۔ وہ کنارے کو چھوڑ کر

درختوں کے درمیان سے دوڑتا ہوا اس پہاڑی پر چڑھنے لگا، جس کے دامن سے ہو کر ندی گھومی تھی، لیکن یہ پہاڑی کافی چوڑی ہوتے ہوئے بھی بلندی میں زیادہ نہ تھی، البتہ اس پر چٹانوں کے سلسلوں کے درمیان مرمر کے ایسے کنکر بے شمار تھے جن پر سے پیر پھسلتے تھے۔ وہ بہر حال دس پندرہ فٹ کی جد وجہد میں اوپر جا پہنچا۔ اب جو اس نے دوسری طرف نشیب میں جھانک کر دیکھا تو چونک پڑا۔ یہ ضرور کوئی ویران گھاٹی تھی جس میں اونچے اونچے سا گوان اور جیڑ کے درخت اگے ہوئے تھے اور ان کے اوپر گدھ چکر لگا رہے تھے۔ گھاٹی میں چھوٹی بڑی چٹانیں بکھری پڑی تھیں اور نشیب میں ایک طرف کچھ پانی بھی چمکتا نظر آ رہا تھا۔ شاید کوئی چشمہ یا چھوٹی سی جھیل ہو، لیکن اس کا کوئی راستہ نہ تھا، کیونکہ چاروں طرف سے وہ اس طرح قدرتی طور پر سیدھے کٹے ہوئے پہاڑی حصوں سے گھری ہوئی تھی جن پر سے ہو کر نیچے پہنچنا یا تو اوپر سے لٹکائی جانے والی کسی بہت بڑی رسی کی سیڑھی کے ذریعے ممکن تھا یا کسی ہیلی کوپٹر کے ذریعے، لیکن بالے کے لیے اس وقت دونوں صورتیں ناممکن تھیں۔ اس نے کئی جگہوں سے گھوم پھر کر اترنے کی کوشش کی، لیکن ناکام رہا۔ وہ تھک کر ایک چٹان پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا۔ یہ گھاٹی ضرور وہی دادل گھاٹی تھی جس کا پتہ اس آدمی نے اسے بتایا تھا، لیکن یہاں تک پہنچنے کے لیے اس نے بالے کا مذاق بھی اڑایا تھا۔ شاید وہ جانتا تھا کہ اس گھاٹی تک پہنچ جانا کوئی آسان کام نہیں۔ وہ کئی منٹ تک وہیں بیٹھا سوچتا رہا اور جب کوئی راستہ نظر نہ آسکا تو تھکے ہوئے انداز میں پھر ندی کی طرف لوٹ پڑا۔ اس بار وہ کٹاؤ کے اس موڑ کی طرف جا رہا تھا، جہاں جھاڑیاں پانی پر جھک آئی تھیں۔

اچانک پھر زرزراہٹ کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ وہ تیزی سے نشیب کی طرف دوڑا۔ ندی تک پہنچنے میں اسے کئی جگہ تو کنکروں پر پھسل جانا پڑا، لیکن ابھی کنارے پر پہنچا بھی نہ تھا کہ اسے وہی موٹر بوٹ اچانک ندی کے پانی پر نمودار ہو کر اسی سمت میں دوڑتی نظر آئی جس طرف سے پہلے وہ اسے یہاں تک آتی دکھائی دی تھی۔

'ضرور اس جگہ کہیں کوئی تہ آب سرنگ یا کوئی خفیہ کمین گاہ ہے۔' اس کا دماغ تیزی سے سوچنے لگا، 'اور شاید وہ اس کے فرار کے بارے میں ہی کسی کو مطلع کرنے اس طرف آئے ہوں گے۔'

ذہن میں یہ خیال آتے ہی وہ اسموڑ بوٹ کے مزید تعاقب کو بے کار سمجھ کر کنارے کنارے ان جھاڑیوں کی طرف چلنے لگا جو ندی کے موڑ پر تھیں۔

چند منٹ تک وہ وہیں بے نیل و مرام ٹہلتا رہا، لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کشتی کس مقام پر نظروں سے غائب ہوئی تھی اور کہاں سے پھر نمودار ہوئی اور یہ کہ یہ جگہ اس کشتی کے جانے کے بعد کسی قدر کم یا زیادہ خطرناک ہوگی۔ اس ویران مقام پر یہ اندازہ کرنا بھی مشکل تھا کہ وہ خود بھی اس طرح محفوظ ہے یا نہیں، لیکن دونوں صورتوں میں وہ خطرات سے دور نہیں تھا۔ یہ سوچ کر اس نے طے کر لیا کہ کیوں نہ ایک اور بڑا خطرہ مول لے لیا جائے۔ ندی کا یہ موڑ، وہ کشتی اور دادل کی گھاٹی، تینوں چیزیں سربستہ راز کی حیثیت رکھتی تھیں۔ اسے اس وقت خان بری طرح یاد آ رہا تھا۔ واقعات کا سلسلہ اسے اتنی دور اس اجنبی ماحول میں اکیلا ہی لے آیا تھا۔ کوئی اور ہوتا تو شاید آگے بڑھنے کی جرأت نہ کرتا، لیکن وہ خان کا اسسٹنٹ تھا۔ اسے خان نے ہی یہ سبق سکھایا تھا کہ فرض کی خاطر جلتی آگ میں بھی کود پڑنے سے دریغ نہ کرنا چاہیے یہ اور بات ہے کہ ہم فائر پروف لباس پہنے ہوں۔

وہ ہمت کر کے کپڑے اتارے بغیر پانی میں اتر گیا اور اس نے ان جھاڑیوں کی طرف تیرنا شروع کر دیا۔ یہ جھاڑیاں پانی میں اس قدر جھک گئی تھیں کہ ان کے پیچھے چھپا ہوا کنارہ نظر ہی نہ آتا تھا۔ اب صرف ایک ہی چارہ کار تھا جس کے ذریعے وہ اپنے شبے کو آزما سکتا تھا۔ اس نے جھاڑیوں کے قریب پہنچ کر پانی میں گہری ڈبکی لگائی اور اندر ہی اندر تہ آب کی کائی اور بیلوں کے باریک جال سے جسے عرف عام میں چوٹی کہا جاتا ہے ٹکراتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ اس نے جب دوبارہ سر اٹھایا تو یہ دیکھ کر چونک پڑا کہ وہ ندی کی بجائے اب ایک تنگ و تاریک

سے مقام پر تھا۔ یہاں پانی سر سے اونچا ہی نہ تھا، اس لیے پیر ٹیکنے کا موقع ملا۔ اور اسے اکھڑی ہوئی سانس کو جمانے کے لیے اس تاریکی میں نظر آجانے والے پتھریلے کٹاؤ کی ایک کگار کے سہارے چند سیکنڈ ستانا پڑا۔

پھر وہ ایک اندھیرے سے زمین دوز سرنگ نما راستے میں تیرتا چلا گیا۔ وہ بڑے احتیاط سے آگے بڑھ رہا تھا۔ ذرا سی لاپرواہی اس کے سر کو کسی نوکیلی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش بھی کر سکتی تھی۔ اسے یاد آگیا کہ اس کی خفیہ جیب میں اس کا واٹر پروف لائٹر بھی موجود ہے۔ اس نے اسے نکال کر جلا لیا جس سے کچھ دور تک کا ماحول مدھم سی زرد روشنی سے معمور ہو گیا۔ تقریباً پانچ منٹ بعد وہی اسے روشنی کی باریک سی کرن نظر آئی۔ شاید اب وہ زمین دوز چشمے کے دوسرے دہانے کی طرف نکل رہا تھا۔ اس احساس کی تصدیق تازہ ہوا کے ایک جھونکے نے بھی کر دی۔ رفتہ رفتہ روشنی کا دائرہ وسیع ہوتا گیا اور اسے غار کا دہانہ بڑا اور صاف نظر آنے لگا۔ دہانے تک پہنچنے میں اب اسے زیادہ دیر نہ لگی۔ دہانے پر پہنچ کر وہ کنارے کی ایک چٹان سے ٹک کر بیٹھ گیا۔ یہاں اس کے سامنے تقریباً دو سو فٹ کی چوڑائی میں ایک جھیل پھیلی ہوئی تھی۔ جس کے چاروں طرف اونچی نیچی چٹانیں بیر جھڑی کی خودرو قطاریں اور کھا کھر کے درخت پھیلے ہوئے تھے۔ ان کے ہی درمیان سے چیر اور ساگوان کے بلند قامت درخت اپنے بھاری بھاری پتے پھیلائے کھڑے تھے۔

اپنے کپڑے نچوڑ کر بدن پر ہی پہنے ہوئے وہ پانی سے نکل کر محتاط انداز میں اس طرف چلنے لگا جہاں اب بھی گدھ اور چیلیں پرواز کرتی نظر آرہی تھیں۔ ان کی پرواز گھاٹی سے اونچی نہ تھی، اسی وجہ سے وہ صرف اسے درخت پر چڑھنے کے بعد ہی باہر سے دکھائی دے سکیں۔

ماحول پر ایک عجیب سکوت طاری تھا، جسے توڑتی ہوئی کسی پرندے کے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ یا کسی جنگل کے جانور کے دوڑنے کی آواز سے پیدا ہونے والی جھاڑیوں کی

سرسراہٹ ہر تھوڑے وقفے کے بعد سنائی دے جاتی۔ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہ مردوں کی گھاٹی ہو اور زندوں کے وجود کا امکان بھی کیسے ہوتا جب اس کا کوئی کھلا راستہ، کوئی گزرگاہ نہ تھی۔

بالآخر وہ اس جگہ پہنچ گیا، لیکن سڑے ہوئے گوشت کے تعفن کی وجہ سے اسے ناک پر ہاتھ رکھ لینا پڑا۔یہ ایک چھوٹا سا میدان تھا جو چاروں طرف سے خاردار جھاڑیوں سے گھرا ہوا تھا اور یہ جھاڑیاں ایک دائرے کی ترتیب میں نہ اگی ہوتیں تو ان کے خود رو ہنے میں کوئی شک نہ ہوتا۔اس میدانی حصے میں جہاں چھوٹی چھوٹی خشک زرد گھاس اگی ہوئی تھی۔کئی درجن ڈھانچے پڑے ہوئے تھے ہڈیوں کے، لیکن وہ مردہ انسانوں کے نہیں تھے۔یہ ڈھانچے گائے اور بھینس جیسے پالتو مویشیوں کے معلوم ہوتے تھے۔ان میں جو چھوٹے تھے وہ یا تو بکریوں کے رہے ہونگے یا بچھڑوں کے۔اور ان کے قریب ہی ایک ڈھور کی سڑی ہوئی لاش کے گرد بھوکے مردار خود گدھ اس طرح پر اجمائے بیٹھے لاش کو نوچ رہے تھے جیسے 'دست خود روہان خور ڈوالی کسی سفارتی دعوت کا انتظام کیا گیا ہو۔وہ کبھی کبھی منہ سے خوفناک آوازیں نکال کر آپس میں لڑ بھی پڑتے، لیکن ان کی لڑائی انسانوں سے مختلف ہوتی۔وہ دلوں میں کینہ تو نہ رکھتے ہونگے اور پھر وہیں ایک لمحے بعد ایک ہو جاتے۔

بالے کو قریب پہنچتے دیکھ کر انھوں نے کوئی پرواہ نہیں کی۔ان میں سے دو ایک خرانٹ قسم کے گدھوں نے صرف سر اٹھا کر شانِ بے نیازی سے اس پر نظر ڈالی اور پھر مردہ خوری میں مصروف ہو گئے۔وہ شاید اس مقام پر اس قسم کی دعوتوں کے اس قدر عادی ہو گئے تھے کہ انھیں کسی کی مداخلت کا خوف ہی نہ رہا ہوگا، لیکن بالے کا دماغ یہ سوچ کر ہی چکرانے لگا کہ جس مقام پر ایک انسان کا پہنچنا اس قدر مشکل ہے وہاں یہ ڈھور کس طرح پہنچے، یا پہنچائے گئے ہونگے۔اور یہ کہ اس مقام کا اس پراسرار شخصیت اور اس کے کشتی والوں سے کیا تعلق ہو سکتا تھا۔ اس گھاٹی میں نہ تو کوئی آبادی تھی نہ کسی انسانی وجود کے آثار۔نہ ہی وہ اب تک کوئی ایسا سراغ پا سکا تھا جس سے ذرا بھی اس مقام کے مشتبہ ہونے پر کوئی روشنی پڑ سکتی۔ایک ویرانہ تھا جس

میں جنگلی جانوروں، جھیل کی مچھلیوں اوران خونخوار گدھوں کے سوا وہ کچھ نہ دیکھ سکا تھا۔ وہ جب اورقریب پہنچا تو گدھوں کے غول میں کچھ کھلبلی سی پیدا ہوئی۔ پہلے شاید ایک دوسرے کو دیکھ کر کچھ مشورے کرتے رہے پھران میں سے دوتین سرخ کلغی اور سرخ گردن والے خونخوار قسم کے گدھ بجائے خوفزدہ ہوکر بھاگنے کے اچھل کر آگے بڑھے۔ غیر متوقع طور پر وہ اس تیزی سے بالے پر جھپٹے کہ اگر اس نے خود کو زمین پر نہ گرادیا ہوتا تو اس کے جسم کی بوٹیاں کئی جگہ سے نچ جاتیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آسکا کہ یہ گدھ اس قدر دلیر اور خونخوار کیسے ہو گئے۔ کیا یہ کسی مقصد کے لیے پالے گئے ہیں۔ یا یہ ان کی اجتماعی قوت ہے جس نے انھیں دلیر کر دیا ہے۔ لیکن اسے زیادہ سوچنے کا موقع نہ مل سکا، کیونکہ گدھ دوبارہ اس پر جھپٹ پڑے تھے اور اب کی بار کچھ دوسرے گدھ بھی ان حملہ آوروں میں شامل ہو گئے تھے۔ بالے کو ایسا محسوس ہونے لگا جیسے آج اس کی بوٹی بوٹی نوچ لی جائے گی اور وہ زندہ حیثیت میں ہی ان مردہ خوروں کا لقمہ بن جائے گا۔ اس نے زمین پر بڑی تیزی سے لڑھکتے ہوئے جیب سے پستول نکال کر اس گدھ پر فائر کر دیا جو ٹھیک اس کے چہرے پر جھپٹا تھا اور اس وقت اسے یاد آگیا کہ کہیں یہ گدھوں کی وہ قسم تو نہیں جو افریقہ میں بھاگتے ہوئے جنگلی ہرنوں پر جھپٹ کر اور ان کی آنکھیں نکالنے کے بعد انھیں اندھا کر کے اپنی خوراک بناتے ہیں۔ اس خیال سے اس کا رواں رواں لرز اٹھا۔ وہ جیتے جی موت کے چنگل میں آپھنسا تھا۔ لیکن خیر ہوئی کہ نشانہ ٹھیک لگا اور وہ گدھ چیخ مار کر واپس اڑا، مگر فوراً ہی بعد پروں کو پھڑ پھڑا کر زمین پر آگا اور تڑپنے لگا۔

اس غیر متوقع جواب نے دوسرے گدھوں کو ایک لمحے کے لیے ساکت تو کر دیا، لیکن اس کا ردِعمل بالے کی توقع کے برعکس نکلا۔ وہ شاید اپنے ساتھی کو دم توڑتے دیکھ کر پہلے سے زیادہ خونخوار بن گئے۔ اب کی بار وہ کافی تعداد میں بالے پر جھپٹ پڑے اور بالے بڑی تیزی سے نشیب کی ایک جھاڑی کی طرف دوڑنے لگا۔

یہ کوشش بھی کامیاب ہوتی نظر نہ آئی، اگرچہ اس نے پستول کی مدد سے دو گدھ اور

مار گرائے، لیکن وہ تو دشمن کے طیاروں کی طرح سر پر ہی موجود تھے اور بالے کو یقین ہو گیا کہ آج تو کوئی معجزہ ہی اسے اس بے بسی کی موت سے بچا سکتا ہے، ورنہ اس کا حشر ان ڈھوروں سے بھی بدتر ہو گا جو مر کر ہی ان خونخوار گدھوں کی خوراک بنے تھے۔

لیکن اس کے دماغ نے اچانک سوچنا چھوڑ دیا، کیونکہ اس نے محسوس کیا کہ وہ زمین پر لڑھک رہا ہے۔ پھر اسے اپنے ہاتھ پاؤں کی حرکت سلب ہوتی نظر آئی۔ اور جب وہ ایک جگہ بندھی ہوئی گٹھڑی کی طرح ڈھیر ہو کر رکا تو اسے معلوم ہوا کہ وہ ایک مضبوط بانات کے جال میں قید ہو چکا ہے اور اس کا پستول اس کے ہاتھ سے کہیں گر چکا ہے۔

اس قید کا مطلب تو یہ تھا کہ اب اطمینان سے وہ ان گدھوں کا ناشتہ ہے۔ کسی طرح بھاگ چھپ کر بچ نکلنے کی آخری امید بھی اب منقطع ہو گئی اور اس نے تن بہ تقدیر ہو کر آنکھیں بند کر لیں، لیکن اسی وقت ایک عجیب بات ہوئی۔ اس ویران مقام پر اس نے ایک عجیب سی آواز سنی جیسے کوئی سنکھ جیسی چیز بجائی جا رہی ہو۔ یہ آواز کچھ دیر تک مسلسل سنائی دیتی رہی اور بالے نے دیکھا کہ اس آواز کا ردِعمل ان گدھوں پر ہوا۔ وہ اس پر جھپٹتے جھپٹتے رک گئے اور تیزی کے ساتھ پلٹ کر اسی مقام کی طرف جھپٹنے لگے جدھر وہ ڈھانچے پڑے ہوئے تھے۔ بالے نے محسوس کیا کہ وہ آواز شاید انھیں خوفزدہ کر رہی ہے۔ پھر اس نے ان کے غول کو بدحواس ہو کر اوپر کی طرف پرواز کرتے دیکھا۔ ان میں سے کچھ زیادہ سورما قسم کے گدھ تو اونچے درختوں پر جا بیٹھے اور باقی آسمان کی طرف اڑ گئے۔

گدھوں کے جاتے ہی جو نئی مصیبت نازل ہوئی وہ اور انجانی تھی۔ وہ کل آٹھ آدمی تھے۔ سر سے پیر تک سیاہ فام۔ صرف ان کی آنکھوں کے سفید دیدے انڈے کے چھلکے کی طرح کالے چہرے پر چمک رہے تھے، یا ان کے سفید دانت۔ ان کے قد اوسط اور جسم تندرست تھے۔ وہ صرف لنگوٹ کے قسم کی کھالیں لپیٹے ہوئے تھے اور ان کے کندھوں پر ایک ڈوری کے ساتھ بیل کے سنکھ لٹکے ہوئے تھے۔ شاید یہی وہ سنکھ تھے جن کی آواز کو گدھ پہچانتے تھے اور اس سے

Akram Allahabadi

خوفزدہ ہوئے تھے۔ان کی کمر میں خنجر لگے ہوئے تھے اور ہاتھوں میں تیز دھار والی لمبی انیوں کے بھالے تھے۔وہ بھالوں کا رخ بالے کی طرف کرتے ہوئے چاروں طرف سے آگے بڑھے اوران میں سے ایک نے، جو اِن کا سردار معلوم ہوتا تھا، تحکمانہ لہجے میں اپنی زبان میں بالے سے کچھ کہا۔

''اپنے پلے کچھ نہیں پڑا، بھائیو!'' بالے نے سر ہلا کر زور سے جواب دیا، لیکن وہ اس کے الفاظ نہیں سمجھ سکے۔ان کے سردار نے جھنجلا کر اپنے آدمیوں کو کچھ اشارہ کیا جس پر ان میں سے دو آگے بڑھے اور انھوں نے اس جال کو بھالے میں ٹانگ لیا۔دوسرے آدمی اس کے آگے پیچھے چلنے لگے۔بالے نے کئی بار کوشش کی کہ جال کو کسی طرح کاٹ یا توڑ ڈالے، لیکن اس وقت اس کے پاس نہ تو کوئی چاقو تھا نہ کوئی دوسری دھاردار چیز۔دانتوں کا استعمال بھی بے معنی رہا، کیونکہ بانات کافی موٹی اور مضبوط تھی۔دوسرے جب وہ کوئی ایسی کوشش کرنے لگتا تو اسے دو چار بھالوں کی انیاں اپنے بدن میں چبھتی محسوس ہوتیں۔اس کے ہاتھ پیر اس خیال سے ڈھیلے ہو جاتے کہ جنگلی لوگ ٹھہرے کہیں بے سوچے کچھ انیاں مار ہی نہ دیں۔وہ کسی شکار کیے گئے جانور کی طرح ان کے جال میں ٹنگا چلا جا رہا تھا۔اب وہ ایسے گھنے درختوں کے درمیان سے گزرنے لگے جن کے نیچے کی زمین تک دن کا اجالا پوری طرح نہیں پہنچ سکتا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شام ہو رہی ہے۔پھر اندھیرا اور بڑھنے لگا اور کچھ دیر بعد بالے نے محسوس کیا کہ وہ کسی درے یا زمین دوز مقام سے گزر رہے ہیں۔یہ جگہ اتنی تاریک تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دیتا تھا، لیکن وہ لوگ شاید اس کے عادی ہو چکے تھے، وہ بلا کسی روک کے بڑھے چلے جا رہے تھے۔یہاں بھی بالے نے اس بات کو نا قابلِ عمل محسوس کیا کہ فرار کی کوشش کی جائے۔ اور اب تو وہ خود بھی یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اسے کہاں اور کیوں لے جایا جا رہا ہے۔اس نے یہ تو اندازہ لگا لیا تھا کہ جھاڑیوں میں چھپے ہوئے ندی کے کنارے سے جس طرح اس گھاٹی تک پہنچنے کا زمین دوز آبی راستہ ہے اسی طرح گھنے درختوں کے جھنڈ میں چھپا ہوا یہ دوسرا خشک

زمین دوز راستہ بھی موجود ہے، لیکن وہ اس کے صحیح مقام کا فیصلہ ابھی تک نہ کر پایا تھا۔

یہ اندھا سفر تقریباً نصف گھنٹے تک یا اس سے کچھ کم جاری رہا اور پھر اس سرنگ نما تاریک راستے میں کچھ کچھ روشنی پیدا ہونے لگی۔ یہ روشنی دوسری طرف کے دہانے سے آ رہی تھی اور جب وہ قریب پہنچے تو سرد ہوا کے جھونکوں نے ان پر ایک وجد سا طاری کر دیا۔ باہر روشنی میں آ کر بالے نے دیکھا کہ یہ پہاڑ میں قدرتی کٹاؤ کے ساتھ بنی ہوئی ایک گپھا ہے، جسے دیکھ کر یہ احتمال بھی نہیں ہو سکتا کہ اس کے اندر سے کوئی ایسا قدرتی راستہ بھی موجود ہے جو آدمی کو اس پار دادل گھاٹی میں پہنچا دے۔ یہاں سے راستہ ڈھلوان اور ناہموار تھا۔ بالے کو یہیں جال سے نکال کر محاصرے میں لے لیا گیا۔ اور اسی طرح اپنے نرغے میں اسے لیے ہوئے وہ نیچے اترنے لگے۔

اوپر سے بھی یہ دیکھ لینا قطعی ناممکن تھا کہ نیچے برگد اور جنگلی املی کے درختوں کے سائے میں چاروں طرف سے گھیرا ڈالے ہوئے کانٹوں کی دیوار کے درمیان ایک ایسی بستی بھی موجود ہے جس میں پندرہ مکان اور دو چوکیاں ہیں۔ یہ عجیب ساخت کے مکان تھے۔ ان کی چھتیں اوندھے جام سے مشابہ تھیں اور ان کی چمنیاں بلند اور نوکیلی تھیں اور ان سے دھواں نکل رہا تھا۔

بالے کو اس بستی میں لے جایا گیا۔ اس نے اپنا چہرہ اور زیادہ معصوم اور رحم طلب بنا لیا تھا۔ لیکن شاید اسے لے جانے والے ہر قسم کے جذبات سے بے نیاز اور اس کی شخصیت سے لاعلم تھے، یا پھر ممکن ہے وہ کسی کے اشارے پر ایسا کر رہے ہوں۔

بستی میں جھونپڑیوں کی چمنیوں سے دھواں نکل رہا تھا کوئی بھی جھونپڑی باہر سے ایسی نظر نہ آتی تھی جس میں بیک وقت چار پانچ آدمیوں کے بیٹھنے سے زیادہ گنجائش معلوم ہوتی ہو۔ وہ جب ان جھونپڑیوں کے درمیان سے گزرنے لگے تو کالے کالے گندے گندے ننگے بچے اور عورتیں باہر نکل آئیں۔ بالے پر نظر پڑتے ہی وہ سب خوش ہو گئے۔ شاید وہ سمجھ گئے

تھے کہ اسے کسی مقصد کے لیے لایا گیا ہے۔

جھونپڑیوں کے دوسرے سرے پر جو چوکی تھی وہ زمین سے چار فٹ کی بلندی پر بنی ہوئی تھی۔ یہ کوئی ۲۰ فٹ لمبی اور ۱۵ فٹ چوڑی ہوگی۔ وہ اس کے دروازے پر پہنچ کر رک گئے۔ ان آدمیوں کا سردار دروازہ کھول کر اندر چلا گیا اور دوسرے لمحے واپس آ گیا۔ اس نے اپنے دو آدمیوں کو اشارہ کیا کہ وہ بالے کو اندر لے آئیں۔

بالے جب اندر داخل ہوا تو اسے ایک چبوترے پر ایک بہت موٹا سا سیاہ فام بھیل بیٹھا نظر آیا۔ اس نے ایک قیمتی گرم شال اپنے بدن سے لپیٹ رکھی تھی اور اس کے بازوؤں اور پیروں میں ہڈیوں کی مالائیں بندھی ہوئی تھیں۔ وہ گلے میں نیلے سرخ سفید پتھروں اور الو کی کھوپڑیوں کا ہار پہنے ہوئے تھا۔ اس کا چہرہ خوفناک تھا اور اس کے سامنے تومڑی میں کچی شراب رکھی تھی۔ سامنے دو سیاہ فام بھیل برچھے لیے کھڑے تھے۔ اس آدمی نے جو اس بستی کا راجہ یا سردار معلوم ہوتا تھا قہر آلود نظروں سے بالے کی طرف دیکھا اور پھر اپنی زبان میں کچھ اس آدمی سے پوچھا جو سپاہیوں کا سردار معلوم ہوتا تھا۔ اس نے بڑے مؤدب پیرائے میں کچھ جواب دیا اور پیچھے ہٹ گیا۔ اب وہ موٹا آدمی براہِ راست بالے سے مخاطب ہوا۔

''تت... تم... پولیس ہے؟'' وہ ہندوستانی بولنے کی کوشش کرنے لگا۔

''اونہونہو... ہم اینٹی فلا جوس ہے۔''

''کیا ہا؟'' اس نے کچھ نہ سمجھ کر پوچھا۔

''اینٹی فلا جوس، بھلا آدمی... شریف آدمی۔''

''نئی تم پولیس ہے۔'' سردار نے انکار میں گردن ہلائی۔ پھر جیسے اسے کچھ یاد آ گیا۔ اس نے جیب سے ایک تصویر نکالی اور بالے کی شکل سے دیر تک اسے ملاتا رہا۔ پھر خود ہی اس نے گردن ہلائی اور تصویر جیب میں رکھ لی۔

''تمہارا سر... پانچ ہجار۔''

''نہیں، میرا تو ایک ہی سر ہے۔''

''پانچ ہجار... آگے بڑھو۔'' اس نے دوبارہ کہا۔

''چھ ہزار۔'' بالے نے یونہی کہہ دیا۔

''اچھا چھ ہجار، لاؤ۔''

''کیا؟'' بالے نے پوچھا۔

''چھ ہجار اور ابھی۔''

''ادھر نہیں ہے، بینک سے ملے گا۔''

''بینک؟'' سردار سوچ میں پڑ گیا۔ پھر وہ اپنے آدمی کی طرف گھوم کر بولا۔ ''بینک کدر ہے، اس کو پکڑ کر لاؤ، بڑا ملے گا۔''

اس جملے پر بالے کو ہنسی تو ضرور آئی، لیکن موقع کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے وہ ٹال گیا۔ لیکن ابھی وہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ باہر کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی اور اس کے بعد ہی دروازہ کھول کر ایک سفید فام آدمی اندر آ پہنچا۔ اسے دیکھتے ہی بالے نے پہچان لیا۔ یہ شکل وہ ملٹن بار میں دیکھ چکا تھا، لیکن ٹھیک سے یاد نہیں آ رہا تھا کہ وہ ہے کون۔

بھیلوں کے راجہ نے بڑے تپاک سے اس کا استقبال کیا، مگر بالے پر نظر پڑتے ہی وہ چونک پڑا۔

''وہی ہے۔'' اس نے سردار کے کان میں کہا۔

''پانچ ہزار۔'' سردار نے دہرایا۔

''یہ لو۔'' یہ کہہ کر اس نے جیب سے نوٹوں کا بنڈل نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

''ٹھیک ہے، اب کیا؟'' سردار نے پوچھا۔

''دیوتا کی بھینٹ، آج ہی۔''

''آج ہی۔'' سردار نے دہرایا۔ اس کے بعد وہ بالے کو اپنے آدمیوں کے گھیرے

میں چھوڑ کر باہر نکل آیا اور اس نے بلند آواز سے کوئی اعلان کیا، جسے سنتے ہی جھونپڑیوں سے عورتیں، بچے اور آدمی باہر نکل آئے اور اچھل کود کر خوشی منانے لگے۔

''اے بھائی، یہ پانچ ہزار کا کیا معاملہ ہے؟'' بالے نے آنے والے سفید رنگ کے آدمی سے پوچھا۔

''تمہارا سر۔''

''میں نے کیا بگاڑا ہے تمہارا؟'' بالے نے چہرہ اور معصوم بنالیا۔

''تم جاسوسی کرنے آئے تھے نا؟''

''کون...؟ میں...؟ ارے، سو بار لعنت، ہزار بار لعنت جاسوس واسوس پر۔ میں تو سرکاری مویشی خانے کا منشی ہوں، بھائی صاحب۔ جانور کانجی ہاؤس تڑا کر بھاگ آئے تھے، انھیں ڈھونڈتا پھر رہا تھا کہ ان جانوروں نے پکڑ لیا۔''

''خوب...اور تم خود منشی خانے کے مویشی بن گئے۔'' آدمی ہنسا۔

''تمہارے بیوی بچوں کی قسم، سچ کہہ رہا ہوں۔ تم لوگوں نے نہ جانے کیا سمجھا ہے مجھے۔''

''اب چپ رہو، ورنہ یہ تمہیں اور جلدی مار ڈالیں گے۔''

''ارے تو کیا یہ مارنے لائے ہیں مجھے؟'' بالے نے مصنوعی حیرت کا اظہار کیا۔

''نہیں، صرف پیار کریں گے، اور وہ بھی چمکتے بھالوں سے۔''

''مگر میں بھالو تو نہیں ہوں۔''

''چپ رہو۔'' یہ کہہ کر وہ باہر نکل آیا۔

☆☆☆☆☆☆

رات کا سناٹا جب گہرا ہو گیا تو بستی میں خاموشی کی بجائے اور چہل پہل نظر آنے لگی۔ بالے کو جس چوکی میں رکھا گیا تھا، وہاں چاروں طرف باہر اور اندر پہرہ تھا۔ اس نے کئی

Akram Allahabadi

بار بچ نکلنے کے امکانات پر غور کیا، لیکن اسے ماننا پڑا کہ اس بار وہ بُرا پھنسا تھا۔ شہر سے اتنی دور جہاں کسی کا خیال بھی نہ پہنچ سکے۔ اور پتہ نہیں لوگ اس بستی کے وجود سے بھی واقف ہوں یا نہ ہوں، جبکہ داول گھاٹی ہی ان کے لیے ایک نامعلوم سی چیز تھی۔

باہر شور بتدریج بڑھتا جا رہا تھا۔ بستی کے درمیان میں اس کا بڑا سا الاؤ روشن تھا اور بالے کمرے کے ایک گوشے سے روشن دان سے ان سیاہ بھیانک چہروں کو دیکھ رہا تھا جو اس الاؤ کے گرد ناچ رہے تھے۔ پھر اچانک ڈھول بجنے شروع ہو گئے، جن کی آواز جنگل اور پہاڑ کے اس مشترک علاقے میں کئی میلوں تک سنائی دے سکتی تھی۔ بالے کو واقعی اس رقصِ وحشت سے ایک وحشت سی ہونے لگی۔ ابھی تک اسے کچھ بھی کر گزرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس کے محافظ اس قدر محتاط تھے کہ کوئی اس کے قریب بھی نہ آتا تھا۔ وہ اس کی زبان بھی نہیں سمجھتے تھے اور اس وقت اندر کوئی موجود نہ تھا۔ اچانک چوکی کا دروازہ کھلا اور ایک لمبا تڑنگا سیاہ فام آدمی ہاتھ میں ایک ڈلیا لے کر داخل ہوا جس پر چوکی، دو روٹیاں اور چٹنی رکھی ہوئی تھی۔

''اسے کھا لو۔'' اس نے ہندوستانی لہجے میں اس سے کہا۔ بالے اس آواز کو سن کر چونک پڑا۔

''تم کون ہو؟''

''یہ بتانے کا وقت نہیں۔'' وہ سرگوشی کے لہجے میں بولا۔ ''یہ لوگ تمہیں دراوڑوں کے قہر و غضب کے دیوتا اگیا بیتال کی بھینٹ چڑھانے کو لے جا رہے ہیں۔ بڑی خراب موت ہوتی ہے۔''

''میں نے آبِ حیات پر رکھا ہے، یہ کیا ماریں گے مجھے۔'' بالے نے ڈینگ ہانکی۔

''فضول باتوں کا موقع نہیں، ابھی یہ لوگ پوجا اور بھینٹ کے لیے روانہ ہونے سے پہلے میدان میں رکھے ہوئے کڑھاؤ سے شراب پینے جائیں گے۔ اس رسم میں یہ سب کڑھاؤ پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور ہر ایک یہ کوشش کرتا ہے کہ وہ سب سے پہلے پیئے۔ اس وقت

Akram Allahabadi

تمہارے محافظ بھی چند لمحوں کے لیے ہٹ جائیں گے۔صرف میں رہ جاؤں گا۔"

"اور تمہارا کیا ہوگا؟"

"وہ میں نپٹ لونگا، البتہ تم چوکی کے پیچھے سے مشرق کی طرف سیدھے بھاگو، راستے میں ایک خشک نالہ آئے گا اس کے پار تمہیں ایک کار کھڑی ملے گی، تم منہ سے تین سیٹیاں بجا کر اسے سگنل دینا۔اس کا ڈرائیور تمہیں شہر تک پہنچا دے گا۔"

"لیکن آپ؟"

"پھر وہی؟ اوہ، دیکھو، وہ رسم شروع ہوگئی۔کیا تمہیں محافظوں کے قدموں کی آواز آرہی ہے؟" وہ کان لگا کر بولا۔"ہاں ٹھیک، وہی ہیں۔"

"چلو، جلدی بھاگو اور دیکھو کہیں بہادری نہ بتانا، سیدھے شہر کی طرف بھاگو۔" اس نے بالے کو خود دھکیل کر باہر کر دیا۔اور بالے اس کے بتائے ہوئے راستے پر دوڑ پڑا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

پانی پھر گیا

سپرنٹنڈنٹ خان اس وقت برآمدے میں ہی آرام کرسی پر نیم دراز تھا جس وقت ہٹلر ٹانی کے قدم کمپاؤنڈ کے پھاٹک میں داخل ہوئے۔کتوں نے پہلے تو اعلانِ جنگ کیا،لیکن بعد میں معاہدۂ صلح کر کے دم ہلانے لگے،البتہ مالی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔وہ اس ڈیڑھ پائچے کی پتلون والے ہٹلری حلیے سے مرعوب ہونے کی بجائے کھرپی لے کر کھڑا ہو گیا۔پاگلوں کا کیا بھروسہ کہیں بھی گھس آتے ہیں،لیکن اس کمبخت کو بھی داخلے کے لیے سپرنٹنڈنٹ پولیس کا ہی بنگلہ ملا تھا۔یہ سوچ کر مالی کو وفادارانہ جلال آ گیا۔

''اِدر کا ہے؟'' اس نے ہٹلر کو للکارا۔

''اِدر وہ اپنا جنرل مانٹو گمری رہتا ہے۔بولو تم کو ہٹلر سلام بولتا ہے۔''

''بھیتر کو تو گھمڑی دمڑی ناہیں رہت۔مگج پھریلا ہے کا؟'' مالی کو ہنسی آ گئی۔''ہٹلر اور ڈیڑھ پائچے کا گدھا۔''

''تو پھر اور کس کا پڑاؤ ہے؟''

''سپرڈنڈ صاحب رہت ہیں یہاں،پولیس کے۔'' مالی نے بڑے شان سے اکڑ کر کہا۔''ہم ان ہی کے مالی ہیں۔تم کون کھیت کی مولی ہو رے؟'' اس نے مزے میں آ کر پاگل ہٹلر سے سوال کیا۔

''تم مولی ہے کہ مالی ہے؟''

''آرے ہم تم کا پوچھت ہیں۔اچھا ہوا اب ٹنک چال دکھاؤ۔اپن صاحب ادھر برمڈے ما بیٹھا ہیں۔کان بھنک پڑ گئی تو سیدھے سیدھے تھانے بھیج دیے جاؤ گے۔''

''ارے تمہارا صاحب تو اپنا لنگوٹیا یار ہے۔ہم دونوں ایک ہی چنڈوخانے میں جمتا

تھا پہلے۔جاؤ،اس کو بولو،ہٹلر صاحب سلام مارتا ہے۔"

"ارے ہٹلر صاحب،سیدھے سیدھے بات ہو کہ دیئی ایک ووٹی کھرپی۔ہونہہ، آئے گئن پاکر سار۔"

"تم کو ہم آرڈر دیتا ہے۔جا کر بولو،نہیں تو ابھی اپنی فوج بلا کر تمہارا صفایا کرادے گا۔"ہٹلر نے آگے بڑھتے ہوئے اسے دھمکی دی۔

"کیا ہے،مالی؟"برآمدے کی طرف سے خان کی آواز سنائی دی۔

"کچھ نا ہیں،صاحب۔ایک ٹھوکر پا کر گھس آوا ہے اوہیکا بھگات ہمی۔"مالی نے وہیں سے بلند آواز سے جواب دیا۔

"کون ہے؟"خان نے دوبارہ پوچھا۔

"ہم ہٹلر۔ہز ایکسیلنٹ اکزالٹڈ میجسٹی۔کس نے ہمیں پکارا؟"ہٹلر نے سینہ پھلا لیا۔

"گدھے،تم وہاں جھک مار رہے ہو اور میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں یہاں۔"خان نے اسے دیکھ کر وہیں سے جھنجلائے ہوئے لہجے میں کہا۔مالی چونک کر ہٹلر کی شکل دیکھنے لگا۔

"دیکھا،تمہارا صاحب گدھے کا انتظار کرتا ہے۔"یہ کہہ کر وہ مالی کو منہ چڑا کر برآمدے کی طرف چل دیا۔

"کہاں مر گئے تھے تم؟"

"ایک سِت کافر پر،آپ دیکھتے تو آپ بھی مر جاتے۔"

"تم اس لڑکی کے ساتھ گئے تھے نا؟"خان نے اسے گھورا۔

"آپ میری جاسوسی کرتے رہتے ہیں۔"

"بکومت۔مجھے رپورٹ چاہیے۔"

"رپورٹ۔ہائے،رپورٹ یہ کہ ایک بار دیکھا دوسری بار دیکھنے کی ہوس ہے۔"

لے پاسی:ہندوستان میں نیچ درجے کی سمجھی جانے والی قوموں میں سے ایک قوم۔

Akram Allahabadi

"مجھے غصہ نہ دلاؤ، بالے۔"

"میں استعفیٰ پیش کرنے آیا ہوں اپنا۔" بالے اچانک سنجیدہ ہو گیا۔

"کیا بکواس ہے؟"

"آپ بکواس ہی سمجھ لیجیے، مگر میں فیصلہ کر چکا ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میں اب پولیس کی نوکری نہیں کروں گا۔ شادی کر کے دو چار رہا پو کا بچہ... لاحول ولاقوۃ... دو چار بچوں کا باپ بننے کا ارادہ ہے۔"

"دماغ تو نہیں خراب ہوا ہے؟"

"خراب تھا اب اچھا ہوا ہے۔ آج مؤلف مولانا اسمٰعیل کا وہ شعر پڑھا ہے:

عیش کر دنیا میں غافل زندگانی پھر کہاں۔"

"تو اب عیش کی سوجھی ہے؟"

"جی ہاں، خوب سوجھی ہے۔ میں آج سے وکٹر میچور بن گیا ہوں۔"

"تم اب تک کہاں تھے؟"

"میمسن اپنی ڈلائیلا کے پاس تھا۔"

"شامت آئی ہے، الو؟"

"راجپوت بات کی خاطر زبان دے دیتے ہیں۔ آئی ایم ساری، زبان کی خاطر جان دے دیتے ہیں، مگر قول سے ایک قدم پیچھے نہیں ہٹتے۔ چاہے دو قدم ہٹ جائیں۔"

"تم یوں نہ مانو گے؟" خان بگڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ رہی اپنی ہٹلری۔" بالے نے اپنی مکھی چھاپ مصنوعی مونچھیں اکھاڑ کر خان کے سامنے رکھ دیں۔

"صاحب، آپ کا ٹرنک کال۔" غلام رسول کی آواز دروازے پر سنائی دی۔

Akram Allahabadi

''کپڑے بدلو، میں آتا ہوں۔'' یہ کہہ کر خان ڈرائنگ روم میں چلا گیا اور بالے دوسری کرسی پر پیر پھیلا کر منہ سے سیٹی بجانے لگا۔

''ہیلو۔'' خان رسیور اٹھاتے ہوئے بولا۔

''میں جام نگر سے بول رہا ہوں، ایکسائز سپرنٹنڈنٹ، کھنہ۔ کیا آپ سپرنٹنڈنٹ خان ہیں؟''

''جی۔ فرمایئے۔''

''خان صاحب چند گھنٹے قبل ایک خفیہ اطلاع ملی تھی کہ اسٹیٹ کی مشرقی سرحد سونے کی ایک بڑی مقدار اسمگل کی گئی ہے۔ ہم نے کونہ کونہ چھان چکے ہیں، لیکن کہیں پتہ نہیں چلا۔ کہیں وہ ناجائز سونا کسی نامعلوم طریقے سے ویلا واڑی کی طرف تو نہیں لے جایا گیا؟''

''خبر کن ذرائع سے ملی تھی آپ کو؟''

''مرکزی حکومت کے ایک انویسٹی گیٹر کی طرف سے۔''

''کیا آپ نے سرحدی علاقے نہیں چھانے؟''

''یہی تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح یہ سونا لے جایا گیا ہے۔ صرف ایک چوکی سے پتا چل سکا ہے کہ کچھ پہاڑی جنگلی لوگ جو شاید پاسی قوم سے تعلق رکھتے ہیں، ایک مرے ہوئے ڈھور کو لے کر اس طرح سے گزرے ہیں اور یہ کوئی نئی بات نہیں۔ شہر کے مضافات میں بھی جب کہیں کوئی مویشی مرجاتا ہے، تو یہ پاسی اس کی لاش اٹھا لے جاتے ہیں۔ یہ لوگ مردہ خور ہیں۔''

''آپ نے یہ کیسے اندازہ لگا لیا کہ یہ سونا ویلا واڑی کی طرف ہی لے جایا گیا ہے؟''

''قریب ترین سرحد یہی ہے۔''

''اندازاً کس قدر سونا ہوگا؟''

''اس رپورٹ کے مطابق تو سات آٹھ لاکھ سے کم کا نہ ہوگا۔''

''تو پھر اس بار بھی وہ صاف نکل گئے۔''

''میں نہیں سمجھا، کیا آپ نے ان کا سراغ لگا لیا ہے؟'' دوسری طرف سے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا گیا۔

''اس وقت کچھ نہ بتا سکوں گا۔'' خان نے جواب دیا۔

اس کے بعد رسمی کلمۂ رخصت کے ساتھ سلسلۂ کلام منقطع ہو گیا اور خان کچھ سوچتا ہوا برآمدے میں واپس چلا آیا۔

''وہ لڑکی اس وقت شکاریوں کے ایک کیمپ میں موجود ہے اور تم اس کے پاس جا سکتے ہو۔'' خان نے سنجیدہ لہجے میں بالے سے کہا، لیکن اس جملے پر بالے کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''لیکن آپ کو کیسے معلوم؟'' بالے نے ہکلا کر پوچھا۔

''میں اپنی آنکھیں بند نہیں رکھتا، لیکن جو طریق کار تم نے اختیار کیا تھا وہ بڑا احمقانہ تھا۔ تمہاری بیوقوفی کی وجہ سے دادل گھاٹی میں وہ لوگ بچ نکلے۔''

''باپ رے، تو کیا آپ بھی اس لونڈیا کے چکر میں ہیں؟'' بالے کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔

''اب تمہاری کم بختی آ رہی ہے۔'' خان جھنجلا اٹھا۔

''وہ تو اسی دن آ گئی تھی جس دن پولیس میں بھرتی ہوا تھا۔''

''کیا تم سمجھتے ہو کہ میں جھک مار رہا ہوں؟''

''جب آپ کو یہاں تک معلوم ہے کہ میں نے اس پناہ گاہ تک ان کا پیچھا کیا تھا تو آپ اس کا بھی جواب جانتے ہوں گے؟''

''میرے ہاتھ چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ میں جب چاہوں ان چوہوں کو

سمیٹ سکتا ہوں۔"

"اور کیا کریں گے، کارپوریشن کی چوہا مار مہم کے صدر ہو جایئے۔"

"بکومت۔ اسمگلنگ اسی بڑے اسکیل پر جاری ہے۔ رات کو تین بجے کوٹلے کے ایک ٹرک سے ایک ہزار تولہ سونا برآمد کیا گیا ہے اور ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ رام نگر سے بھی اسمگلنگ ریکٹ تقریباً ۸ لاکھ روپے کا سونا نکال لے جانے میں کامیاب ہو گیا ہے۔" خان نے بتایا۔

"یہ اطلاع من گھڑت بھی تو ہو سکتی ہے؟"

"سنٹرل ایجنسی کی معرفت ملنے والی اطلاع پر بلا وجہ شبہ نہیں کیا جا سکتا۔"

"جب سنٹرل ایجنسی خود حرکت میں آ چکی ہے، تو پھر ہم شریف آدمیوں کو کیوں تکلیف دی جا رہی ہے؟"

"وہ صرف محدود واقعات کے ساتھ سرحدوں پر کام کر رہی ہے۔ اور پھر ہمارے محکمے کی طرح اس کے پاس سلسلۂ جرائم کی سراغرسانی اور بیخ کنی کے لیے نہ تو ذرائع ہیں اور نہ تربیت۔"

"تو پھر آپ ہی کہیے؟"

"تم اس بھینسے کو کل گرین ہوٹل کیوں لے گئے تھے؟"

"تاکہ معلومات حاصل کرنے پر کسی کو شبہ نہ ہو۔"

"تمہیں معلوم ہے اس کی معلومات میں کیا اضافہ ہوا ہے؟"

"اس کی، یعنی شوکت کی؟ کیا؟

"وہ دوبارہ وہاں پہنچا تھا۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ لڑکی بہت خوبصورت تھی۔ میں تم لوگوں کی ان حماقتوں سے تنگ آ گیا

ہوں، بالے۔"

"چہ خوش، طویلے کی بلا بندر کے سر۔ کیا اس نے، ڈانٹ مجھے۔"

"جانتے ہو اس نے کیا کیا ہے؟"

"اونہوں نہہ۔" بالے نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"اس نے اسے صاف صاف بتا دیا کہ کس نے اسے بھیجا تھا اور کیوں بھیجا تھا۔"

"میں اس کا بھیجہ پلپلا کر دونگا۔"

"اس سے کوئی فائدہ نہیں، وہ تمہارا غلام یا پولیس کونو کر نہیں ہے۔"

"لیکن آپ نے تو اپنے شہر کی حد سے گیسٹیلو اور ان لوگوں کو باہر کر دیا تھا؟"

"مجھے یہ کام گیسٹیلو کا نہیں معلوم ہوتا، یہ پراسرار اسمگلنگ ریکٹ کافی چالاک دماغوں کے سہارے چل رہا ہے اور گیسٹیلو کے معاملات کافی کھلے ہوئے ہیں۔"

"تو بند کر دیجیے۔"

"کیا؟"

"معاملات، گیسٹیلو کے۔"

"اب کی بار بکواس کی تو کھوپڑی گنجی کر دوں گا۔"

"آپ کچھ بھی کر دیں، میں تو اس بار بڑی شدت سے بور ہو رہا ہوں۔ سارا کام الل ٹپ۔ معاملہ ویلاواڑی ایکسائز پوسٹ سے شروع ہوا اور بیچ گولڈ میں اسمگلنگ کا ریکٹ کود پڑا۔ یہ تو وہی بات ہوئی کہ کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا، بھان متی نے کنبہ جوڑا۔"

"رات جو ٹرک پکڑا گیا ہے وہ ڈیلاواڑی کی سمت سے ہی کوئلے کے بورے لا رہا تھا۔"

"تو کیا ہوا، کوئلے کے بورے ہر طرف سے آتے رہتے ہیں شہر میں۔"

"اور ویلاواڑی ایکسائز پوسٹ پر ہی وہ جلی ہوئی لاش پائی گئی تھی۔"

Akram Allahabadi

''اب آپ اگیابیتال کو دنیا کا ایک خطرناک اسمگلر ثابت کردیں گے۔''

''اگیابیتال دراوڑوں کا ایک تخیلی دیوتا ہے۔ مجھے تو صرف ان روایات سے دلچسپی ہے جو اس کے بارے میں سنی جارہی ہیں۔''

''مثلاً۔''

''مثلاً ویلا واڑی کے واقعے کو لوگوں کا اگیابیتال سے منسوب کرنا۔ ہر خیال کی کچھ نہ کچھ بنیاد ضرور ہوتی ہے۔''

''اور اگر وہ بنیاد ٹیڑی ہو؟''

''تو جوتے مار کر سیدھی کرلی جائے۔'' خان نے اسے گھور کر جواب دیا۔

''میں نے تو بر سبیل تذکرہ کہا تھا۔'' بالے نے بھولی شکل بنا کر کہا۔ ''ویسے اس بار تو آپ کا روئی خود میرے لیے پراسرار ہورہا ہے۔''

''کیوں؟''

''آپ اسمگلنگ ریکٹ اور ویلا واڑی کے واقعے کو کن بنیادوں پر آپس میں منسلک کررہے ہیں؟''

''شاید تمھیں معلوم نہیں کہ گزشتہ رات ترکیم داس کی موت گرین ٹیمپل میں بڑے پراسرار حالات میں واقع ہوئی ہے۔''

''ترکیم داس؟ تو یہ بھی گئے۔'' بالے چونکا۔

''ہاں۔ مہنت کا بیان ہے کہ اس نے لکشمی کی مورتی کو اپنی آنکھوں سے متحرک ہوکر ترکیم داس کے قریب آتے دیکھا اور پھر...''

''وہ اسے کھا گئی ہوگی؟''

''ترکیم داس کی لاش بالکل اسی عالم میں پائی گئی ہے، جس عالم میں ویلا واڑی والے کیس میں اس شکاری کی لاش پائی گئی تھی، کوئلہ، خاکستر۔''

Akram Allahabadi

"باپ رے۔تب تو ضرور کوئی بڑی گڑبڑ ہے۔"

"ہُم۔وہ جو کوئی بھی ہو، تعلیم یافتہ اور سائنسی ذرائع رکھنے والے پراسرار لوگ ہیں۔ایک سونے کی اسمگلنگ کو ہی لے لو، سرکاری طور پر اتنے بڑے پیمانے پر ہونے والی اسمگلنگ کو آج تک روکا نہیں جاسکا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ ابھی تک پولیس اس کے ذرائع کا پتہ تک نہیں چلا سکی ہے۔"

"پولیس کو ایک گلاس پانی میں ڈوب مرنا چاہیے۔"

"ابھی تم جیسے غیرت مند پیدا نہیں ہوئے ہیں۔"

"لیکن آپ بھی تو اس بار الٹی چالیں چل رہے ہیں۔کبھی شہر میں، کبھی جنگل میں۔"

"تا کہ وہ لوگ ہمیں اپنے سامنے طفلِ مکتب ہی سمجھیں۔"

"اس میں شک بھی کیا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"یعنی کہ وہ سمجھیں۔"

"بہت سمجھدار ہوتے جا رہے ہو۔"

"سب آپ کا طفیل ہے۔"

"شہر میں وہ کن کن لوگوں سے ملی تھی؟"

"میں نے ان لوگوں کے پتے نوٹ کر لیے ہیں۔اس نے ناگر واس جویلرز کے یہاں سے ایک انگوٹھی خریدی تھی۔ہیریشن اسٹورز سے کچھ سنگار کے سامان اور پیٹ مین واچ کمپنی سے ایک گھڑی کی چین۔" بالے نے بتایا۔"اس کے بعد میں نے اسے ملٹن بار میں جاتے دیکھا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔ان تینوں کے نام میری مشتبہ افراد کی فہرست پر موجود ہیں۔"

"آپ کا تو وہی حساب ہے کہ تو ڈال ڈال، میں پات پات۔آخر پھر اس خاکسار کو

Akram Allahabadi

ہٹلری سے کیوں نوازا گیا؟''

''تمہاری ہٹلری کافی کام آئی ہے۔تمہاری وجہ سے اس کا دھیان بٹا رہا، ورنہ وہ محتاط ہو جاتی۔ویسے مجھے ڈر تھا کہ تم پر شبہ کر کے اس ریکٹ کا کوئی آدمی بے خبری میں حملہ نہ کر بیٹھے۔ اس لیے میں خود بھی پیچھے پہنچ گیا تھا۔''

''لیکن رات جب آپ یہاں آئے تھے تو دادل گھاٹی تک کیسے پہنچ گئے؟'' بالے نے سوال کیا۔

''میرے آدمی مجھے قدم قدم کی رپورٹ پہنچا رہے تھے۔'' خان نے کہا۔

''تو خاکسار گویا بھاڑ جھونک رہا تھا۔'' بالے نے پوچھا۔

''تمہاری ہی وجہ سے تو ان لوگوں کی توجہ دوسری طرف نہیں ہٹنے پائی۔ان کا سارا شبہ تم تک ہی محدود رہا، ورنہ سارے علاقے میں اپنا جال پھیلا دیتے۔'' خان نے بتایا۔

''لیکن اب تک آپ پہنچے کس نتیجے پر؟''

''معاملات کافی پیچیدہ ہیں، اس لیے اس اسٹیج پر کسی فیصلہ کن نتیجے پر نہیں پہنچا جا سکتا۔ابھی تک صرف اسی قدر خیال قائم کیا جا سکتا ہے کہ اسمگلنگ کے لیے مغربی سرحد کو ہی استعمال کیا جا رہا ہے۔اور وہ نامعلوم گروہ اتنی چالاکی سے اپنا کام کر رہا ہے کہ پولیس آج تک اس کا اور اس کے طریقِ کار کا سراغ نہیں پا سکی ہے۔''

''بے ربط سے واقعات کا ایک سلسلہ ہمارے سامنے ہے اور ان کی نوعیت کہیں مختلف نظر آنے لگتی ہے اور کہیں یکساں۔دادل گھاٹی میں مردہ جانوروں کے پیٹ میں چھپا کر سونا پہنچایا جاتا ہے اور وہیں اس کا سودا ہوتا ہے، لیکن ابھی تک اس کے تمام ذرائع روشنی میں نہیں آ سکے ہیں۔''

''ویلا واڑی والی موت اور ترکیم داس کی موت کس طرح واقع ہوئی ہے، کیا یہ بھی نہیں معلوم ہوا؟''

''اوہ، یہ بعد کی بات ہے۔اس کا جواب میں کسی وقت بھی دے سکتا ہوں۔ پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ ان کی موتیں کیوں واقع ہوئیں اور کس کے ہاتھوں؟''

''اگیا بیتال کے۔''

''پتھر کے بت خون نہیں کیا کرتے۔''

''تو پھر مارتھا؟''

''نہیں، وہ ان اوقات میں دوسری جگہوں پر پائی گئی تھی۔''

''تو پھر کون ہوسکتا ہے؟''

''جو کوئی بھی ہو، مگر ہے بہت عیار۔اس نے اپنے وسائل اس طرح پھیلا دیے ہیں کہ ہم اگر ایک جگہ ہاتھ ڈالا تو دوسرے سلسلے میں ہمارے ہاتھ سے نکل جاتے ہیں۔''

''میں نہیں سمجھا؟''

''ترکیم داس کو ہی لے لو۔اس کی گرفتاری کے فوراً بعد ہی پولیس نے جہاں جہاں چھاپے مارے، ناکامی ہوئی۔''

''کیا ان میں ناگر داس جوئلرز، ہیریسن اسٹورز اور پیٹ مین واچ کمپنی بھی شامل تھی؟'' بالے نے سوال کیا۔

''نہیں۔ان تینوں کا انکشاف بعد میں ہوا ہے۔لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر ہم ان پر بھی ہاتھ ڈالیں تو ہمیں کچھ نہ ملے گا۔''

''تو پھر پاؤں ڈالنا چاہیے۔''

''تمہاری زبان ہے یا..؟''

''آئی ایم چپ سر۔''

خان اس کی بات کا کوئی جواب دیے بغیر ریڈنگ روم میں چلا گیا۔بالے بھی ایک منٹ بعد جب اس کے پیچھے ریڈنگ روم میں داخل ہوا تو خان ریڈیو ٹرانسمیٹر پر جھکا ہوا تھا۔

Akram Allahabadi

ٹرانسمیٹر سے منسلک ایک آل فریکوئنسی... سیٹ تھا۔ وہ اس کے... گھما رہا تھا۔ بالے خاموشی سے قریب آ کر کھڑا ہو گیا، لیکن خان اپنے کام میں اس قدر منہمک تھا کہ اس نے اس کا خیال بھی نہ کیا۔ سیٹ سے بے ترتیب سی شور کی آواز بھی نکل رہی تھی۔ مختلف طاقتوں کی برقی لہروں کو چیک کرنے والی سوئی آہستہ آہستہ دائیں بائیں حرکت کر رہی تھی۔ کبھی سیٹیاں بجنے لگتیں، کبھی بادلوں کی گرج جیسا شور سنائی دیتا اور کبھی طوفان جیسی گڑبڑ۔

''اس وقت تو کسی اسٹیشن سے گانا نہیں سن سکتے آپ۔'' بالے نے دخل دیا۔

''تم جا کر اپنا میک اپ اتار ڈالو۔''

''آپ نال رہے ہیں مجھے۔''

''پھر دماغ چاٹنے لگے میرا۔ آخر تمہیں...''

لیکن اس کا جملہ ادھورا ہی رہ گیا، کیونکہ... سیٹ سے سیٹیوں کی گونج کے ساتھ کچھ انسانی آوازیں بھی سنائی دینے لگی تھیں۔ خدا جانے وہ کون سی زبان تھی جو ان کے پلے قطعی نہیں پڑی۔

''شاید مریخ کا کوئی اسٹیشن لگ گیا ہے۔'' بالے پھر بولے بغیر نہ رہ سکا۔

مگر وہ آوازیں اور صاف ہوتی گئیں۔ پھر کچھ عجب سے جملے سنائی دینے لگے۔ جیسے شیئر بازار کے بھاؤ نشر کیے جا رہے ہوں۔

تقریباً سات منٹ اس انتظار میں گزر گئے کہ اب یہ بھاؤ ختم ہوتے ہیں، لیکن ان کے ختم ہونے سے پہلے ہی کچھ ایسے الفاظ سنائی دیے جنہوں نے خان کو چونکا دیا۔

''دیوتا کے سر پر آج کالا کوا بیٹھ گیا۔ پجاری آئیں گے۔ پوجا ہوگی۔ کیونکہ کالا کوا مقدس ہے... اور عظیم... کالا کوا... عظمت کا نشان۔''

خان نے نوٹ بک پر ان الفاظ کو نوٹ کر لیا، لیکن یہ الفاظ دوبارہ دہرائے جانے کے بعد پھر نہیں بولے گئے۔ وہ پندرہ منٹ تک انتظار کرتے رہے، لیکن پھر نہ وہ آواز سنائی دی نہ

کوئی ایسے پراسرار الفاظ۔

''یہ کیا بات ہوئی؟'' بالے نے حیرت سے پوچھا۔

''کالا کوا۔''

''یہ تو میں نے بھی سن رکھا ہے، شاید کسی پاگل خانے کا براڈ کاسٹ ہے۔''

''شاید۔'' خان مسکرایا۔

''آپ تو اس طرح ہنس رہے ہیں جیسے کوئی کارآمد بات ہوگئی ہو۔''

''اب ہمیں ضرور شکار پر چلنا پڑے گا۔''

''شیر تو ملنے سے رہے۔''

''نہیں، مجھے صرف کوؤں کا شکار کرنا ہے۔''

''کوؤں کا...؟ کہاں؟'' بالے نے حیرت سے دہرایا۔

''پال گیری کے جنگل میں۔''

''آپ کو ضرور کچھ ہوگیا ہے۔''

''کیا؟'' خان نے ہنس کر پوچھا۔

''خالیخولیا وغیرہ۔''

''مجھے قطعی ہنسی نہیں آئی۔ تم یاوہ گوئی کرنے لگے ہو۔''

''یہ وہ گوئی کیا چیز ہوئی؟''

''تمہارا سر۔ بس اب تیاری کرو۔ شاید آج رات کو ہم نکل چلیں۔''

''اکیلے؟''

''نہیں، کرنل حشمت بھی ساتھ چلیں گے۔''

''یہ کرنل ہش... مت کون بزرگ ہیں؟''

''خود جان لوگے۔''

''یا خدا، اس بار خشکوں ہی خشکوں سے پالا پڑا ہے، کہیں سے اپنا بھی بھلا کردے۔''

''کرنل کی ایک لڑکی بھی ساتھ چلے گی۔''

''اللہ آپ کو جنت کا بھی سی آئی ڈی سپرنٹنڈنٹ بنائے۔کہاں ہے وہ لڑکی؟''

''اور اگر تم نے ذرا بھی بدتمیزی کی تو کرنل تمہیں گولی مارنے میں دریغ نہ کرے گا۔''

''اور یہاں شہر کے مشتبہ لوگوں کو جو فرصت مل جائے گی؟''

''میں بچوں کا کھیل نہیں کھیلا کرتا، خفیہ پولیس ان سب کی نگرانی کر رہی ہے۔''

''تو پھر آپ وادل گھاٹی سے واپس کیوں آ گئے اور مجھے بھی کیوں واپس بھگایا گیا؟'' بالے نے پوچھا۔

''معاملہ ہمارے ہاتھ سے نکل چکا تھا اور اب وہ دوبارہ وہاں نہیں پہنچیں گے۔ہمیں انھیں غافل رکھ کر دوسرا چانس لینا پڑے گا۔'' خان نے کہا۔

''آپ پال گیری کے جنگلوں میں کیوں جانا چاہتے ہیں؟''

''صرف اگیابیتال سے ملاقات کرنے۔''

''یا تو آپ اس کے قائل نہیں تھے، یا اب...''

''قائل تو میں اب بھی نہیں ہوں، لیکن ہمارا یہ شکار دلچسپ ضرور رہے گا۔''

''وہ کس طرح؟''

''کرنل حشمت جو ساتھ ہوں گے۔وہ بہت دلچسپ آدمی ہیں۔''

''وہ بڈھا خرانٹ۔خوب رہی آپ کی دلچسپی۔''

''بس، اب بات کم، کام زیادہ۔جاؤ میک اپ اتارو۔''

''اور پھر جو ضرورت پڑی؟''

''دوبارہ ہو سکتا ہے۔''

”آپ مارشل اسٹالین سے کم نہیں ہیں، فقط مونچھوں کی کسر ہے۔“

”یہ کیوں سوجھی؟“

”میری ہٹلری۔ بڑی مشکل سے تو میں نے یہ دوسرا جنم لیا تھا۔“

”بکومت، جاؤ۔“

”جاتا ہوں، میں جنت سے آپ کا مقابلہ کرنے کے لیے گوئیل کو بھیجوں گا۔“

”تم یوں نہ مانو گے۔“

لیکن خان کے ہاتھ میں اٹھی ہوئی ایش ٹرے سر پر پڑنے سے پہلے وہ دروازے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

لخیام

وہ پاگل نہیں تو اور کیا تھے۔

پال گیری کے خوفناک جانوروں والے گھنے جنگل میں وہ صرف کوے کا شکار کرنے آئے تھے۔ ایک خوبصورت اور سڈول بدن کی نوجوان لڑکی جو خاکی برجیس پہنے ہوئے تھی، ایک بوڑھا سا آدمی جس کے سر کے امل کھچڑی تھے اور داڑھی بے ترتیبی سے اگی ہوئی تھی، وہ اپنے چہرے کی جھریوں اور بالوں کی سفیدی کے باوجود خاصا تندرست نظر آرہا تھا۔ اس نے کسی فوجی نوجوان کی طرح اپنا سینہ پھلا رکھا تھا۔ تیسرا آدمی ایک سنجیدہ قسم کا ادھیڑ عمر کا کلین شیو شخص تھا۔ وہ اپنے رعب دار چہرے سے یا تو کوئی جاگیردار معلوم ہوتا تھا یا پولیس یا فوج کا کوئی ریٹائرڈ افسر۔ چوتھا ایک اکہرے بدن کا اوسط قد وقامت کا گندمی رنگ والا تیس بتیس سالہ آدمی تھا جو فلسفے کے کسی طالب علم کی چھوٹی سی فرنچ داڑھی رکھے تھا اور اس پر اس کی مونچھیں بہت باریک اور چینیوں کی طرح دونوں سروں پر جھکی ہوئی تھیں۔ وہ اپنے مسخرے حلیے کے باوجود خاصہ ذہین اور وجیہہ نظر آتا تھا۔ پانچواں آدمی شاید کوئی خدمتگار یا معاون تھا، لیکن وضع قطع سے پرانے قسم کا کوئی راجپوت ہی نظر آتا تھا۔ اس نے اپنی ڈاڑھی دونوں طرف کانوں کی لو تک چڑھا رکھی تھی اور اس کی مونچھیں دو طرفہ ہلال بنائے ہوئے تھیں۔ چھٹا کوئی فدوی قسم کا آدمی تھا۔ اپنے سہمے ہوئے طریق سے وہ درجے میں سب سے کمتر ہی معلوم ہوتا تھا۔ چوتھا نوجوان آدمی جس کی فرنچ کٹ داڑھی تھی، کار کو ڈرائیو کر رہا تھا۔

وہ پال گیری کے گھنے اور خوفناک جنگل میں ببول اور ککروندوں کے درختوں اور خود رو بدبودار پھولوں والی گھنی جھاڑیوں کے درمیان سے ایک سیون سیٹر ڈیسوٹو میں سفر کر رہے تھے۔ لیکن سب سے زیادہ مضحکہ خیز بات یہ تھی کہ ان کی کار کے بانٹ پر ریڈی ایٹر کیپ کے

Akram Allahabadi

ساتھ ایک ریشمی ڈوری میں بندھا ہوا ایک مردہ کوا لٹک رہا تھا۔ وہ آپس میں گفتگو بھی کچھ عجیب سی کر رہے تھے۔ کھچڑی بالوں والا آدمی جو اپنے حلیے اور اندازِ گفتگو سے کوئی علم الحیوانات کا پروفیسر یا کوئی خبطی قسم کا آدمی معلوم ہوتا تھا، پاس بیٹھے ہوئے قد آور فوجی قسم کے آدمی کو سمجھا رہا تھا۔

''کرنل صاحب، کوے عقل و نقل میں انسان سے زیادہ ہوتے ہیں اور ان کی عمر یعنی آپ کی دو پیڑھیاں اور ان کی ایک۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ کوے ہر طرح انسان سے افضل ہیں۔''

''میری سمجھ میں نہ تو آپ کی منطق آ رہی ہے نہ اس کوے کے شکار کا مطلب۔''

''مطلب صاف ہے۔ میں کوے مار کر نئی نسل پر ایک بہت بڑا احسان کر رہا ہوں۔ شاید آپ نے نہیں سنا کہ کوئے نئی نسل کے معصوم بچوں کے ہاتھوں سے روٹیاں چھین لے جاتے ہیں۔ بلا تکلف کھلی کھڑکیوں میں داخل ہو کر پنیر، بسکٹ اور نہ جانے کیا کیا اٹھا لے جاتے ہیں۔ میں نے اعداد و شمار سے اندازہ لگایا ہے کہ صرف ہندوستان کے کوے قوم کا تین کروڑ سالانہ نقصان کرتے ہیں، کمبخت کہیں کے۔ بلی کے گو، نہ لیپنے کے نہ پوتنے کے۔'' سفید بالوں والے نے بڑی سنجیدگی سے کرنل کو سمجھایا۔

''خدا کے لیے پہیلیاں نہ بوجھیے، مجھے آپ جیسے آدمی سے اس قسم کی حماقتوں کی توقع نہیں۔''

''آپ بھول رہے ہیں، کرنل۔ میں علم الحیوانات کا پروفیسر ہوں۔''

''جی ہاں، کم از کم اس وقت تو یہی نظر آ رہا ہے۔'' کرنل نے منہ بنا کر کہا۔

''ابھی کیا ہے، ابھی تو آپ کو علم الحیوانت کا سمندر نظر آئے گا۔'' پروفیسر کا اسسٹنٹ جلے ہوئے لہجے میں بول اٹھا۔

''کیا مطلب؟'' کرنل اس کی طرف مخاطب ہو گیا۔

''پال گیری کے جنگلوں میں ہر نسل کے جانوروں کی کئی کئی بٹالینیں موجود ہیں۔'' وہ معصومیت سے بولا۔

''بٹالینیں؟'' لڑکی اسے دیکھ کر ہنس پڑی۔

''ایک فوجی کرنک کو فوجی زبان میں سمجھانا زیادہ مناسب ہے۔'' وہ بولا۔

''شکریہ، ویسے تھوڑی بہت سمجھ تو میں بھی رکھتا ہوں۔'' کرنل مسکرایا۔

''اللہ اور دے۔'' یہ کہہ کر پروفیسر کا اسسٹنٹ خاموش ہو گیا۔ اور کرنل پروفیسر سے گفتگو کرنے لگا۔ شاید اس نے اس کا جواب نہیں سنا تھا۔

''آپ ڈیڈی کا مذاق اڑنے کی کوشش کر رہے ہیں۔'' لڑکی سنجیدگی سے پروفیسر کے اسسٹنٹ سے بولی۔

''ارے سو بار لعنت اس پر جو یہ سوچے۔''

''یعنی کہ مجھ پر بھی لعنت۔''

''لاحول ولاقوۃ۔ میں نے تو اپنے لیے کہا تھا۔''

''ہیں بھی ماشاءاللہ اس قابل۔'' پیچھے سے راجپوت قسم کا پانچواں ساتھی بول پڑا۔

''آپ اپنی مونچھیں دور ہی رکھیے، مسٹر گینڈا سنگھ۔'' پروفیسر کے اسسٹنٹ نے اسے جھاڑ پلائی۔

''کیوں، ان کی مونچھوں نے کیا بگاڑا ہے آپ کا؟'' لڑکی اس سے پوچھنے لگی۔

''ہائے یہ مونچھیں، کاش آپ جان سکتیں کہ یہ کتنی منحوس ہیں۔''

''میں بھی کچھ بولوں گا۔'' گینڈا سنگھ نے روٹھے ہوئے لہجے میں دھمکی دی۔

''تمہارا نام نہیں لیا گیا ہے، صرف مونچھ کچھ بول سکتی ہے۔''

''کون منہ لگے ایسوں کے۔'' گینڈا سنگھ بڑبڑا کر چپ ہو رہا۔

''اب آپ مونچھوں ہی کے پیچھے پڑ گئے۔'' لڑکی ہنس پڑی۔

Akram Allahabadi

''کہاں، وہ تو یوں ہی رعائتاً۔''

''چپ رہو، بالے۔'' پروفیسر نے پلٹ کر اسے ڈانٹا۔

''میں تو چپ ہوں، مگر یہ مونچھ۔''

''شٹ اپ۔''

''سن لیا، بھائی گینڈا سنگھ۔ آپ کی مونچھیں شٹ اپ۔'' وہ گینڈا سنگھ کی طرف گھوم پڑا۔

''نہیں مانو گے تم؟'' پروفیسر جھنجلا گیا۔

''آپ جو کہیں، میں ماننے کے لیے تیار ہوں۔''

''اوہ، ہاں دیکھیے، وہ رہا وہ مقام۔'' کرنل نے اچانک ایک طرف اشارہ کیا۔ ''وہیں میں نے ان شعلوں کو دیکھا تھا۔'' کرنل کا اشارہ پہاڑ کی اونچائی کے اس پلیٹونما حصے کی طرف تھا جو تقریباً تین میل تک چلا گیا تھا۔ اس پر گھنے درخت اور جھاڑیاں تھیں اور یقیناً وہاں خوفناک قسم کے درندے بھی رہے ہوں گے۔

''بس تو آپ کا کام ختم۔'' پروفیسر بولا۔

''کیوں؟ کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ مجھے صرف یہ جگہ ہی دیکھنی تھی۔''

''لیکن شکار؟''

''میں صرف کوؤں کا شکار کرونگا اور آپ اس میں دلچسپی لینے سے رہے۔''

''ظاہر ہے کہ کوئی سمجھدار آدمی اس میں دلچسپی نہیں لے سکتا۔'' پروفیسر کا اسسٹنٹ پھر بول پڑا۔

''تم سے کس نے رائے دینے کو کہا تھا؟''

''میری عقل سلیم نے۔'' وہ آہستہ سے بولا، جسے پروفیسر نہ سن سکا

Akram Allahabadi

''ہاں تو، کرنل صاحب، بہتر ہوگا کہ آپ لوگ اب واپس لوٹ جائیں۔'' پروفیسر نے کرنل سے کہا۔

''لیکن آپ لوگ کہاں جائیں گے؟''

''وہ نیچے گھاٹی میں جو بستی نظر آ رہی ہے، شاید ہمیں وہاں ٹھہرنے کا ٹھکانہ مل جائے۔''

''ارے، ہرگز نہیں۔'' کرنل اچھلا۔ ''اس دن مجھے ایک شخص نے بتایا تھا کہ وہ جنگلی بھی اگیابیتال کے پجاری ہیں۔ وہ کسی نئے آدمی کو اپنی زمین پر قدم بھی رکھنے نہیں دیتے۔''

''اس کی فکر نہ کیجیے۔ قدم تو کیا، ہم تو وہاں اپنا ڈیرہ خیمہ بھی لگائیں گے۔''

''میں نے تو سنا ہے کہ وہ اجنبیوں کو مار ڈالتے ہیں۔ کوئی شکاری اس طرف نہیں جاتا۔''

''ہم ان کے رشتے دار بن کر جائیں گے۔'' پروفیسر کا اسسٹنٹ پھر بول پڑا۔

''پھر بولے تم؟''

''ایک تجویز۔''

''گھاس کھا گئے ہو۔''

''کھائے وہ جس کے منہ پر اگی ہو۔'' اسسٹنٹ کا اشارہ گینڈا سنگھ کی طرف تھا۔

''لیکن وہاں تک جائیں گے کیسے آپ؟''

''پیدل۔ اور ہاں، بالے، تم کار کے بانٹ سے وہ کوا نکال کر ایک لکڑی میں ٹانگ لو۔''

''یہ نیک کام مجھ سے نہ ہوگا۔''

''تمہارے فرشتوں سے ہوگا، تم کیا ہو۔''

''تو پھر فرشتوں کو حکم دیجیے۔''

Akram Allahabadi

''خان صاحب، آج آپ کی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آرہی۔'' کرنل بیچ میں بول پڑا۔

''حالات بڑے عجیب ہیں، کرنل۔ میں پھر کسی موقع پر آپ کو بتاؤں گا۔ اس وقت تو آپ جلد از جلد واپس چلے جائیں، یہی بہتر ہوگا۔ میں اگر جنگلی جھاڑیوں کی اوٹ سے جگہ جگہ جھانکتی ہوئی خوفناک آنکھوں کو نہ دیکھتا تو آپ کو شکار کھیلنے کا مشورہ ضرور دیتا۔''

''آنکھیں؟ کیسی آنکھیں؟'' کرنل نے حیرت سے پوچھا۔

''آپ نہیں سمجھ سکیں گے۔ بس اتنا جان لیجیے کہ میں یہاں ایک بڑے خطرناک ریکٹ کے چکر میں آیا ہوں۔''

''ریکٹ؟ یہاں؟'' کرنل قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ ''اس جنگل میں؟''

''جی ہاں، اور اس ریکٹ سے اگیابیتال ٹینس کھیلتا ہے۔'' اسسٹنٹ پھر بولا۔

''وہ تمہاری کھوپڑی سے ٹینس کھیلے گا، برخوردار۔ بہت چہک رہے ہو۔''

''کیا کچھ گڑبڑ ہے، ڈیڈی؟'' افسرہاں نے کرنل سے گھبرا کر پوچھا۔

''مجھے تو کچھ معلوم نہیں، یہی کہتے ہیں۔'' کرنل نے پروفیسر کی طرف اشارہ کر دیا۔

''ہاں، بے بی۔ تم لوگوں کا یہاں ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔''

''اچھا، لیکن یہ کار؟'' کرنل نے پوچھا۔

''آپ اسی پر واپس جا رہے ہیں۔ اور ہاں، اگر راہ میں کوئی بھی آپ کو ٹوکے، تو صرف کالا کوا کہہ دیجیے گا۔''

''کوا سفید ہوتا ہی نہیں۔'' اسسٹنٹ بولا۔

''آخر یہ ہے کیا گڑبڑ؟'' کرنل جھنجلا گیا۔

''ابھی میں خود بھی کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچا ہوں، لیکن آپ لوگ دیر نہ کیجیے۔''

کرنل آخر مجبور ہو گیا۔ وہ تینوں کچھ سفری سامان کے ساتھ وہیں اتر گئے۔ انھوں

نے کار کے بانٹ سے مردہ کو ابھی اتا رلیا اور کرنل ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا۔

''مجھے کرن دیوان ہو رہا ہے۔'' پروفیسر کا اسسٹنٹ لمبی سی سرد سانس کھینچ کر بولا۔

''کیا بکواس ہے؟'' پروفیسر نے اسے گھورا۔

''شاید آپ نے فلم رتن کا وہ گانا نہیں سنا، جب تم ہی چلے پردیس بدل کر بھیس...''

''شٹ اپ۔''

''ہائے، کیسے؟ یہاں تو کلیجہ حلق میں آ رہا ہے۔ آپ نے کبھی کسی خوبصورت لڑکی کو ایسے ہرے بھرے جنگل میں ناتا کہا ہے؟''

''میں تمہارا چوکھٹہ ٹیڑھا کر دونگا۔'' پروفیسر کو غصہ آ گیا۔

''اس کی تو مرمت بھی ہو سکتی ہے، لیکن حیف یہ دل بے مرمت۔''

پروفیسر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ گھاٹی کے ڈھلوان کی طرف چلنے لگے۔ اس وقت تک کرنل کی کار انھیں چھوڑ کر واپس روانہ ہو چکی تھی۔ البتہ افسر جہاں اب تک کھڑکی سے باہر جھانک رہی تھی اور پروفیسر کا اسسٹنٹ اسے دیکھ کر اپنا انگوٹھا چوسنے لگا، جس پر وہ دور تک کھل کھلا کر ہنستی رہی۔

''اب چلیے، برخوردار۔ ورنہ انگوٹھے کی جگہ خان صاحب کا گھونسہ چوسنا پڑے گا۔'' گینڈا سنگھ نے اسے جھنجوڑا۔

''چلیں۔'' اس نے حسرتناک لہجے میں کہا۔ ''اچھا، پہلے آپ۔''

گھاٹی میں دور سے صاف نظر نہ آنے والی بستی بھیلوں کی تھی۔ نیچے تک پہنچنے میں انھیں کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ کہیں کہیں تو ان کے پیر پھسلتے پھسلتے رہ گئے اور اگر وہ بہت زیادہ محتاط نہ ہوتے تو ان میں سے ایک آدھ کا نیچے گہرائیوں میں جا گرنا ناممکن نہ تھا۔ نیچے پہنچ کر وہ بستی انھیں کافی بڑی نظر آئی۔ وہ اندازاً دو اڈھائی سو جھونپڑیوں پر مشتمل تھی۔ ان جھونپڑیوں کے باہر گندے گندے ننگے بچے کھیل رہے تھے۔ کچھ عورتیں جن کی چھاتیاں کھلی اور لٹکی ہوئی

تھیں اور جن کے چہروں پر سخت گیری اور مشقت پسندی کے آثار تھے، جھونپڑیوں کے سامنے بیٹھیں کھجور کی چھالوں سے ٹوکریاں وغیرہ بن رہی تھیں۔ کہیں کہیں بانس کی قمچیوں میں چولہے چڑھے ہوئے تھے، لیکن بستی پر اس وقت ایک سکوت سا طاری تھا۔ صرف بچوں کا شور سنائی دے جاتا یا پالتو مویشیوں کی ڈکاریں۔

مگر ان اجنبیوں کی شکل دیکھتے ہی ایک شور سا مچ گیا۔ ان کے دیکھتے دیکھتے ان گنت سیاہ فام بھیل، جو اپنے ننگے جسموں پر صرف لنگوٹیاں کسے ہوئے تھے، ہاتھوں میں چمکتے ہوئے برچھے لے کر باہر نکل آئے۔ بچے ان اجنبیوں کو دیکھ کر دور ہی سے چلانے لگے۔ عورتیں انھیں ایسی نفرت بھری نظروں سے دیکھنے لگیں، جیسے وہ کوئی دشمن ہوں۔ بھیلوں نے انھیں چاروں طرف سے گھیر لیا، لیکن پروفیسر کے میک اپ میں سپرنٹنڈنٹ خان ماحول کی اس کشیدگی سے ذرا بھی ہراساں نہ تھا۔ یہ صحیح تھا کہ اتنے قریب سے اگر وہ برچھوں کی سانوں پر رکھ لیے جاتے، تو ان کے پستول بھی کام نہ آسکتے۔ مگر وہ پروقار انداز میں سر اٹھائے، سینہ تان کر آگے بڑھتا رہا۔ اس کے پیچھے بالے، اسسٹنٹ کے روپ میں، پشت پر وزنی کیمرہ لٹکائے چل رہا تھا اور ان کا سفری سامان رؤف کی پیٹھ پر لٹکا تھا۔ خان کے کندھے پر ایک خشک اور لہرائے ہوئے سانپ کی شکل کی کسی جنگلی درخت کی شاخ تھی، جس کے اوپری سرے پر مردہ سیاہ کوا لٹکا ہوا تھا۔ بھیلوں کے حلق سے طرح طرح کی آوازیں نکل رہی تھیں، جن کا مفہوم وہ نہیں سمجھ پائے۔ البتہ انھوں نے یہ اندازہ کرلیا تھا کہ ان کی آمد یہاں غیر متوقع اور قابلِ نفرت ہی سمجھی جارہی ہے۔

جب وہ ایک اونچی اور نوکیلی چھت والے جھونپڑے کے سامنے پہنچے تو ایک بھیل نے جو اپنے سر کی پٹی میں کسی پرندے کے رنگین پر لٹکائے ہوئے تھا، ان کا راستہ روک لیا۔ وہ ٹھہر گئے اور وہ بھیل اس جھونپڑے میں چلا گیا، جو کچھ ظہور میں آنا تھا، اسے ہوتے زیادہ دیر نہیں لگی، کیونکہ اندر سے نکلنے والا ایک تنومند اور دوہرے بدن کا بھیل سردار تھا۔ اس کا بدن مور کے

پروں سے بنائے گئے ایک سینڈوکٹ لباس سے ڈھکا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک موٹا سا عصا تھا، جس کے سرے پر ایک دیوتا کی خوفناک نقوش والی کھوپڑی لگی ہوئی تھی۔ یہ کھوپڑی یقیناً سونے کی تھی۔ سردار کے گلے میں جو سفید موتیوں کا ہار تھا، اس کے بیچ بیچ سونے کے قتلے لگے ہوئے تھے۔ اس کے باہر آتے ہی بھیل خوف وادب سے پیچھے ہٹ گئے۔ اس کی آنکھیں سرخ اور خوفناک تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے اس نے پی رکھی ہو۔

باہر نکلتے ہی اس نے ایک نفرت بھری نظر ان تین اجنبیوں پر ڈالی اور چند سیکنڈ تک انھیں گھورتا رہا۔ پھر وہ پروفیسر کی طرف بڑھا۔

''ہیلو۔'' پروفیسر نے انگریزی میں اسے مخاطب کیا۔

''ہیلو۔'' بے اختیاری میں سردار کے منہ سے نکل گیا، لیکن فوراً ہی وہ چونک پڑا، شاید اس سے غلطی ہوگئی تھی۔ اس نے فوراً اپنا لہجہ بدل لیا اور بھیلوں کی زبان میں کچھ کہنے لگا۔ جس کا مفہوم وہ نہ سمجھ سکے۔ خان نے فوراً کوے والا ڈنڈا اس کی طرف جھکا دیا۔

''اس کے سامنے جھک جاؤ۔ دیوتا کے سر پر کالا کوا بیٹھ چکا ہے۔'' خان نے بارعب انداز میں اسے مخاطب کیا۔ اور اسکے اس جملے کا ردِعمل واقعی حیرتناک ہوا۔ سردار نے ایک لمحہ توقف کیا، پھر اس نے مردہ کوے کے سامنے سر جھکا لیا۔

''تم کون ہو؟'' سردار بھاری آواز میں بولا۔

''کالے چور، لیکن اس سے تمھیں مطلب؟ ہمیں بتایا گیا تھا کہ اگر ہم راستہ بھول جائیں تو اس بستی کا سردار ہماری رہنمائی کرے گا۔'' خان نے اس سے کہا۔

''دیوتا کی نشانی؟'' سردار نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ جس کے جواب میں خان نے جیب میں ہاتھ ڈال کر کوئی چمکتی سی چیز نکالی اور اس کے سامنے کر دی۔

''ٹھیک ہے، تم یہاں ٹھہر سکتے ہو، لیکن صبح ہونے سے پہلے یہاں سے جا نہ سکو گے۔ راستہ مخدوش ہوگیا ہے۔''

Akram Allahabadi

کیوں؟''

''کچھ شکاری کتے ہماری بو سونگھتے پھر رہے ہیں۔''

''لیکن ہمیں جلد ہی لوٹنا ہے۔''

''میں مقدس کاہن سے اجازت طلب کروں گا۔''

''اس میں تو بہت دیر لگے گی۔''

''اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہوسکتا۔تمہیں ٹھہرنا پڑے گا۔خطرہ معمولی نہیں ہے۔''

سردار کا لہجہ اب نرم تھا۔

''اچھا۔کیا تم ہمارے غسل کا انتظام کردو گے؟'' خان اس سے بولا۔

''پیچھے ٹھنڈے پانی کا چشمہ ہے،لیکن دن کے وقت احتیاط کی ضرورت ہے۔ممکن ہے دوسروں کی نظروں سے تمہیں چھپانے کے لیے ہمیں تمہیں جھونپڑی میں بند کرنا پڑے۔''

سردار بولا۔

''ہم بیوقوف نہیں ہیں جو خود کو اور تمہیں مصیبت میں ڈالیں۔الخیام کو کون نہیں جانتا۔''

''کیا تم الخیام ہو؟'' سردار حیرت سے چونک پڑا۔

''شاید۔'' پروفیسر مسکرایا۔''لیکن اس بھیس میں مجھے تمہارا مقدس کاہن بھی نہیں پہچان سکتا۔''

''اوہ۔'' سردار مسکرایا۔''تب تو آج ہم تمہاری دعوت بھی کریں گے،عرب سوداگر۔''

''میں عرب نہیں ہوں،مگر لوگ مجھے عرب ہی سمجھتے ہیں۔''

''کیا واقعی؟''

''مقدس کاہن کو معلوم ہے۔''

Akram Allahabadi

''تم واقعی غضب کے آدمی ہو اور تمہارا پھیلاؤ، خدا کی پناہ۔ لیکن تم جیری سے زیادہ نہیں ہو سکتے۔''

''یہ اپنا اپنا ڈھنگ، اپنا اپنا کام ہے۔''

''الخیام کے لیے بہترین جھونپڑا فراہم کیا جائے گا۔'' سردار مسکرایا۔ پھر اس نے ان بھیلوں کو اپنی زبان میں کچھ ہدایتیں دی۔ جس کے بعد ہی وہ لوگ ان اجنبیوں کے لیے دوست نظر آنے لگے۔ برچھیوں کی سنانیں سیدھی ہو گئیں اور وہی بھیل، جس نے ان کا راستہ روکا تھا، ان کے سامنے جھک کر انھیں ایک طرف چلنے کا اشارہ کرنے لگا۔

''غسل کر لو، پھر میں ملوں گا۔'' سردار اس سے یہ کہہ کر اپنے جھونپڑے میں واپس چلا گیا۔ چند بھیلوں نے بلند آواز سے بستی میں کچھ اعلان کیا، جس کے ساتھ ہی وہ کشیدگی، جو ان اجنبیوں کی آمد سے بستی میں پیدا ہوئی تھی، ختم ہو گئی۔ بچے پھر کھیلنے لگے اور عورتیں اپنے کاموں میں مصروف ہو گئیں، لیکن بالے ایک جوان عورت کو نظر انداز نہ کر سکا، جو اسے بری طرح گھور رہی تھی۔

''لو، گینڈا سنگھ، تمہارے تو دن پھر گئے۔'' وہ رؤف کو کہنی مار کر بولا۔

''کیا مطلب؟'' رؤف نے چڑے ہوئے انداز میں پوچھا۔

''وہ... وہ عورت... ہائے کس حسرت سے گھور رہی ہے تمہیں بیچاری۔ جیسے بارہ برس بعد گھر والا لڑائی سے واپس آیا ہو۔''

''مجھے تو معاف ہی رکھو، بھائی۔'' رؤف نے فرخ آبادی پٹھانوں کے لہجے میں کہا۔

''میرا خیال ہے وہ تمہاری مونچھوں پر عاشق ہو گئی ہے۔''

''پھر وہی مونچھیں۔'' رؤف چڑ گیا۔

''ارے، تو کونسا استرا پھیر دیا میں نے۔ سچ ہی تو کہہ رہا ہوں۔ یہ پرانے قسم کی

عورتیں مرد پر جان دیں نہ دیں، لیکن اس کی مونچھوں پر ضرور جان دیتی ہیں۔"

"بک چلے نا آخر۔"

"پچھلے برس رامپور میں ایک عورت نے اپنے محبوب کی مونچھوں میں لٹک کر خودکشی کر لی تھی۔"

"خدا بچائے تم سے۔"

"اب نہ مانو تو نہ مانو، ویسے اس چوکھٹے سے اگر مونچھیں نکال دی جائیں تو میتھمیٹک کی رو سے زیرو بٹا زیرو ہی رہ جائے گا۔"

"میں تمہارے ساتھ نہیں چلوں گا۔" رؤف بھنا کر آگے بڑھ گیا۔ بالے ان دونوں سے پیچھے رہ گیا تھا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا، وہ لڑکی اب بھی اسے گھور رہی تھی۔ اس کے چہرے کے نقوش خوشگوار سے تھے، لیکن رنگ تانبے کی طرح سرخ تھا۔ پھر بھی وہ دوسری سیاہ فام بھیل عورتوں سے کچھ علیحدہ ہی نظر آتی تھی، لیکن یہ سمجھنا مشکل تھا کہ وہ رنگ سے مختلف ہے یا لباس میں بھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس کے سینے پر ایک رنگین کپڑے کا ٹکڑا بندھا ہوا تھا۔ بھیل رہنما انھیں ایک بلند چھت والے بڑے جھونپڑے میں چھوڑ کر چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

شکر خور کو شکر

''یہ آپ پر عمر خیام نازل ہوا تھا یا اس کی رباعیاں؟'' بالے سے پوچھے بغیر نہ رہا گیا۔

''میں نے تو اندھیرے میں تیر پھینکا تھا۔ الخیام بین الاقوامی شہرت کا اسمگلر ہے اور مجھے معلوم ہے کہ اس کا ہیڈ کوارٹر گوا میں ہے۔''

''اور جو کہیں اس ریکٹ کی پشت پر بھی وہی ہو؟'' بالے نے کہنا چاہا۔

''یہی اندازہ تو کرنا تھا، لیکن شاید ایسا نہیں ہے، ورنہ حالات دوسرے ہوجاتے۔''

''اور جو ایسا ہوتا تو کیا ہوتا؟''

''فورطور پر کچھ نہیں۔ اس ریکٹ کی پشت پر جو کوئی بھی ہے، وہ یقیناً خود ادھر گھومتا پھرتا نہ ہوگا۔ اس کی شخصیت تو شاید اس کی آدمیوں کے لیے بھی پراسرار ہوگی، ورنہ اس قدر تنظیم نہ پائی جاتی۔''

''مجھے اس لفظ پراسرار سے چڑ ہوگئی ہے۔''

''جاسوسی ناول تو نہیں پڑھنے لگے ہو؟''

''پڑھا تھا ایک۔''

''مثلاً؟''

''پراسرار موچھیں۔''

''لاحول ولاقوۃ۔'' رؤف بڑبڑایا اور خان مسکرا دیا۔

''بھئی رؤف خان، معلوم ہوتا ہے بالے تمہاری موچھیں منڈوا کر ہی رہیں گے ایک روز۔'' خان موڈ میں آکر بولا۔

Akram Allahabadi

"فرخ آبادی مونچھیں ہیں، صاحب۔" رؤف نے فخریہ لہجے میں کہا۔

"واہ بیٹے، اور پٹھان کا قصہ بھی تو وہیں کا ہے۔" بالے نے کہنا چاہا۔

"بس بس، اب بور مت کرو۔"

"اچھا، یہ مقدس کاہن اور کالا کوا؟"

"شاید تم وہ نشریہ بھول گئے جو ٹرانسمیٹر پر سنا گیا تھا۔"

"میں اب تک یہ نہیں سمجھ سکا ہوں کہ آگیا بیتال اور اس کے چکر سے کیا واسطہ ہو سکتا ہے؟" بالے نے سوال کیا۔

"شاید تمہیں یہ نہیں معلوم کہ ہندوستان میں فرانسیسی سفارت خانہ ہی پرتگالی حکومت اور اس کے مقبوضات کی بھی نمائندگی کرتا ہے۔"

"لیجیے اب آپ سفارتی سطح پر پہنچ گئے۔"

"اور شاید یہ بھی معلوم نہ ہو کہ ویلا واڑی ایکسائز پر جو پہلا کیس ہوا تھا، وہ اسی سفارت خانے کے ایک ہندوستانی ملازم کا تھا، جو وہاں مترجم کا کام کرتا تھا۔"

"تو کیا ہوا؟"

"وہ شکاری بھی نہیں تھا۔"

"بطخوں کے شکار کے لیے پہلے سے شکاری ہونا ضروری نہیں۔"

"گدھے، بطخوں کے شکار کے خطے کا راستہ ویلا واڑی یا اس کے اطراف سے نہیں ہے۔"

"آپ زبردستی کی کڑیاں ملا رہے ہیں۔ کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا۔"

"تو لو اچھی طرح سن لو۔ وہ آدمی اس بزنس میں تریکم داس جویلرز کا پارٹنر بھی تھا اور ان پانچوں شخصیتوں سے بھی اس کے مراسم تھے جن کی تلاشیاں لی گئی ہیں۔"

"تو یوں کہیے کہ وہ اس ریکٹ کا ہی کوئی ممبر تھا۔ مگر اس طرح تو سفارت خانہ بھی؟"

Akram Allahabadi

''ابھی سفارت خانے کے لیے کچھ نہیں کہا جا سکتا، لیکن مجھے تو ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ ہندوستان بھر میں مالی بحران پیدا کرنے کے لیے یہ کوئی بڑی بین الاقوامی سازش کی گئی ہے۔''

''اف...فوہ...آپ تو اسے عظیم ترین ہوا بنائے دے رہے ہیں۔ میں سنتے سنتے ہی بیہوش ہو جاؤں گا۔''

''شش....'' خان نے منہ پر انگلی رکھ کر انھیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ کسی کے قدموں کی چاپ سن رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ہی دروازہ کھلا اور ایک بھیل ہاتھ میں پھلوں کی ایک ٹوکری لیے آ پہنچا۔ اس نے اسے ان کے سامنے رکھ دیا اور بغیر کچھ کہے سنے چلا گیا۔

''اب کیا واقعی یہاں کل تک آرام فرمانے کا ارادہ ہے؟'' بالے نے پھر سوالات شروع کر دیے۔

''حالات کا جائزہ لینے کے بعد ہمیں کم از کم رات تک ضرور یہاں ٹھہرنا پڑے گا۔ میرا شبہ اب قوی ہوتا جا رہا ہے۔''

''خیر، میرا ٹرانسمیٹر نکالو...اور ہاں، رؤف، ذرا تم دروازے پر ٹھہر کر باہر نظر رکھو۔'' خان نے دونوں کو ہدایت کی۔

کچھ دیر بعد خان اور بالے ایک اسٹارٹ ویوز ٹرانسمیٹنگ اینڈ رسیونگ سیٹ پر جھکے ہوئے تھے۔ یہ سیٹ رؤف کے کٹ بیگ میں رکھا گیا تھا۔ خان نے سوئچ آن کر کے کال کرنا شروع کر دیا۔

''ویلا واڑی آپریشن پوسٹ۔ کے ایچ کالنگ ہیئر۔ ویلا واڑی او پی اٹینڈ، پلیز۔''

تقریباً ایک منٹ کے انتظار کے بعد انھیں دوسری طرف سے جواب ملا۔

''ڈیسوزا ہیئر ہر، اوور۔ ویلا واڑی او پی۔''

''کیا رپورٹ ہے؟ اوور۔''

''پانچ پانچ آدمیوں کی دس یونٹیں ڈکٹیشن سیٹ سے ایروفون کے سلسلے قائم ہوئے پال گیری کے جنگلوں میں داخل ہو چکی ہیں۔اوور۔آپ کے حکم کا انتظار ہے۔اوور۔''

''ویسٹ پوسٹ پر کون ہے؟اوور۔''

''انسپکٹر اسلم شاہ۔''

''ویو بالا ہلز پر؟''

''انسپکٹر سانے۔''

''کیسرندی کا راستہ بند کیا گیا؟''

''انسپکٹر رنبیر پانچ مسلح آدمیوں کے ساتھ موٹر بوٹ لیے وہاں موجود ہے۔اوور۔''

''شاباش،لیکن شاید ہمیں کل تک انتظار کرنا پڑے گا۔اوور۔''

''کہا آپ ابھی تک منزل پر نہیں پہنچے؟''

''منزل کی پہلی چوکی تک پہنچ گئے ہیں،لیکن کس قسم کے حالات کا سامنا کرنا پڑے گا،یہ ابھی نہیں کہا جا سکتا۔اوور۔''

''کوئی حکم؟''

''اوہ ہاں،ہیڈ کوارٹرز فون کر کے ملٹن بار اور فرنچ کونسلیٹ کے آفیسران ڈی افیئرز کو چیک کرایے۔اوور۔ممکن ہے وہ ملٹن بار میں ہی ملے،میں پہلے بھی اسے وہاں دیکھ چکا ہوں۔اوور۔''

''اوہ...سر،ون منٹ،سر۔''ڈیسوزا کی آواز کچھ چونکی ہوئی سی سنائی دی۔''میرے پاس اس کی ایک رپورٹ ابھی آئی ہے۔''

پھر چند سیکنڈ سکوت رہا۔شاید وہ کچھ تلاش کر رہا تھا۔اس عرصے میں بالے سنجیدگی کے ساتھ خان کے پیچھے کھڑا سب کچھ سن رہا تھا۔اس کی کھوپڑی میں بہت سے سوالات کلبلا رہے تھے۔

Akram Allahabadi

''یس، سر۔'' ڈیسوزا کی آواز پھر سنائی دی۔ ''کیو ون رپورٹنگ۔ امرتا نرتم داس اس گرین گیٹ ہاؤس سے غائب ہے۔ دو دن ہو چکے ہیں۔ آخری بار وہ ایک پستہ قد موٹے آدمی کے ساتھ ملٹن بار میں دیکھی گئی تھی۔ اوور۔''

''نوٹڈ۔''

''کیوتھری، Q3، رپورٹنگ، گیسٹیلو فرنچ آفیسر فارن افیئر ز کے ساتھ کل رات کیفے ڈی گالے گیا تھا اور وہاں ایک گھنٹے تک رہا۔ اوور۔''

''وزٹرز؟'' خان نے سوال کیا۔

''رات ملٹن بار میں اطالوی رقاصاؤں کا پروگرام ایک بجے تک ہوتا رہا جس میں چھ ایسے بیوپاری موجود تھے، جو ہمارے مشتبہ افراد کی لسٹ پر ہیں۔ اوور۔''

''دراصل۔'' خان نے کہا۔ ''وہ سردست وہاں سے کچھ نہ حاصل کر سکیں گے، لیکن کیوتھری کو ہدایت کر دیجیے کہ کیفے ڈی گالے پر نگرانی اور سخت کر دے۔ اوور۔ گیسٹیلو یا وہ فرنچ آفیسر کسی بہانے شہر چھوڑنے کی کوشش کریں تو محکمہ داخلہ کے دیے ہوئے اختیارات سے انھیں روک لیا جائے۔ اوور۔'' خان کچھ اور پوچھنے ہی جا رہا تھا کہ اسے باہر سے رؤف کے کھنکھارنے کی آواز نے چونکا دیا۔ اس نے سیٹ آف کر دیا اور بالے نے بڑی پھرتی سے اسے کٹ بیگ میں دھکیل دیا۔

''اگر ہماری تلاشی لی گئی تو یقیناً کمبختی آجائے گی۔'' وہ آہستہ سے بولا۔

''جب تک وہ میرے الخیام ہونے پر یقین رکھیں گے، انھیں اس کی جرأت نہ ہوگی۔'' خان نے کہا۔

''اور جو بھانڈا پھوٹ گیا تو؟''

''ہم مٹی کے مادھو تو نہیں ہیں۔ ویسے ہماری مسلح ٹکڑیاں پال گیری کے جنگل میں داخل ہو چکی ہیں، صرف ایک ہوائی سگنل کافی ہوگا۔''

Akram Allahabadi

''اور تب تک اپنی ہوا نکل گئی تو؟''

'' بکومت، اوہ ہاں دیکھو، اس میں سے ہزار تولہ تو فلٹر بینکر کو دینا پڑے گا۔''

خان نے گفتگو کرتے کرتے اپنا لہجہ فوراً بدل دیا۔ اندر داخل ہونے والا بھیل وہی تھا جو انھیں چھوڑ گیا تھا۔ وہ تھوڑی بہت ہندوستانی بول لیتا تھا۔

''کھانا... سردار کے ساتھ۔'' اس نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''ہاں ہاں، لیکن ابھی کچھ دیر بعد۔'' خان نے سر ہلا کر جواب دیا۔ اور وہ ویسے ہی واپس چلا گیا۔

''مجھے تو یہ سردار بھیل نہیں معلوم ہوتا؟''

''گدھا ہے پورا۔ وہ نیلی آنکھیں رکھتے ہوئے بھی ہمیں بیوقوف بنا رہا ہے۔ وہ یا تو کوئی اینگلو انڈین ہے یا غیر ملکی۔''

''لیکن یہاں؟''

''ہم۔ یہ بستی ان کی حفاظتی چوکیوں سے ایک معلوم ہوتی ہے۔ وہ یا تو اگیا بیتا کے مقدس کاہن کی طرف سے ان کا سردار بنا کر بھیجا گیا ہوگا یا پھر ان بھیلوں کی روزی اس کے ہاتھ میں ہوگی۔''

''کاش اس کی ایک حسین لڑکی بھی ہوتی۔'' بالے نے ٹھنڈی سی سانس کھینچی۔

''اور وہ آپ کو اپنا داماد بنا لیتا۔''

''اپنی اپنی تقدیر ہے، کوئی جلے تو جلا کرے۔''

''اب یہاں سے کھسکو، میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں۔''

''اور غسل؟''

''میں اس بہانے ٹرانسمیٹر کہیں چھپا کر رکھنے کے لیے جگہ تلاش کرتا، لیکن سوچتا ہوں اب اس کی ضرورت نہیں۔ وہاں کوئی نہ کوئی ضرور ہماری نگرانی کرے گا، خواہ وہ دوسروں

کی نظروں سے ہمیں محفوظ رکھنے کی خاطر ہی ہو۔ ویسے اس سے یہ فائدہ بھی مقصود تھا کہ اسے ہم پر میک اپ کا شبہ نہ ہو۔"

"میں تو جاتا ہوں۔"

"دفع ہو جاؤ، لیکن آنکھیں اور کان کھلے رکھنا۔"

☆☆☆☆☆☆

چشمے کا پانی درمیان میں قد آدم گہرائی رکھتا تھا۔ صرف کناروں کا پانی اتھلا تھا۔ پانی بہت شفاف اور سرد تھا۔ دور سے ہی بالے کی طبیعت کپڑوں سمیت اس میں کود پڑنے کے لیے مچلنے لگی۔ یہ چشمہ بستی سے زیادہ سے زیادہ نصف میل کے فاصلے پر تھا۔ اس کے دونوں طرف دور تک بر جھڑی کی قطاریں پھیلی ہوئی تھیں۔ ابھی وہ کپڑے اتار ہی رہا تھا کہ کسی کی چیخ نے اس کے کان کھڑے کر دیے۔ آواز باریک اور نسوانی تھی۔ بالے نے چونک کر دیکھا اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ایک حسین مرمری جسم چشمے کے شفاف پانی کی آغوش میں تھا۔ اس کے بال گہرے کتھئی اور چہرہ سویرے سویرے کسی جھیل میں کھلے ہوئے تازہ کنول کی مانند کھلا ہوا۔ پانی کے ننھے ننھے قطرے اس کے رخساروں پر اس طرح لرز رہے تھے جیسے شبنم میں نہایا ہوا تر و تازہ پھول۔ اس کی چیخ کا سبب شاید بالے کی موجودگی ہی تھی، لیکن وہ سبب پوچھے بغیر ہی پانی میں کود پڑا۔ لڑکی اسے پانی میں کودتے دیکھ کر اور ہراساں ہو گئی۔ اس کے حلق سے گھٹی گھٹی سی چیخیں نکلنے لگیں۔ وہ دوسرے کنارے کی طرف تیرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ جھیل کے شفاف پانی اس کا دہکتا ہوا نیم عریاں جسم، جس پر پیازی رنگ کا ہی جانگیہ اور اپر زیب تن تھا، لہریں لیتا صاف نظر آ رہا تھا۔ لیکن شاید وہ زیادہ تیز نہیں تیر سکتی تھی، کیونکہ بالے جلد ہی اس کے قریب پہنچ گیا۔

"تم...؟ تم کون ہو؟... کیوں... کیوں آئے ہو؟" وہ خوفزدہ آواز میں اس سے

پوچھنے لگی۔اس کے بیراب تک آب زمین پر ٹک چکے تھے۔

"ارے تو تمہیں کچھ نہیں ہوا ہے؟" بالے نے حیرت سے کہا۔

"نہیں تو۔" وہ معصومیت سے بولی۔

"اور تو پھر مجھے ہو گیا ہے۔"

"کیا ہو گیا ہے؟" لڑکی نے غصے سے پوچھا۔اس کا خوف اب دور ہو چکا تھا۔

"وہ کیا کہتے اسے، یعنی دھوکہ۔"

"تمہیں شرم نہیں آتی ایک لڑکی کو نہاتے دیکھ کر پانی میں کودتے؟"

"لیکن، حوا کی بیٹی، میں تو تمہاری چیخ سن کر سمجھا تھا کہ تمہاری ٹانگ کسی گھڑیال نے پکڑلی ہے، یا تم ڈوب رہی ہو اور تمہیں مدد کی ضرورت ہے۔" بالے نے چہرے کو ادسر معصوم بنا کر کہا۔

"گھڑیال؟...اور یہاں؟...اس چشمے میں؟" وہ بے اختیار ہنس پڑی۔اور اس کے موتیوں جیسے سفید سفید دانت چمکنے لگے۔

"مجھے کیا معلوم، میں تو یہاں پہلی بار آیا ہوں۔" بالے نے بچوں کی طرح منہ پھلا لیا۔پھر جیسے اس کی لڑکی کے نیم عریاں خوبصورت جسم پر پڑی، اس نے دونوں ہاتھوں سے آنکھیں ڈھانپ لیں اور چیخنے لگا۔"ارے بچاؤ، کوئی بچاؤ۔"

"کیا ہو گیا تمہیں؟" لڑکی نے کچھ نہ سمجھ کر پوچھا۔

"تت...تم مجھ پر ناراض ہو رہی ہو۔" وہ منہ بسور کر بولا۔

"تم یقیناً کسی اچھی ذات کے الو ہو۔" لڑکی پھر ہنس پڑی۔

"ہائیں، یہ کیسے جان لیا تم۔تم ضرور قیافہ شناس...لاحول ولاقوۃ۔قیافہ شناس ہو۔"

"تم ہو کون؟" لڑکی نے سرگوشی کے لہجے میں پوچھا۔

"پہلے تم بتاؤ۔میرا خیال ہے کہ تم جنت کے کسی محلے کی حور ہو، غلطی سے یہاں ٹپک

Akram Allahabadi

پڑیں۔"

"کیوں؟" لڑکی کنارے پر آتی ہوئی بولی۔اس کی سڈول عریاں ٹانگیں دیکھ کر بالے کے رگ وپے میں بجلیاں سی دوڑنے لگیں۔لیکن لڑکی نہ تو خوفزدہ تھی نہ مجوب۔وہ شاید کسی ایسے کلچر سے تعلق رکھتی تھی جس میں اس طرح کی عریانی باعثِ شرم نہ ہو۔بالے کی نظریں بار بار اس کے حسین چہرے سے اس کے چکنے سفید جسم پر پھسل جاتیں۔اور اس کی روح اتنی ہی تیزی سے جھرجھریوں پر جھرجھریاں لیتی گئیں۔لڑکی کے کپڑے باہر جھاڑی میں موجود تھے۔وہ مسکراتی ہوئی جھاڑی کی آڑ میں چلی گئی اور بالے حنوط کی طرح اسے دیکھتا رہ گیا۔

وہ دو منٹ بعد ہی باہر نکل آئی۔اب وہ سیاہ رنگ کا ایک ایسا چست لباس پہنے ہوئے تھی جس نے گھٹنوں سے اوپر تک اس کی ٹانگوں کو اور سینے تک جسم کو ڈھک لیا تھا۔اس کی باہیں البتہ عریاں تھیں۔وہ ایک سفید کپڑے سے اپنے بال خشک کر رہی تھی۔

"کیا تم واقعی مجھے مصیبت میں سمجھ کر کودے تھے؟" اس نے مسکراتی ہوئی نظروں سے بالے کو دیکھ کر پوچھا۔

"اور نہیں تو کیا میں بیوقوف تھا جو ایک جوان لڑکی کو نہاتے دیکھ کر پانی میں کود پڑتا۔" بالے نے سنجیدگی اختیار کر لی۔

"مجھے تم پر رحم آتا ہے۔" وہ اسے میٹھی نظروں سے دیکھ کر بولی۔

"کیوں؟ کیا میں قربانی کا بکرا ہوں؟"

کیا تم اس بوڑھے آدمی کے ساتھی نہیں ہو، جو ابھی کچھ دیر پہلے اس بستی میں آیا ہے؟"

"ارے، مگر تم کیا جانو؟ وہ تو بھیل لوگ ہیں۔"

"کچھ دیر بعد میں بھی تمہیں ان بھیلوں اور ان کی ہی طرح سیاہ فام نظر آؤنگی۔"

"تو کیا...؟ تو کیا وہ لڑکی تم ہی تھیں جو مجھے گھور رہی تھیں؟"

''شاید۔''وہ مسکرائی اور آگے آگے چلنے لگی۔

''لیکن ان لنگوروں کی قسمت میں حور کیسے آ گئی آخر؟''

''میں سردار کی بیٹی ہوں۔میرا نام لیزلی ہے۔''

''تو سردار بھی سفید فام ہے؟''بالے کے منہ سے نکل گیا۔

''تو کیا تمہیں نہیں معلوم؟''لڑکی نے حیرت سے اسے دیکھا، جیسے اس نے کوئی غیر متوقع بات کہہ دی ہے۔بالے کو فوراً ہی اپنی حماقت کا احساس ہوگیا، لیکن اس نے جلدی سے بات بنادی۔

''یہ سب کچھ الخیام کو معلوم ہے۔میں تو اس کا معمولی سا اسسٹنٹ ہوں۔''

''کیا وہ واقعی الخیام ہے؟''لڑکی کا لہجہ رازدارانہ تھا۔

''اگر وہ الخیام نہیں ہے تو کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔''بالے نے منہ کسی قدر پھلا لیا۔

''مگر میرے باپ کو بھی یقین نہیں آرہا ہے کہ اتنا بڑا اور خطرناک آدمی اس طرح یہاں آسکتا ہے اور وہ بھی راستہ بھول کر۔''لڑکی نے اپنے شبے کا بلا جھجک اظہار کیا۔

''اس میں بھی کوئی مصلحت ہوگی۔اس کے سب کام عجیب وغریب ہوتے ہیں۔ اسے سمجھنا اگر ناممکن نہیں تو بہت مشکل ضرور ہے۔لیکن تم لوگ ایسا کیوں سوچ رہے ہو؟ کیا تم اسے پہچان نہیں سکے؟''

''اسے ہم نے آج تک نہیں دیکھا تھا اور شاید کسی نے بھی نہ دیکھا ہو۔ہم صرف اس کا نام سنتے رہے ہیں۔''لڑکی نے بتایا۔

''ہونہہ۔''بالے کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''اس کی اصل شکل شاید خود اس کے سائے نے بھی نہ دیکھی ہوگی، میں نے بھی آج تک نہیں دیکھی۔وہ میک اپ کے بغیر کبھی نمودار نہیں ہوتا۔''

''بڑا پراسرار آدمی ہے۔''

''اس سے بھی زیادہ جتنا ہم سوچتے ہیں۔''

''تم بھی کچھ کم چالاک نہیں ہو۔'' لڑکی نے اسے چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر کہا۔

''ارے واہ، پھر سے کہو۔''

''کیوں؟'' وہ مسکرائی۔

''عام طور سے لڑکیاں میرے بارے میں اس کے برعکس رائے رکھتی ہیں۔ اس لیے تو وہ مجھے منہ نہیں لگاتیں۔''

''جھوٹ۔ تم تو زبردستی تعارف حاصل کر لینے والوں میں سے معلوم ہوتے ہو۔'' اس نے بڑی محبوبانہ انداز میں ماتھے پر جھوم کر آنے والے بالوں کی لٹ کو پیچھے کی طرف پھینکتے ہوئے کہا۔

''اب تم مانو یا نہ مانو۔ سچ تو یہی ہے کہ میں تمہیں ڈوبتا سمجھ کر بچانے کے لیے کودا تھا۔''

''کیوں؟''

''مجھ سے کسی کو مصیبت میں نہیں دیکھا جاتا۔''

''مجھ سے بھی نہیں دیکھا جا سکتا۔'' وہ بستی کے اس پار پتھریلے میدان کے اوپر جھکی ہوئی آسمان کی خلاؤں میں گھورتی ہوئی بے خیالی کے عالم میں کھو گئی۔

''کیا؟'' بالے نے سوال کیا۔

''آں...'' وہ چونک پڑی۔ ''کچھ نہیں، کچھ نہیں، یہی لوگوں کی مصیبت۔''

''بڑا معصوم دل ہے تمہارا۔''

''نہیں، اب بالکل معصوم بھی نہیں۔ لیکن نہ جانے کیوں مجھے اس زندگی سے نفرت سی ہوتی جا رہی ہے۔''

''ارے یہی... مگر...''

Akram Allahabadi

"مگر تم ضرور چالاک آدمی ہو۔" وہ چلتے چلتے رک کر بالے کو مشکوک نظروں سے دیکھنے لگی۔

"اوہ، میں تو سمجھا تھا کہ ہم دونوں پرخلوص دوست بن گئے ہیں۔" بالے نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"دوست...؟ ہونہہ۔ اس دنیا میں کوئی کسی کا دوست نہیں۔ اور پھر ہم تو مخالف جنسوں سے تعلق رکھتے ہیں، ہماری دوستی ایک جذباتی جھوٹ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔" وہ فلسفیانہ انداز میں بولی۔

"میں سمجھا نہیں؟" بالے نے معصوم بننے کی کوشش کی۔

"سادہ سی بات۔ محض جنسی کشش ہے جسے زیادہ مکار لوگ دوستی کی آڑ میں چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔" وہ بے دھڑک بولی۔

"وہ کوئی مکار لوگ ہوں گے، میں تو پیدائشی شریف آدمی واقع ہوا ہوں۔"

"ہونہہ۔" اس نے اٹھلا کر کہا۔ "دیکھ لیں گے۔" یہ کہتی ہوئی وہ اس دوسرے راستے پر چلنے لگی، جو بستی کے داہنی سمت سے جھونپڑوں کی پشت پر پہنچتا تھا۔ بالے کو یہی سے اپنا راستہ بدلنا تھا۔ کیونکہ وہ کسی کی نظروں میں آنا نہ چاہتا تھا۔ وہ جب واپس پہنچا تو خان اس کا منتظر تھا۔ سردار نے دوبارہ انھیں کھانے پر بلاوا بھیجا تھا۔

"کہیں کچھ دال میں کالا تو نہیں ہے؟" بالے نے خان سے آہستہ سے پوچھا۔

"کیوں؟"

"سردار بھیل نہیں ہے اور..."

"وہ غیر ملکی ہے۔" خان نے اس کی بات کاٹ دی۔ "یہ شک تو مجھے اس کی آنکھیں دیکھتے ہی ہو گیا تھا۔"

"اس کی ایک اولاد بھی ہے۔ چند آفتاب، چند ماہتاب اور چند سے..."

Akram Allahabadi

''خانہ خراب۔'' رؤف بول اٹھا۔

''جیسی نیت، ویسی برکت۔'' بالے نے اس کی طرف دیکھ کر جلے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تو تم نے یہاں بھی ڈھونڈ نکالی کوئی؟'' خان نے اسے گھورا۔

''خدا شکر خورکو شکر دیتا ہے۔'' بالے نے دونوں ہاتھ جھٹک کر کہا۔

''تم اپنی حماقتوں سے باز نہ آؤ گے؟'' خان جھنجلا گیا۔

''میں کہاں، وہ خود ہی گلے پڑ گئی تھی میرے۔'' بالے معصومیت سے بولا۔

''گلفام جو ٹھہرے۔'' رؤف آہستہ سے بڑبڑایا۔

''ہاں ٹھہرے۔'' بالے بچوں کی طرح اکڑ کر بولا۔ ''تمہاری مونچھیں کیوں سلگ رہی ہیں؟''

''بکواس بند کرو، خدا کے لیے۔'' خان زچ ہو کر بولا۔

''سن لیا، رؤف بھائی۔'' بالے نے بات رؤف کی طرف گھما دی۔

''چلو، وہ انتظار کر رہا ہو گا ہمارا، لیکن جیبیں خالی نہ رہیں۔'' خان نے اٹھتے ہوئے بولا۔

ان تینوں نے اپنے ریوالور چیک کر کے جیبوں میں ڈال لیے اور آگے پیچھے جھونپڑے سے باہر نکل آئے۔ یہاں کچھ دور پر ایک بھیل محافظ بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ وہ کچھ بیمار سا معلوم ہوتا تھا۔ اس نے انھیں دیکھ کر سردار کے جھونپڑے کی طرف اشارہ کر دیا اور خود تھکے ہوئے انداز میں بیٹھا رہا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

ہنگامہ

کھانے میں بغیر چھنے ہوئے آٹے کی نانیں تھیں، جو شاید الاؤ پر پکائی گئی تھیں، اور بھنا ہوا بھیڑ کا گوشت۔ سردار اپنے سامنے شراب کی ایک بوتل رکھے بیٹھا تھا اور اس کے سامنے دو تین مٹی کے گلاس بھی تھے۔ کھانے کے ساتھ ساتھ اس نے انھیں شراب بھی پیش کی، لیکن انھوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ صرف رات کو پیتے ہیں۔ کھانے کے دوران سردار خان کی الخیام والی شخصیت سے کافی مرعوب نظر آ رہا تھا۔ اس نے گفتگو کو زیادہ تر پہاڑی قبائلی زندگی اور اس ماحول کے غیر مختتم جمود تک محدود رکھا۔ ایک آدھ بار اس نے الخیام کی آمد کے مقصد کے بارے میں بھی اشارۃً پوچھا، لیکن خان بڑی صفائی سے یہ کہہ کر ٹال گیا کہ معاملہ میرے اور مقدس کاہن کے درمیان ہے۔ تمھیں یہ جاننے کی ضرورت نہیں۔ اس جواب نے سردار کو اور مرعوب کر دیا۔ اور بعد میں وہ چپ ہو رہا۔ وہ کھانا ختم کر کے باہر نکل رہے تھے کہ بالے کو لیزلی نظر آ گئی۔ اب وہ واقعی اپنے قول کے مطابق تانبے جیسے سرخ رنگ کی سیاہ بالوں والی بھیل لڑکی بن چکی تھی۔ فرق یہی تھا کہ عام بھیل عورتوں کی طرح اس کی چھاتیاں کھلی ہوئی نہ تھیں۔ غیر ارادی طور پر وہ بالے کو دیکھ کر مسکرا دی اور بالے نے بھی خان کی نظر بچا کر اسے کچھ اشارہ کرنے کی کوشش کی، لیکن خان نے دیکھ لیا، جس پر وہ ہاتھ کو اس طرح گھمانے لگا جیسے ورد کر رہا ہو۔

''تمہاری یہ حرکت وہ سردار بھی دیکھ سکتا ہے۔'' خان نے بڑبڑانے والے انداز میں آہستہ سے کہا۔

''یہ ترقی پسند زمانہ ہے۔ جب میاں بیوی راضی...''

''تو جوتے ماریں گے قاضی۔ یہ شہر نہیں ہے، بیٹے، جنگلی علاقہ ہے۔''

سردار انھیں صرف دروازے تک چھوڑنے آیا تھا۔ وہ وہیں سے واپس چلا گیا۔

شام ہوتے ہوتے انھیں باہر نکل کر اس مجمع میں شریک ہونا پڑا، جو ناچتی ہوئی بھیل لڑکیوں کے گرد حلقہ ڈال کر بیٹھا تھا۔ ان میں سردار نہیں تھا۔ اس نے کہلا دیا تھا کہ اس کے سر میں درد ہے، لیکن مہمانوں کو ناچ ضرور دکھایا جائے۔ اپنی رسم کے مطابق بھیل لڑکیاں دوست مہمانوں کو رقص کے ہر راؤنڈ پر کچھ اس انداز سے منہ چڑاتیں جیسے دعوت رومان دے رہی ہوں، لیکن ان کے کالے کالے بھدے چہرے دیکھ دیکھ کر بالے کو تو جیسے قے آ رہی تھی۔ اس کی نگاہیں ان میں اور ان کے علاوہ مجمع میں لیزلی کو تلاش کر رہی تھیں۔ رؤف بے خیالی کے عالم میں بس یوں ہی اس بے ہنگم سے تال کے ناچ کو دیکھ رہا تھا۔ دو بھیل ایک طرف کھڑے دو موٹی موٹی لکڑیوں سے بے تحاشہ ڈھول پیٹ رہے تھے۔ آگے بیٹھے ہوئے بھیل نوجوانوں کی ٹولی زمین سے کنکریاں اٹھا اٹھا کر ناچنے والیوں کو تختۂ مشق بنائے ہوئے تھی۔ بوڑھی عورتیں بچوں سمیت ایک طرف اپنا گروپ بنا کر بیٹھی تھیں اور ان میں سے کچھ ان مہمانوں کو نفرت و خوف کے ملے جلے احساسات کی ترجمان نظروں سے گھور رہی تھیں۔ ناچتی ہوئی ایک بھیل لڑکی نے قریب سے گزرتے ہوئے ایک بار رؤف کی مونچھوں کو چھو لیا۔ وہ شرارت کر کے آگے بڑھ گئی، لیکن رؤف کے لیے مصیبت ہو گئی۔ آس پاس بیٹھے ہوئے بھیل تک ہنس پڑے۔

''ہائے رؤف بھائی، کیا قاتل مونچھیں ہیں تمہاری، وہ بیچاری تو...''

''کیوں پیچھے پڑے ہو، یار۔'' رؤف نے جھنجلا کر کہا۔

''چہ خوش۔ اندر سے لڈو پھوٹ رہے ہیں اور اوپر چلو ہٹو۔''

''تمھیں مبارک ہو وہ لڈو۔''

''چچ چچ، ایسا جھوٹ۔ ویسے بری بھی کیا ہے۔'' وہ آہستہ سے بولا۔

''تو تم ہی تھام لو نا ہاتھ۔'' رؤف نے جل کر کہا۔

''کیوں کفرانِ نعمت کرتے ہو، رؤف بھائی۔''

"ارے، اب میں اٹھ جاؤں گا یہاں سے۔" رؤف تنگ آ گیا۔

"وہ گھر تک پیچھا نہ چھوڑے گی۔ ویسے تمہارے لیے تو چار شادیاں جائز ہیں نا؟"

"لعنت ہے تم پر۔" رؤف واقعی اٹھ کھڑا ہوا۔ خان جواب تک کسی اور طرف متوجہ تھا، اسے دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ڈیلوسی جانا چاہتے ہیں۔" بالے بول اٹھا۔

لیکن قبل اس کے کہ رؤف کچھ کہتا، دائیں طرف بیٹھے ہوئے بھیلوں کے درمیان سے گزرتی ہوئی لیزلی پر بالے کی نظر پڑ گئی۔ وہ اسی کو کچھ اشارہ کر رہی تھی۔

"میں ابھی آیا۔" بالے نے رازدارانہ لہجے میں خان سے کہا اور آہستہ سے پیچھے کھسک کر مجمع سے باہر نکل آیا۔ لوگ ناچ دیکھنے میں مشغول تھے، کسی نے اس کی طرف دیکھا تک نہیں۔ لیزلی ایک طرف اندھیرے میں اس کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ اس کا ہاتھ تھام کر تیزی سے جھونپڑیوں کی پشت کی طرف بھاگی۔

"جلدی کرو، ادھر آؤ۔" وہ کہہ رہی تھی۔ اس کے لہجے میں خوف اور گھبراہٹ پائی جاتی تھی۔ وہ جھونپڑیوں کے پیچھے ایک چٹان کی آڑ میں رکے۔ "تم لوگوں کی زندگیاں خطرے میں ہیں اور میں اپنی آنکھوں سے درندگی کے کھیل اور زیادہ نہیں دیکھ سکتی۔" وہ پھولی ہوئی سانس کے ساتھ کہنے لگی۔

"کیا بات ہے آخر؟" بالے نے پوچھا۔

"میرے باپ کو تم لوگوں پر شک تھا، اس لیے اس نے مقدس کاہن کے پاس دوپہر کو ہی پیغام بھیج دیا تھا۔ کاہن کا آدمی ابھی ابھی جواب لایا ہے۔ میں نے خود باہر سے چھپ کر سنا ہے۔ وہ تمہیں ابھی ناچ ختم ہونے پر ختم کر دیں گے۔ ان کے پاس مشین گن تک موجود ہے۔"

Akram Allahabadi

''کوئی پرواہ نہیں، تمہارے عشق میں یہ بھی سہی۔''

''پاگل تو نہیں ہو؟ پہلے اپنی جان بچاؤ، پھر جتانا عشق اپنا۔''

''لیکن پھر تم ملو گی کہاں؟'' بالے نے لہجے کو دردناک بنالیا۔

''یہ میں نہیں جانتی، لیکن تقدیر میں ہے تو کہیں نہ کہیں مل لیں گے۔ اس وقت تو جس طرح بھی ہو سکے تم لوگ یہاں سے نکل جاؤ۔ میرے باپ نے کچھ آدمیوں کو بلوایا ہے۔ وہ انھیں ہدایتیں دے رہا ہوگا۔''

''اچھا، شکریہ۔'' بالے نے یہ کہا اور سب سے پہلے تیر کی طرح اپنی جھونپڑی کی طرف بھاگا۔ شکر تھا کہ یہاں اس وقت کوئی محافظ نہ تھا، سوائے اس بیمار سے آدمی کے، جو باہر کھمبے سے ٹک کر سو گیا تھا۔ بالے نے سب سے پہلے وہ کیمرہ سنبھالی، پھر کٹ سے وائرلیس سیٹ نکال کر اسے آن کر دیا۔ وہ ڈیسوزا سے کنکٹ کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور اس میں بمشکل ایک منٹ ہی صرف ہوا ہوگا کہ دوسری طرف سے اس کی آواز سنائی دی۔

''میں بالے بول رہا ہوں۔ خان صاحب اس وقت دور ہیں۔ پال گیری کی مشرقی سرحد پر پہلی گھاٹی میں جو بھیلوں کی بستی ہے اسے گھیرنے کے لیے قریبی آپریشن یونٹ کو بھیج دیجیے، فوراً۔ اوور۔''

''فضائی سگنل کیوں نہیں دے دیتے۔ اوور۔'' ڈیسوزا کی آواز سنائی دی۔

''موقع نہیں ہے۔ وہ فوراً چوکنے ہو جائیں گے اور خان صاحب ان لوگوں کے درمیان ہی بیٹھے ہوئے ہیں۔ اوور۔''

''اچھا، میں انھیں ایروفون سے ہدایت کرتا ہوں۔ اوور۔'' ڈیسوزا نے یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔ بالے نے سب سے پہلے کٹ اور کیمرہ سنبھالا اور پھر تیزی سے جھونپڑے سے نکل کر اس کی پشت پر رات کی تاریکی میں غائب ہو گیا۔ اچانک فائرنگ کی آواز سن کر مجمع چونک پڑا۔ عورتیں اور بچے تو خوفزدہ ہو کر بے تحاشا جھونپڑیوں کی طرف بھاگے اور لوگ اس

طرف دوڑنا شروع ہوگئے، جدھر سے آوازیں آرہی تھیں۔ رؤف بھی اٹھ کر دوڑنا چاہتا تھا کہ خان اپنی جگہ سے اچھلا اور رؤف کو زمین پر گراتے ہوئے خود بھی زمین پر کروٹیں لیتا ہوا چشم زدن میں ایک جھونپڑے تک پہنچ گیا۔ دو گولیاں سنسناتی ہوئی ان سے پانچ فٹ اوپر سے نکل گئیں اور اگر وہ کھڑے ہوتے تو ان کے بھیجوں کے چیتھڑے اڑ گئے ہوتے۔ رؤف کو بھی زمین پر رینگ کر جھونپڑے تک پہنچنے میں دیر نہیں لگی۔ خان نے جھونپڑے کی آڑ لے کر پستول نکال لیا۔ رؤف اب اس کے پیچھے آ گیا تھا۔ یہ گولیاں سردار کے جھونپڑے کی طرف سے چلی تھیں، لیکن فائرنگ کی پہلی آواز دوسری طرف سے آئی تھی۔ خان کا پستول بھی شعلے اگلنے لگا۔

''رؤف، تم بالے کو دیکھو۔'' خان نے رؤف کو ہدایت کی۔ اتنے میں اس جھونپڑے کی طرف بھی فائرنگ کی آواز سنائی دینے لگی، جس میں وہ ٹھہرے تھے۔

''شاید بالے گھر گیا ہے ان لوگوں میں۔'' خان بڑبڑایا۔ لیکن وہ ابھی پیچھے کھسک کر جھاڑیوں تک ہی پہنچے تھے کہ کسی کے دوڑتے قدموں کی آہٹ نے انھیں چونکا دیا۔ وہ بالے ہی تھا۔

''جلدی نکل چلیے۔'' وہ پھولی سانس کے ساتھ بولا۔ ''میں نے انھیں آپس میں لڑا دیا ہے۔ اندھیرے میں وہ یا ک دوسرے کو ہی دشمن سمجھ کر گولیاں چلا رہے ہیں۔ صرف ابتدا میں نے کر دی تھی۔

''یہ تم نے کیا کیا، بیوقوف؟'' خان کی تیز سرگوشی اسے سنائی دی۔

''سردار کے آدمی ہمیں ختم کرنے آرہے تھے۔'' بالے نے بتایا۔ ''اس کی لڑکی نے ہی آ کر مجھے خبر دی تھی۔''

''تم گدھے ہو۔ ہم انھیں ایک بار اور بیوقوف بنا سکتے تھے، لیکن اب تو ان کی تمام چوکیاں چوکنی ہونگی۔''

''میں نے ٹھیک ہی کیا ہے۔ چلیے، ورنہ وہ آ پہنچیں گے۔''

اس وقت مجبوراً خان کو بھی بھاگنا ہی پڑا۔ وہ نہیں سمجھتا تھا کہ بھیلوں کی اس بستی میں اتنی بندوقیں اور ان کے چلانے والے بھی موجود ہوں گے، ورنہ وہ کوئی اور طریقہ اختیار کرتا۔ وہ انھیں فائرنگ میں الجھا چھوڑ کر تیزی سے پہاڑ کی طرف بھاگے۔ اب خان کا رخ اس پلیٹونما بلندی کی طرف تھا، جس کے لیے کرنل انھیں بتا کر گیا تھا۔

وہاں پہنچنے تک انھیں نیچے بھیلوں کی بستی میں فائرنگ کی آواز برابر سنائی دیتی رہی۔ پھر کچھ دیر کے لیے سناٹا چھا گیا، لیکن چند ہی منٹوں کے بعد فائرنگ پھر شروع ہو گئی اور پہلے سے زیادہ تیزی سے۔

''یہ کیا ہوا؟'' خان نے ایک جگہ رک کر کہا۔[

''شاید آپریشن یونٹ والے آ گئے ہونگے۔ میں نے ڈیسوزا صاحب کو وائرلیس پر خبر کر دی تھی۔'' بالے نے بتایا۔

''بعض اوقات تم جلد بازی میں بڑی الجھنیں پیدا کر دیتے ہو۔'' خان سر تھام کر بیٹھ گیا۔

''میں جنگل کے گرد جال ڈال کر انھیں خبر نہ ہونے دینا چاہتا تھا کہ پولیس یہاں تک پہنچ گئی ہے، یا کوئی اور باقاعدہ آپریشن شروع ہو چکا ہے۔ اب وہ اپنے بچاؤ کے انتظامات مضبوط کر ڈالیں گے۔'' خان نے کہا۔

''لیکن اگر دھوکے میں وہ لوگ کچھ کر بیٹھے تو؟ میں نے تو اسی وقت آپ کو چونکا دینے کے لیے ہی گولی چلائی تھی، کیونکہ میں سردار کے خیمے سے دو آدمیوں کو نکلتے دیکھ چکا تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر میری فائرنگ سے آپ نہ چونکتے اور یہ بھگدڑ نہ مچتی تو آپ دونوں بے خبری میں پیچھے سے گولیوں کا نشانہ بن جاتے۔''

''بالے، تمہارے نقطہ نظر سے صحیح ہے، لیکن میں کبھی غافل نہیں رہتا۔ میری نظر ان پر پڑ چکی تھی اور خود اچانک انھیں لے ڈالتا۔ خیر، لیکن ان کی اس حرکت کا مطلب یہ ہے کہ اس

بستی میں سردار کےعلاوہ اور بھی غیر بھیل بھیلوں کے میک اپ میں موجود ہیں۔" خان بولا۔

"ڈیسوزا صاحب سے کنفکٹ کر کے پوچھا جائے کہ ان کا کیا حشر ہوا۔" بالے نے رائے دی۔

"یہ یہی دیکھو۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ ان میں کوئی پولیس کے ہاتھ نہ لگا ہوگا، وہ لوگ اتنے بیوقوف نہیں ہیں۔" خان نے کہا۔

"آپ اگر الخیام نہ بنتے تو شاید اسے شک نہ ہوتا۔"

"گدھے ہو تم، میں کہہ چکا ہوں کہ اسی ایک طریقے سے تو میں یہ جان سکا ہوں کہ الخیام اس ریکٹ کی پشت پر ہے یا نہیں۔"

"اب کیا ارادہ ہے؟"

"اگیابیتال۔"

"اسے کہاں ڈھونڈتے پھریں گے؟"

"کوئی نہ کوئی راستہ نکل ہی آئے گا۔"

وہ پھر آگے کی طرف بڑھنے لگے۔ ایک جگہ بالے نے ٹرانسمیٹر پر ڈیسوزا کو کنفکٹ کیا، اور جب اس سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ دو یونٹیں بھیلوں کی بستی کو گھیر چکی ہیں، لیکن وہاں کوئی نہیں ملا۔ بھیلوں کا کہنا ہے کہ کچھ ڈاکو یہاں گھس آئے تھے، وہی گولیاں چلا رہے تھے، ڈیسوزا نے بتایا۔ اور جب بالے نے یہ بات خان کو بتائی تو وہ مسکرا دیا۔

"میں پہلے ہی جانتا تھا کہ یہی ہوگا۔"

"جب آپ کو یہ معلوم تھا تو بھاگے کیوں؟"

"ان کے پاس مشین گن بھی تھیں اور اس کھلی جگہ میں اس کا مقابلہ کرنا سراسر حماقت ہوتی۔" خان یہ کہہ کر پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔

.....

Akram Allahabadi

کرنل کے بتائے ہوئے مقام تک پہنچنے کے لیے انھیں کافی دشوار گزار راستے سے آگے بڑھنا پڑا۔

رات کا وقت، بھیانک جنگل، ویران فضا اور اس پر درندوں کے قریب ہی موجود ہونے کا خطرہ۔ یہ وہ مشکلات تھیں جو انھیں ذہنی طور پر بھی متاثر کر سکتی تھیں، لیکن ناہموار نشیب و فراز سے گزرتے ہوئے جب وہ نوکیلی چٹانوں میں الجھتے سپاٹ ڈھلوانوں پر پھسلتے پھسلتے رہ جاتے تو انھیں خدا یاد آجاتا۔ خان ان کی رہنمائی کر رہا تھا۔ رؤف خاموشی سے چل رہا تھا، لیکن بالے کی زبان یہاں بھی بند نہیں ہوئی تھی۔ کبھی وہ اپنی تقدیر کو کوسنے لگتا، کبھی محکمہ پولیس پر لعنت بھیجتا اور کبھی ان نامعلوم مجرموں کو موٹی موٹی گالیوں سے نوازنے لگتا، لیکن نہ تو اس کی کیفیت پر خان نے کوئی توجہ دی، نہ رؤف نے خیریت پوچھی۔ بالآخر ایک جگہ وہ تھک کر بیٹھ گیا اور حلق سے عجیب عجیب سی آوازیں نکالنے لگا۔

''تم نخرے کرو گے تو ہم تمھیں چھوڑ کر آگے بڑھ جائیں گے۔'' خان نے اسے تنبیہہ کی۔

''ہاں ہاں، بڑھ جایے، شوق سے بڑھ جایے۔ میں کوئی تین چار سنگھ نہیں ہوں جو بغیر دم لیے کوہ پیمائی کرتا چلوں۔'' بالے نے جل کر کہا۔

''تم جانتے ہو یہاں شیر اور چیتوں کی بہتات ہے؟'' خان نے اسے ڈرایا۔

''ہوگی، میں انھیں سمجھالوں گا کہ اینڈرو سلز نے شیروں کی کئی پشتوں پر احسان کیا تھا۔'' بالے ڈھٹائی سے بولا۔

''چیتے کسی کا احسان نہیں مانتے، بالے صاحب۔'' رؤف بھی بولے بغیر نہ رہا۔

''تمہاری نسل کا ہونگے۔'' بالے کے اس جواب نے رؤف کو لاجواب سا کر دیا۔

''اچھا، اب اٹھ جاؤ، ورنہ ہمیں صبح یہیں تمہاری قبر بھی بنانی پڑے گی۔'' خان نے اسے دھکیلتے ہوئے کہا۔

Akram Allahabadi

''میں اپنی قبر آپ لوگوں کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔''

''اکو۔'' بالے کا کان خان کے ہاتھ میں تھا۔ وہ کراہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

''رابنسن کروسو کا ایڈونچر بھی اس سے اچھا تھا۔ آدم خور سہی، مگر لڑکیاں تو ملی تھیں اسے۔''

''اب نکالوں میں تمہارا ایڈونچر؟'' خان کو غصہ آ گیا۔

بالے نے خاموش ہو جانے میں ہی عافیت سمجھی۔ خان اب جس لہجے میں مخاطب ہوا تھا، وہ بالے کے لیے فل اسٹاپ کی حیثیت رکھتا تھا۔ بادل نخواستہ وہ ان کے ساتھ چلتا رہا۔ شاید اسی وجہ سے اس طرف شکاری نہیں آتے تھے اور کرنل حشمت تو اس روز راستہ بھٹک کر آ نکلے تھے۔ کیونکہ گنجان جھاڑیاں یہاں راستوں کو پیچیدہ اور خطرناک بنائے ہوئے تھیں۔ پگڈنڈی تو کوئی اب تک ان کی نظر نہیں پڑی تھی۔ وہ صرف اندازے پر اس سمت بڑھ رہے تھے۔ ویسے کرنل نے بھی کسی خاص مقام کا تعین نہیں کیا تھا، کیونکہ بالکل صحیح طور پر وہ خود بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ شعلے کس جگہ نظر آئے تھے، البتہ دور سے یہ وہی مقام نظر آتا تھا۔ دو تین میل تک گھنے جنگل سے گھرا ہوا۔ بالآخر وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں زمین پلیٹو نما تھی۔ یہاں زیادہ بلند جھاڑیاں نہ تھیں۔ اسے پلیٹو بھی نہیں کہا جا سکتا تھا، کیونکہ زمین پتھریلی ہونے کی بجائے مٹی کی موٹی تہ سے ڈھکی ہوئی تھی اور اونچے اونچے جیڑ کے درخت فاصلے سے سر اٹھائے کھڑے تھے۔ ان کی رہنمائی وہ شکاری نارچز کر رہی تھیں جو کٹ میں پہلے سے محفوظ تھیں۔ راستے بھر وہ خوفناک درندوں کی غراہٹ اور طیوروں کی چخ چخ سنتے آئے تھے، لیکن کسی درندے سے ابھی تک ان کا سامنا نہیں ہوا تھا۔ نارچوں کے شیشے بلیک آؤٹ سسٹم کے تھے۔ ان کی روشنی اوپر اور دائیں پھیل کر نہیں پڑتی تھی، بلکہ زمین پر سیدھی اور دور تک جاتی تھی، بلکہ زمین پر یہ بھی اور دور تک جاتی تھی۔

''بالے۔'' خان نے اچانک بالے کو بازو سے تھام کر ایک طرف گھسیٹ لیا۔ اوپر

ایک درخت پر ایک چیتا اپنے دانت نکالے اس پر جست مارنے ہی جارہا تھا۔خان کی سائلنسر لگی ہوئی رائفل سے ایک شعلہ لپکا اور دوسرے لمحے وہ چیتا اوپر سے ٹپکنے والی گٹھڑی کی طرف دھم سے نیچے آگرا۔

''باپ رے۔''بالے نے اس پر روشنی ڈالی۔''پانچ فٹ سے کم لمبا نہیں۔''وہ اسے دیکھ کر بولا۔

''خیریت ہی ہوگئی، ورنہ وہ ابھی آپ کی لمبائی ناپتا ہوتا۔''رؤف نے پیچھے سے کہا۔

''آج بہت چہک رہے ہو، رفو بھائی؟''بالے نے اسے گھورا۔

''قدرت نے زبان دی ہے۔''رؤف نے یہ کہتے ہوئے دوسری طرف رخ کرلیا۔

اسی رائفل سے خان نے راستے میں ایک بھٹکتی ہوئی شیرنی کو بھی ڈھیر کردیا، جس کے دھاڑنے کی آواز جنگل مین دور دور تک سنائی دے رہی تھی۔بالے نے اپنی رائفل سے ایک ریچھ مارا اور رؤف صرف نشانے لگاتا رہ گیا۔وہ اپنی رائفلیں، جنھیں ٹکڑے ٹکڑے کرکے ڈیڑھ فٹ کے کیس میں رکھا جاسکتا تھا، کٹ بیگ میں ساتھ ہی لائے تھے۔

ایک جگہ، جہاں آس پاس کی پندرہ بیس فٹ کی زمین صاف تھی، وہ تھم گئے۔خان کی ہدایت پر خشک لکڑیاں جمع کرکے انھوں نے وہیں ایک الاؤ جلالیا۔اس الاؤ کی روشنی صرف اتنی ہی اونچی تھی کہ دوسری پہاڑی سے وہ شاید دیکھی جاسکتی۔ویسے جھاڑیوں کے ہوتے ہوئے اس کا بھی ڈر نہ تھا۔انھیں ایک نامعلوم وقفہ یہاں گزارنا تھا۔رات کھنک اور ہوا تیز تھی اور انھیں سردی محسوس ہورہی تھی۔خان نے ٹرانسمیٹر نکلوا کر ڈیسوزا کو کال کیا اور اسے ہدایت کردی کہ آپریشن فورس کی ٹکڑیوں کو جنگل میں مشرقی اور مغربی سرحدوں کے ساتھ کیسرندی کے گھماؤ سے آگے بڑنے کا حکم دیدے اور جب وہ پچاس میل کے فاصلے کے رینج میں آجائیں تو شارٹ ویو پر خان کو کال کرکے براہِ راست حکم حاصل کریں۔ساتھ ہی اس نے رنبیر کے لیے بھی ہدایت

جاری کرادی کہ اگر رات کے کسی موقع پر کوئی شعلہ نما وجود ندی کے اطراف میں نظر آئے یا کسی ایسی چیز سے سامنا ہو تو فوراً اطلاع دے اور اپنے آدمیوں کو اور خود کو اس کی زد سے ہر طرح بچائے، صرف اس کا تعاقب کیا جا سکتا ہے۔ اس پر کوئی حملہ کرنا بے سود ہوگا۔ پھر اس نے انسپکٹر شاہ کے لیے ہدایت کی کہ وہ اپنے باقی آدمیوں کو ویسٹ پوسٹ پر چھوڑ کر خود تین چار آدمیوں سمیت جو رائفلوں سے مسلح ہوں، بھیلوں کی بستی میں کے شمال کی پلیٹو نما چوٹی والی پہاڑی کی طرف بڑھے۔ ان ہدایات کے بعد خان نے سب سے پہلا کام کیا، وہ یہ کہ اس نے کٹ سے میک اپ بکس نکلوا کر اپنا اور ان دونوں کا میک اپ بدل ڈالا۔ اس میں تقریباً ایک گھنٹہ صرف ہو گیا، لیکن اب وہ تین بڑی بڑی مونچھوں والے جاٹ شکاری معلوم ہو رہے تھے۔ رؤف کے چہرے پر تو مونچھیں موجود ہی تھیں، صرف خان اور بالے کے چہروں پر نقلی مونچھوں کا اضافہ ہوا تھا اور شباہت تینوں کی بدل گئی تھی۔

اس کام سے فارغ ہو کر وہ اس الاؤ کے گرد بیٹھ گئے۔ الاؤ کے سرخ شعلوں کی لرزتی روشنی میں ان کے چہرے کافی بھیانک معلوم ہو رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سرخ کے تین بت تراش کر ایک آتش کدے کے گرد رکھ دیے گئے ہوں۔ وہ اپنے خیال میں گم ساکت و سامت بیٹھے تھے۔

''یہاں تو ہم اور بھی آسانی سے کسی حملے کی زد میں آ سکتے ہیں۔'' بالے نے بالآخر اس سوہانِ روح سکوت کو توڑا۔

''ہم یہاں ہوں گے، یہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگا۔ ویسے ہمیں وہ اس بھیس میں راستہ بھٹک جانے والے شکاری سمجھ کر نظر انداز بھی کر سکتے ہیں۔'' خان نے کہا۔

''لیکن اب ہم کریں گے کیا؟''

''میں ان شعلوں کی کہانی کی تصدیق کرنا چاہتا ہوں۔''

''تو اتنی سی بات کے لیے جنگل جنگل کی خاک چھانی جا رہی ہے؟''

''یہاں خاک ہے کہاں جوتم چھانو گے۔''

''کیا کسی کو بھی وہ مقام معلوم نہیں، جہاں اگیابیتال کے پجاری دراوڑوں کی بستی ہے؟'' رؤف نے بھی ایک سوال کر ڈالا۔

''نہیں۔ وہ بستی آج تک ایک راز ہی رہی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ پہلے دراوڑوں کے وجود اور عدم وجود پر کوئی توجہ ہی نہیں دی گئی، لیکن وہ کہیں بھی ہوں، پال گیری کی حدود سے باہر نہیں ہو سکتی۔'' خان نے بتایا اور پھر وہ خاموش ہو گئے۔

رات بتدریج ڈھل رہی تھی، تاریکی کی گھٹن بڑھی جا رہی تھی اور اسی کے ساتھ ساتھ جنگل کے پرہول سکوت میں درندوں کی خوفناک آوازیں پھیلتی جا رہی تھیں۔ کوئی شیر کہیں قریب ہی ڈکاریں لے رہا تھا اور کہیں دور سے بھیڑیوں کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ پھر انھوں نے نہیں قریب ہی چٹ پٹ کی آواز سنی اور نظر گھماتے ہی وہ چونک پڑے۔ ان سے تقریباً پچاس قدم کے فاصلے پر ہی ایک جھاڑی کے نیچے ایک لکڑ بھگا کھڑا انھیں گھور رہا تھا۔

''ابے بھاگ۔'' بالے نے ایک خشک لکڑی اس کی طرف پھینکتے ہوئے چیخ کر کہا۔ اور واقعی وہ بے طرح بھاگ اٹھا۔

''بڑے بہادر ہو۔'' رؤف نے آہستہ سے کہا۔

''تمہاری مونچھوں کو شرم آنی چاہیے۔'' بالے یہ کہہ کر پھر پتھر کے تکیے سے ٹک گیا۔

پھر انھوں نے ایک اور دل دہلا دینے والا منظر دیکھا۔ الاؤ سے پھیلنے والی شعلوں کی روشنی میں انھیں داہنی سمت کی جھاڑیوں کے اس پار ایک چکارا بھاگتا ہوا نظر آیا۔ وہ بے تحاشا اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ رہا تھا اور ایک بالوں والا شیر برق رفتاری سے اس کا پیچھا کر رہا تھا۔

''مدد کروں مظلوم کی؟'' بالے نے رائفل سنبھالتے ہوئے خان سے پوچھا۔

''فضول ایموشن برباد نہ کرو۔ یہاں تو دن رات قدرت کا یہی نظام چلتا ہے۔ ہر

طاقتور کمزور کا خون پی جاتا ہے، تم کس کس کی مدد کرتے پھرو گے۔''

''میں یہاں ایک والنٹیئر کور قائم کر دونگا۔''

'' بکو مت، نیند آ رہی ہو تو سو جاؤ۔''

''نیند... ہائے، نیند کس کمبخت کو آتی ہے۔ وہ جو کہا ہے کسی نے کہ:

نیند سولی پہ بھی آ جاتی لیکن اے عبدالرؤف غم

حجرے میں ان کے بھلا کس کو کہاں کیسی نیند

''حجرے میں نہیں، حجر میں۔'' رؤف نے گویا تصحیح کی۔

''میں بھی شاعری جانتا ہوں، رؤف بھائی۔ نیند حجر کے اندر کیسے گھس جائیگی۔ حجرہ تو کوئی چیز بھی ہے۔''

''اب تم سے کون بحث کرے۔'' رؤف جھنجلا گیا۔

''جو پڑھا لکھا ہو۔ تمہاری طرح لنگڑی شاعری تو شوکت بھی کر لیتا ہے اور صاحب کیا دیکھیں گے، وہ تو خود شاعری کے معاملے میں بالکل کنوارا ہے۔ آئی ایم ساری، کورے ہیں۔''

''بالے۔'' خان نے اس کی طرف دیکھا۔

''پولیس ڈپارٹمنٹ کا معاملہ نہیں، شاعری پر ریسرچ ہو رہا ہے۔ ایک مطلع عرض ہے۔''

''میں مطلع عرض کروں تمہاری کھوپڑی کا؟''

''خدا قسم آپ بالکل وہ ہیں کہ نام سے کہ، جلاب۔ لاحول ولاقوۃ، جلاد، جلاد۔''

رؤف نے اپنی ہنسی روکنے کے لیے منہ پھیر لیا اور خان نے جو خشک شاخ اس پر کھینچ کر ماری، وہ اس کے زمین پر جھک جانے سے الاؤ میں جا گری۔

خان کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھنے لگا۔ اب رات کے ساڑھے ا بج رہے تھے

اوراس وقت تک ان کے ساتھ اس بھیانک اور ویران مقام پر کوئی نیا واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔

''آپ اجازت دیں تو ایک آدھ واقعہ میں پیدا کروں؟'' بالے اس خاموشی سے اکتا کر بولا۔

''کیا مطلب؟'' خان نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''ملاحظہ ہو۔'' یہ کہتا ہوا وہ اٹھ کھڑا ہو گیا اور آسمان کی طرف منہ کر کے اس نے حلق سے سیاروں جیسی آوازیں نکالنی شروع کر دیں۔ جانوروں کی آوازوں کی اسے خاصی مشق تھی، بلکہ ان کی نقل پر عبور حاصل تھا۔ جنگل کے سناٹے میں اس کی آواز دور دور تک پھیل گئی۔ خان اسے دلچسپ نظروں سے دیکھ رہا تھا، لیکن وہ اس کا ردِ عمل دیکھ کر چونک پڑے، کیونکہ ویسی ہی آوازیں اس کے جواب میں جنگل کے دوسرے حصوں سے بھی سنائی دینے لگی تھیں۔

''شاید سیاروں نے اپنے ہم جنس کی پکار سن لی ہے۔'' رؤف نے فقرا چست کیا۔

لیکن اس بار بالے نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ برابر چیختا ہی رہا۔ خان نے اسے ڈانٹا بھی، لیکن اس کی حرکت جاری رہی۔ پھر وہ سانس لینے کے لیے رک گیا۔ لیکن وہ منظر حیران کن تھا، جب چند لمحوں کے بعد انھیں چاروں طرف جھاڑیوں کی اوٹ سے سیاروں کی آنکھیں چمکتی نظر آئیں۔ اور پھر کئی سیار جھاڑیوں سے نکل کر سامنے بھی آ گئے، لیکن اسی وقت خان نے ایک جلتی ہوئی لکڑی ایک جھاڑی کی طرف پھینک دی اور وہ سب کے سب بھاگ کھڑے ہوئے۔

اچانک دور آسمان میں ایک چمک سی پیدا ہوئی اور جیسے کوئی ستارا ٹوٹا ہو، پھر اس کی روشنی معدوم ہو گئی۔

''شاہ کا سگنل ہے، بالے تم بھی جواب دے دو۔'' خان نے ہدایت کی۔

''اور جو دشمن نے دیکھ لیا تو؟'' بالے نے پوچھا۔

''اوّل تو سمجھ نہ سکیں گے، اور سمجھ لیا تو اور بھی اچھا ہے۔ کوئی سامنے تو آئے۔'' خان

نے کہا۔

چنانچہ بالے نے اپنی کمر سے ایک بچوں کے کھلونوں جیسی ساخت کا چوڑا سا ریوالور نکال کر آسمان کی طرف اس کی نال کا رخ کر کے فائر کر دیا۔اس میں سے صرف کٹ کی سی ایک ہلکی آواز نکلی اور پھر دور اوپر آسمان میں ویسا ہی ایک ستارہ نمودار ہو کر پھوٹا، روشنی ہوئی اور معدوم ہو گئی۔اس کے بعد پھر وہ خاموشی سے الاؤ کے گرد بیٹھ گئے۔

ان کی کلائی کی گھڑیاں اب ساڑھے ۱۲ بجا رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

روحوں کا غار

ابھی ایک بجنے میں تقریباً ۲۰ منٹ باقی تھے کہ اونگھتے اونگھتے رؤف چونک پڑا۔

''صاحب، وہ دیکھیے۔'' اس نے خان کو مخاطب کیا۔

''بالے، اٹھو، جلدی کرو۔'' خان نے بالے کو جھنجھوڑا۔ وہ الاؤ کے پاس ہی گھاس پر سو گیا تھا۔

''ہم خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہیں۔'' بالے آنکھیں بند کیے ہوئے بولا، لیکن دوسرے لمحے ہی ان کے چند قدم کے فاصلے سے ہی روشنی کا ایک جھماکا ہوا اور بالے کی عاقبت بھی روشن ہو گئی۔ وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ جلتا بجھتا ہوا شعلے کا ایک بھپکا ان کے سامنے سے گزرتا شمالی سمت کی جھاڑیوں سے ہوتا ہوا دور چلا گیا۔ وہ ابھی اسے دیکھ ہی رہے تھے کہ ان کے عقب میں جنوب کی سمت سے ویسا ہی دوسرا شعلہ نمودار ہوا۔ اس کا بھی رنگ زرد تھا۔ خان اس دفعہ خاموش کھڑا نہ رہ سکا۔ اس نے ایک خشک پتیوں والی ٹوٹی ہوئی شاخ اٹھائی اور تیزی سے آتے ہوئے شعلے کی طرف دوڑا۔ پھر وہ اندازے کے مطابق اس کے گزرنے کے امکانی راستے سے کچھ دور ٹھہر گیا۔ شعلہ جیسے ہی اس کے سامنے سے چمک کر گزرا، اس نے وہ شاخ اس پر کھینچ ماری۔ شاخ شعلے کی روشنی سے گزر کر دوسری طرف جا گری، لیکن اس پر کوئی ردِعمل نہیں ہوا۔

''یہ فاسفورس کے شعلے ہیں۔ یہیں قریب یا تو کوئی ایسا غار ہو گا جہاں جانوروں کے پرانے ڈھانچے جمع ہوں یا پھر مرگھٹ یا قبرستان وغیرہ۔'' وہ بڑبڑایا۔

''مرگھٹ یا قبرستان اور یہاں؟'' بالے نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔

''تم یقین مانو یا نہ مانو، لیکن کہیں قریب کسی نشیب یا گھاٹی میں یہاں کوئی آبادی

ضرور ہے۔"

"ایسا سوچنے کی وجہ؟"

"درندوں کی اس مقام سے دوری اور تمہارا سیاروں والا تجربہ۔ یہ سیارآبادی سے زیادہ دور نہیں رہتے اور گھنے جنگلوں میں جہاں خوفناک درندوں کا مسکن ہوتا ہے، انھیں تم مشکل سے ہی پاؤ گے۔"

"مجھے تو یونہی ترنگ آ گئی تھی۔ میں نے تجربہ تھوڑی کیا تھا۔" بالے نے کہا۔

"بعض اوقات حماقتیں بھی سنجیدہ نتائج لے آتی ہیں۔"

"میں انھیں منع کر دونگا۔"

لیکن گفتگو یہیں تک پہنچی تھی کہ شعلے پھر جنوبی سمت سے نمودار ہوئے اور وہ چونک پڑے۔ لیکن اس بار ان کی لپک پہلے سے تیز تھی۔ شاید یہ ہوا کہ تندی کا اثر ہو۔ وہ اب لاپرواہی سے کھڑے ہو گئے تھے۔ ایک زرد شعلہ اور ان کے قریب سے گزر گیا اور اس بار تو بالے نے حماقتاً اپنا ہاتھ ہی اس کے سامنے کر دیا، لیکن شعلے میں تمازت نہ تھی، وہ ہوا کے ہر جھونکے کے ساتھ جلتا بجھتا ہوا کے ساتھ ہی جا رہا تھا۔

اچانک خان نے رؤف اور بالے کی گردن میں ہاتھ دیے اور انھیں لے کر زمین پر گر پڑا۔

"خیر تو ہے، آپ دشمنوں میں سے تو نہیں؟"

لیکن جنوب سے آنے والے اس نئے شعلے کی چمک نے بالے کو بھی چونکا دیا۔ یہ ان شعلوں سے مختلف تھا۔ اس کی روشنی سفید بلکہ کسی قدر نیلگوں تھی اور اس میں چمک بہت زیادہ تھی، کیونکہ اس خطے میں جھاڑیاں چھوٹی اور نیچی اور درخت اونچے تھے، اس لیے شعلے کی زد میں کھلی فضا پڑتی تھی۔ پھر بھی آگے جا کر یہ شعلہ ایک پتلے درخت کے تنے سے ٹکرا گیا۔ اور پھر پھیل کر اس کے دونوں طرف تقسیم ہوتا ہوا آگے نکل گیا۔

چند سیکنڈ بعد انھوں نے جو کچھ دیکھا، وہ حیران کن تھا۔ وہ درخت کے تنے کے اس حصے سے ٹوٹ کر زمین پر آ رہا۔ خان دوڑ کر قریب پہنچ گیا اور ٹارچ کی روشنی میں انھوں نے دیکھا کہ تنا اس جگہ سے جل کر کوئلہ ہو چکا تھا۔

''یہی حشر ہمارا بھی ہوا ہوتا، بالے صاحب۔ کیونکہ یہ فاسفورس نہیں ہے۔'' خان بولا۔

''تو فیٹا غورث ہوگا نہیں، راجہ پورس۔'' بالے نے بکنا شروع کیا۔

''چپ رہو۔'' خان اسے گھورنے لگا۔ ''چلو اٹھاؤ سامان۔''

انھیں کٹ وغیرہ سمیٹنے میں بمشکل دو منٹ لگے۔ اس کے بعد وہ خان کی رہنمائی میں جنوب کی سمت بڑھنے لگے۔

''آپ مانیں یا نہ مانیں، مگر بیتال کو اس سرزمین پر ہمارے ناپاک قدم آنے کی خبر ہو گئی ہے۔'' بالے نے رائے دی۔

''ناپاک ہوں گے کہنے والے۔'' رؤف سے نہ رہا گیا۔ وہ دبی زبان سے بالے کو سنانے کے لیے بولا۔

''ارے میں اس دیوتا کے آن بی ہاف عرض کر رہا ہوں، مسٹر گینڈا سنگھ۔ اس کے نزدیک ہم ناپاک ہیں اور پاک اور ہمارے نزدیک وہ ناپاک ہے، ہم پاک، جبکہ علم الحساب کی مد سے دونوں ناپاک۔''

''لاحول ولاقوۃ۔'' رؤف جھنجلایا۔

''سیدھی سی بات ہے، پاک جمع پاک، برابر ناپاک۔''

''خاموشی سے چلو، اب احتیاط کی ضرورت ہے۔'' خان نے پلٹ کر اسے ڈانٹا۔

اور واقعی بالے کو سنجیدگی کے ساتھ شٹ اپ ہونا پڑا۔

شعلے اب بھی تھوڑے تھوڑے وقفے سے نظر آتے۔ جب ہوا کے جھکڑ تیز چلتے تو وہ

ایک کے بعد ایک اڑتے نظر آتے ۔اور یہی چیز ان کی رہنمائی کر رہی تھی ۔لیکن وہ تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ انھوں نے پیچھے اس مقام پر جھاڑیوں اور درختوں میں آگ لگی دیکھی، جہاں انھوں نے الاؤ جلایا تھا۔یہ آگ یقیناً الاؤ کی لگائی ہوئی تو نہ تھی۔

''یہ آگ ہوا کے رخ پر پھیلے گی۔میرا خیال ہے یہ ہمیں گھیرنے کے لیے ہی لگائی گئی ہوگی۔''خان نے کہا۔

''کمال ہے،اب آپ کو فاسفورس کے شعلوں میں بھی جرم نظر آنے لگے۔''

''گدھے،نیلگوں شعلے فاسفورس کے نہیں ہیں۔''

''تو پھر وہ کسی نازک اندام مردے کے نیلے فراک سے نکلے ہونگے۔''

''بکومت۔''

وہ شعلوں کی زد سے کافی دور رہ کر کتراتے ہوئے جنوب کی طرف بڑھتے رہے۔ ہوا کے چیختے جھونکوں کے ساتھ یہ آوارہ شعلے بڑھے تو شمال ہی کی طرف،لیکن ان کی اڑان زمین سے تقریباً پانچ چھ فٹ اونچی اور کبھی دس پندرہ فٹ اونچی ہو جاتی۔وہ دائیں بائیں لہراتے ہوئے اڑ رہے تھے۔اس لیے ان کی صحیح زد کا تعین کرنا بھی مشکل تھا۔کبھی کبھی تو بھٹک کر ان کا رخ شمال سے شمال مشرق یا مغرب کی طرف بھی ہو جاتا تھا۔

وہ ایک غار کے دہانے پر پہنچ کر رک گئے۔پہلے خان نے ایک چھوٹا سا پتھر لڑھکا کر یہ دیکھنے کی کوشش کی کہ یہاں کوئی ذی روح موجود ہے یا نہیں،لیکن جب کوئی آہٹ نہ ملی تو وہ اور قریب پہنچ گئے۔شعلے اسی غار کے دہانے سے نکل رہے تھے۔

''اس غار کا یقیناً اور راستہ بھی ہوگا۔''خان سوچتا ہوا بولا۔

''اور اگر اسی طرف سے داخل ہونے کی کوشش کی جائے؟''بالے چونکتے ہوئے بولا۔

''تو کفن دفن کا بھی انتظام نہ ہو سکے گا۔''

''فرض کی راہ میں شہید ہونے والوں کو اس کی ضرورت بھی نہیں۔'' بالے نے اکڑ کر خم ٹھونکتے ہوئے کہا۔

''تو جایئے، مقبرہ بھی یہیں بنوا دیا جائے گا۔'' خان جل کر بولا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' وہ کسی کی آہٹ پر چونکتے ہوئے بولا۔

ہدایت پاتے ہی بالے نے زمین پر لیٹ کر ایک کان لگا دیا۔ بہت خفیف سی دھمک اسے بتدریج بڑھتی سنائی دے رہی تھی، جیسے کہیں آس پاس ہی کوئی آہستہ آہستہ چل رہا ہو۔

''کوئی ہے۔'' اس نے سرگوشی کے لہجے میں کہا اور خان اور رؤف نے ریوالور نکال لیے۔

''وہ...وہ رہا۔'' رؤف اندھیرے میں ایک طرف گھورتے ہوئے چونک کر بولا۔

خان بھی دیکھنے لگا۔ ایک سایہ سا آہستہ آہستہ اس غار کی طرف حرکت کر رہا تھا۔ خان نے رؤف کو وہیں روک دیا اور بالے کو ساتھ لے کر اندھیرے میں غار کی داہنی سمت سے دھیرے دھیرے آگے کھسکنے لگا، لیکن آنے والے کو شاید کسی ان ہونی کی توقع نہ تھی، یا پھر وہ ہر خیال سے بے نیاز تھا۔ خان نے دیکھا وہ گھوم کر اب غار کے دہانے کی طرف ہی آ رہا تھا۔ اور جس وقت وہ غار کے دہانے پر پہنچا، حیرت و خوف سے رؤف کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ وہ یقیناً انسان تو نہ تھا۔ سرتاپا سیاہ وجود اور اس کے چہرے پر چمکتی ہوئی وہ خوفناک زرد آنکھیں۔ وہ آہٹ پا کر گھوم کر دیکھنے لگا اور اس کی آنکھوں کی چمک دیکھتے ہی رؤف کے رنگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس کے خوفناک چہرے پر جبڑے لٹکے ہوئے اور دانت باہر تھے۔ اس کا سر لمبا تھا اور اس کے کان دونوں طرف سے اوپر کی طرف مڑے تھے۔ اندر سے نکلتے ہوئے نیلگوں شعلے نے اسے کوئی گزند نہیں پہنچایا، بلکہ وہ یہ دیکھ کر اور سناٹے میں آ گئے کہ اس کے ہاتھ پیر انسانوں کی طرح ہوتے ہوئے بھی نیچے پھیلے ہوئے اور لمبے ناخنوں والے کسی درندے سے مشابہ تھے۔ نہ جانے اس وقت بالے کو کیا سوجھی کہ خان کا اشارہ پائے بغیر اس نے اس پر فائر کر دیا۔

فائر اگرچہ سائلنسر والی بے آواز رائفل سے کیا گیا تھا، لیکن وہاں تو پتا بھی نہ چلا کہ کچھ ہوا ہو۔ وہ اسی طرح غار کے دہانے میں کھڑا جانوروں کی طرح ناک اونچی کر کے ہوا میں بو سونگھنے لگا۔ پھر اچانک اس کے منہ سے ایک بڑی خوفناک آواز نکلی، جسے سن کر خان جیسا مضبوط آدمی بھی کسی نامعلوم احساس سے لرز سا گیا۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے اس کا جسم اب پھولنا اور بڑھنا شروع ہو گیا تھا۔

''یا الٰہی، یہ ماجرا کیا ہے۔'' بالے حیرت سے بولا۔

''اگیابیتال۔'' خان کے منہ سے نکلا۔

''باپ رے، تو پھر بھاگیے نا یہاں سے۔ اس بھوت سے کون مقابلہ کرے گا۔''

''بھوت نہیں، وہ درواڑوں کا دیوتا ہے۔'' خان نے وہیں جمے ہوئے جواب دیا۔

''کیا آپ نے دیکھا ہے کبھی بھوت؟''

''میں اس بکواس کو نہیں مانتا۔''

''آنکھوں دیکھا تو ماننا پڑے گا۔''

''چپ رہو۔'' خان نے اسے ڈانٹ دیا۔ وہ نہ جانے کیا سوچ رہا تھا۔

اگیابیتال کا سرخ جسم پھر رنگت بدل رہا تھا۔ اب وہ کسی شیشے کے پتلے کی طرح روشن ہو رہا تھا۔ اس کا جسم پھول کر اور بڑھ گیا تھا۔ اس کے روشن جسم کے ہالے میں آس پاس تقریباً پانچ پانچ قدم تک روشنی پھیل رہی تھی۔ وہ اسی طرح ہوا میں ناک اٹھائے کچھ سونگھتا رہا۔ پھر اس نے اپنی دونوں مٹھیاں بھینچ کر کھول دیں اور حلق پھاڑ کر انگڑائیاں لینے لگا۔ اس کے حلق سے بھیانک گونجتے قہقہے نکل رہے تھے، لیکن اس سے زیادہ حیرتناک بات یہ تھی کہ ان قہقہوں کے ساتھ اس کے منہ سے آگ کے شعلے بھی بھڑ بھڑاتے ہوئے باہر آ رہے تھے۔ وہ اس قدر خوفناک معلوم ہو رہا تھا کہ رؤف تو بے اختیار دعائیں پڑھنے لگا تاکہ اس کا خوف اس پر غالب نہ آ سکے، لیکن اس کے باوجود اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ ارواح خبیثہ کا قائل ضرور

تھا،لیکن زندگی میں کبھی کسی سے اس کا سامنا نہیں ہوا تھا۔بالے نے اس وقت تک کٹ بیگ سے برین گن نکال کر فٹ کر لی تھی۔وہ خان کے اشارے کا منتظر تھا۔

''میں پھر یہی کہونگا کہ یہ خبیث روحوں کا چکر معلوم ہوتا ہے، یہاں سے نکل چلیے۔'' بالے نے ایک بار اور اپنی رائے دی۔

''میں کہہ چکا ہوں کہ میں ان حماقتوں کا قائل نہیں۔'' خان نے اسے جھڑک دیا۔

''تو میں چلاتا ہوں گولیاں اس پر۔ممکن ہے پہلا نشانہ خطا ہو گیا ہو۔'' یہ کہتے ہوئے بالے نے خان کی خاموشی کو ہی حکم سمجھ کر ٹریگر دبا دیا۔اگیابیتال پر گولیوں کی بارش ہونے لگی، لیکن وہ اسی طرح کھڑا قہقہے لگاتا رہا۔

''میں تمہاری بھینٹ لونگا۔'' اچانک اس کے حلق سے کھنکتی خوفناک آواز نکلی۔اور رؤف کو رعشہ سا آ گیا۔وہ اور تاریکی میں کھسک کر ایک چٹان سے ٹک گیا اور لمبی لمبی سانسیں لینے لگا،لیکن مردِ آہن کی طرح خان اپنی جگہ جما کھڑا تھا۔وہ اب تک تاریکی میں ہی تھے۔ حالانکہ برین گن کے شعلوں نے تھوڑی دیر کے لیے انھیں اجاگر کر دیا تھا۔

''یہ اس طرح نہیں مرے گا، بیٹے۔'' خان نے بالے کو روک دیا۔

''پھر کیا اس کی جان کسی طلسم میں ہے؟''

''شاید۔'' خان یہ کہہ کر خاموش ہو رہا۔اور بالے کو کچھ نہ سمجھ کر خاموش ہونا پڑا۔اگیا بیتال اپنے روشن اور خوفناک جسم کے ساتھ غار میں داخل ہو گیا۔اس کے اندر جاتے ہی غار سے شعلے نکلنا بند ہو گئے اور چاروں طرف پر ہول تاریکی مسلط ہو گئی۔یہ تاریکی اس قدر گہری تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔

''اب کیا کریں گے آپ؟''

''ہم اس غار میں داخل ہونگے۔'' خان نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''ذرا ٹھہریے۔''

Akram Allahabadi

''کیوں؟''

''میں اپنی ماں سے دودھ بخشوا کر آتا ہوں۔''بالے نے قدم بڑھایا ہی تھا کہ خان نے گریباں سے غار کے دہانے کی طرف دھکیل دیا۔''اب آگے تم ہی چلو گے۔''خان نے کہا۔

''آپ مجھے ڈھال بنا رہے ہیں؟''بالے وہیں پسر کر بیٹھ گیا۔

''تو مرو یہیں، احمق۔''خان یہ کہہ کر خود دہانے کے کنارے پہنچ گیا۔بالے کے سارے نخرے ہوا ہو گئے۔وہ اسے تنہا بڑے خطرے میں کودتا نہیں دیکھ سکتا تھا۔رؤف اس وقت واقعی خوفزدہ تھا، لیکن ہمت کر کے وہ بھی ان کے پیچھے آ گیا۔البتہ وہ اب بھی زیرِلب کوئی دعا یا وظیفہ پڑھ رہا تھا۔اس وقت کے حالات خان کے لیے بھی کچھ عجیب سے تھے۔وہ خود صحیح طور پر کسی نتیجے پر پہنچ نہیں سکا تھا، لیکن نہ تو وہ خوفزدہ تھا نہ فکرمند۔اس وقت بھی وہ ہمیشہ کی طرح مطمئن اور تازہ دم نظر آ رہا تھا۔

وہ کھسکتا ہوا دہانے پر پہنچ گیا۔اس نے جیب سے ایک عجیب وغریب چیز نکالی جسے بالے نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔یہ بطخ کے پنجوں جیسا ایک اسپرنگ دار کلیمپ سیٹ تھا۔خان نے اس میں لگی ہوئی چابی کو گھما کر ٹائٹ کر دیا اور پھر اسے ہاتھ بڑھا کر غار کے اندر پھینک دیا۔اس کے گرنے کی بہت خفیف سی آواز انھیں سنائی دی، لیکن اس کے فوراً بعد ہی بالے اور رؤف غار کے اندر کسی کے آہستہ قدموں چرچراہٹ سن کر چونک پڑے۔

''اندر کوئی چل رہا ہے۔''بالے نے خان کو بتایا۔

''چلنے دو۔''خان نے لاپروائی سے کہا۔

یہ آواز چند سیکنڈ تک سنائی دیتی رہی، پھر رک گئی۔پھر سنائی دی، پھر رک گئی۔خان غار کے دہانے سے چپکا کھڑا رہا۔اور بالے اور رؤف حیران تھے کہ وہ اندر کسی کے چلنے کی آہٹ سن کر بھی خاموش کیوں ہے۔تقریباً دو منٹ تک خان اسی طرح کھڑا رہا، پھر اس نے بالے کو پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور رؤف کو دہانے پر ہی روک دیا۔دونوں غار میں داخل ہو گئے۔

Akram Allahabadi

انھوں نے ٹارچوں کی روشنی میں دیکھا یہ غار اندر سے کافی بڑا اور قدرتی طور پر تراشیدہ تھا۔ اندر چٹانوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے۔ ایک بار بالے زور سے اچھل پڑا۔ خان مسکرا دیا۔

''کیوں ڈر گئے؟''

''یہ ڈھانچے۔'' بالے نے روشنی میں زمین کی طرف اشارہ کیا۔ یہاں ہڈیوں کے کئی انسانی پنجر بے ترتیبی سے پڑے ہوئے تھے۔ کس کی کھوپڑی الگ تھی، کسی کے ہاتھ پیر۔ یہ بڑا بھیانک منظر تھا۔

''ہم ضرور اگیا بیتال کے دند میں پھنس گئے ہیں۔'' بالے نے کہنا چاہا۔

''ہاں۔ یہ اور یہ ڈھانچے بتا رہے ہیں کہ یہاں آنے والوں کا یہی حشر ہوا کرتا ہے۔'' خان نے ٹارچ کی روشنی غار کی چھت پر ڈالتے ہوئے کہا۔ غار میں کسی ذی روح کا نام و نشان تک نہ تھا۔ نہ ہی انھیں سوائے خس و خاشاک بار ان ڈھانچوں کے سوا کوئی دوسری چیز نظر آئی۔ البتہ کوئی چیز اگر قابلِ توجہ ہو سکتی تھی تو ایک قدِ آدم پتھر کا بت، جو یقیناً اگیا بیتال کا تھا۔ اس کی شکل بھیانک اور کان لمبے اور اوپر کی طرف اٹھے ہوئے تھے۔ اس کا ایک ہاتھ آگے کی طرف بڑھا ہوا تھا۔

''ہیلو، ہاؤ یو ڈو، مسٹر بیتال؟'' بالے نے موڈ میں آ کر اس کے ہاتھ میں ہاتھ دیتے ہوئے مصافحہ کرنا چاہا، لیکن دوسرے ہی لمحے تین چار فٹ دور زمین پر پڑا ہوا تھا۔

''کیا ہوا؟'' خان نے پلٹ کر حیرت سے پوچھا۔

''خدا جانے، بس ہاتھ ملاتے ہی سالے نے پھینک دیا۔''

''اوہ۔'' خان نے یہ کہہ کر دوسری جیب سے انسولیٹڈ دستانہ نکالا اور ہاتھ میں پہنتے ہوئے خود اس بت کو ٹٹولنے لگا۔ کوشش بے سود رہی، کیونکہ نہ تو وہ بت دیوار سے علیحدہ ہو سکتا تھا نہ اس کا کوئی عضو ڈھیلا یا میکانیکل تھا۔ پھر اس نے ایک پتھر سے ٹھونکا تو اس میں سے کسی تانبے

کے وزنی برتن جیسی آواز نکلنے لگی۔

''یہ بت پتھر کا نہیں، پیڑ کا ہے۔'' خان نے کہا۔''اور اس میں برقی کرنٹ موجود ہے۔''

''برقی کرنٹ؟'' بالے چونکا۔''یہاں...مگر سمجھ میں نہیں آتا کیسے؟ کہیں سے اس کا کوئی تعلق بھی تو نہیں۔نہ یہاں برقی قوت کے فراہم ہونے کے کوئی امکانات نظر آتے ہیں۔''

''یہ ریڈیو ایکٹیو تو نہیں ہے؟'' بالے بولا۔

''گھاس چر گئے ہو کیا؟''

''وہ بھی مل جاتی تو غنیمت تھا، اپنی آنتیں تو اب فاتحہ پڑھ رہی ہیں۔''

مگر اسی وقت ایک عجیب سی آواز نے انھیں چونکا دیا۔خان اس بت کی طرف دیکھنے لگا۔اس کی بے جان آنکھوں میں ایک سرخ سی چمک پیدا ہو چکی تھی۔پھر آہستہ آہستہ اس کا دہانہ کھلنے لگا اور اس میں سے کاسنی رنگ کے شعلے نکلنا شروع ہو گئے۔

''بھاگیے۔'' بالے چیخ کر دہانے کی طرف دوڑا۔

''بیوقوف۔'' خان نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔''ان ہی شعلوں کی زد میں جا رہے ہو، مرنا ہے کیا؟''

''پھر کیا کریں گے؟'' بالے نے بے بسی سے کہا۔مگر خان کا خیال غلط نکلا۔بیتال کے منہ سے اب شعلوں کی بجائے سفید سفید دھواں نکلنا شروع ہو گیا تھا۔وہ اتنا تیز اور بہت سا نکل رہا تھا، جیسے کسی لیور پائپ کے دہانے سے آگ بجھانے کا پانی۔اسی وقت باہر سے چیخ سنائی دی۔وہ زمین پر گر کر دہانے کی طرف دیکھنے لگے۔لیکن راہ میں پڑے ہوئے ڈھانچوں کے اوپر سے گزرنے میں بالے کو ایک عجیب سی دہشت معلوم ہونے لگی۔باہر اب کچھ عجیب سا شور سنائی دینے لگا تھا، جیسے لاتعداد شہد کی مکھیاں بھنبھنا رہی ہوں۔مگر بالے کے منہ سے حیرت و خوف سے چیخ نکل گئی، جب اس نے وہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔خان دہانے تک پہنچنے کے لیے رینگتا ہوا ایک مردہ ڈھانچے کے اوپر گزر رہا تھا کہ اچانک اس ڈھانچے میں حرکت پیدا

ہوگئی۔اس کے دونوں ہاتھ اٹھے اور انھوں نے خان کو اپنی باہوں میں کس لیا۔خان نے بہت زور لگایا، لیکن مردہ ہڈیوں کی گرفت جیسے فولاد کا شکنجہ تھی۔وہ اس کی گرفت سے آزاد نہ ہوسکا۔ بالے گھبرکر کھڑا ہوگیا۔لیکن اس وقت تک پورا غار ایک سفید سے دھوئیں سے بھر چکا تھا۔یہ دھواں اس کی ناک میں بھی گھسے بغیر نہ رہا۔اس کی نظروں میں اندھیرا چھانے لگا اور پھر وہ لہرا کر گر پڑا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

جنگلی قوم

اس کی جب آنکھ کھلی تو منظر اور حیرتناک تھا۔ وہ اسی غار میں تھے اور پورے غار میں کسی جانور کی چربی سے جلنے والی مشعلوں کی چراند پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے دیکھا خان بھی ہوش میں آچکا تھا، لیکن اس کے ہاتھ اور پیر چمڑے کے باریک تسموں سے بندھے ہوئے تھے۔ یہی حشر خود بالے اور رؤف کا تھا۔ رؤف کے چہرے اور جسم پر کچھ زخم بھی تھے اور کپڑے پھٹ گئے تھے۔ اس کا کٹ ایک سیاہ فام آدمی کے قبضے میں تھا۔

ایک تنومند دیو قامت سیاہ آدمی، جس نے جسم پر زرد رنگ کا اور سیاہ بوٹوں والا کپڑا کمر تک لپیٹ رکھا تھا، اگیابیتال کے بت کے سامنے جھکا ہوا تھا اور غار میں چاروں طرف سیاہ فام زرد لنگوٹوں والے خوفناک شکلوں کے آدمی پھیلے ہوئے تھے، لیکن یہ بھیل نہ تھے۔ بھیلوں کو تو بالے دیکھ چکا تھا۔ اتنے میں وہ دیو قامت آدمی اٹھ کھڑا ہوا اور ان تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی بھیانک آواز میں اپنے ساتھیوں سے کچھ بولا۔ یہ زبان بھیلوں کی زبان سے مختلف تھی۔ بالے نے استفہامیہ نظروں سے خان کی طرف دیکھا۔

"یہ دراوڑ ہیں۔ ان کا سردار اپنے آدمیوں کو حکم دے رہا ہے کہ دیوتا کی مرضی کے مطابق ان قیدیوں کو پوجا کے میدان میں دیوتا کی بھینٹ چڑھایا جائے گا، انھیں لے چلو۔"

خان نے سچ کہا تھا۔ وہ ان قبائلی زبانوں سے واقف تھا۔ ان تینوں کو گھیرے میں لے لیا گیا۔ اور وہ انھیں لے کر غار سے باہر نکل آئے۔ رات اب نصف سے زیادہ ڈھل چکی تھی۔ شاید دو یا تین بج رہے ہوں گے۔ لیکن بالے نے محسوس کیا کہ اگر وہ جدوجہد کرے تو کم از کم ایک ہاتھ آزاد ہو سکتا ہے۔ ایک اس لیے کہ ان کے ہاتھوں کو تسمے باندھنے کے بعد اسی تسمے کو کمر سے بھی کس دیا گیا تھا۔

بہر حال چند قدم ہی چلنے میں اس نے ایک ہاتھ اتنی آہستگی سے آزاد کرلیا کہ کسی کو شبہ بھی نہ ہوسکا۔ وہ اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا۔ مگر جیبیں تو خالی تھیں، شاید ان کی تلاشی بھی لی جا چکی تھی۔ پھر اس کی نظریں دائیں بائیں چلتے ہوئے دراوڑوں پر پڑی اور یہ دیکھ کر اسے ہنسی آ گئی کہ اس کے ساتھ ہی چلنے والا ایک آدمی اس چوڑے پستول کو مختلف زاویوں سے سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا، جو بالے نے سگنل کے لیے استعمال کی تھی۔ اس نے وہ کیمرہ نما شے بھی دیکھی، جس کا استعمال اور سبب وہ خود بھی نہ جانتا تھا، لیکن جسے خان نے نہ جانے کہاں سے لے کر آیا تھا۔

"لاؤ میں چلا کر دکھاؤں۔" بالے نے اشارے سے اس آدمی سے کہا۔ اور وہ اس کا مطلب بھی سمجھ گیا۔ اس نے بیوقوفوں کی طرح وہ پستول اس کی طرف بڑھا دیا۔ شاید بے خیالی میں۔ دوسروں کا بھی دھیان بالے کے کھلے ہوئے ہاتھ کی طرف نہیں گیا۔ بالے نے ہاتھ اونچا کر کے ٹرائیگر دبا دیا۔ پٹ کی آواز ہوئی اور بس۔ بالے نے عقل مندی یہ کی کہ خود اوپر نہ دیکھا، ورنہ دوسرے بھی یا کم از کم وہ آدمی ضرور اوپر دیکھتا اور اس طرح اس پستول کا راز کھل جاتا۔

اونہونہہ، خراب ہوگئی ہے۔ نہیں چلے گی۔" یہ کہہ کر بالے نے وہ پستول اسے واپس کر دیا۔ اور دراوڑ محافظ اس وقت بھی اس کے کھلے ہوئے ہاتھ طرف دھیان نہیں دے سکا۔ بالے نے اس ہاتھ کو پھر بندھے ہوئے ہاتھ سے ملا لیا تھا۔

اچانک آسمان میں کسی تار کے ٹوٹنے جیسی روشنی پیدا ہوئی اور معدوم ہوگئی۔ ان لوگوں نے اوپر دیکھا اور کچھ نہ سمجھ کر پھر اسی طرح چلتے رہے۔ یا شاید وہ سمجھے ہوں کہ کوئی تارا ہی ٹوٹا ہے۔ ان آدمیوں کی کل تعداد پچاس سے زیادہ نہ رہی ہوگی، لیکن ان میں سے بعض کے کندھوں سے بندوقیں بھی لٹک رہی تھیں۔ باقی لوگ برچھیوں یا تیر و کمان سے مسلح تھے۔

ان کا رستہ مختلف تھا۔ وہ بجائے پلیٹو نما حصے کی طرف آگے بڑھنے کے پہاڑ کے مغربی ڈھلوان پر اترنے لگے۔ اس طرف جنگل اور گھنا تھا۔

Akram Allahabadi

بالے، خان اور رؤف چلتے چلتے قریب آ گئے تھے۔ان کے پیروں میں تسمے اب بھی بندھے ہوئے تھے، لیکن انھیں اس قدر ڈھیل دے دی گئی تھی کہ چلنے میں کوئی دقت نہ ہو۔ ابھی وہ پورا ڈھلوان اتر بھی نہ پائے تھے کہ اچانک ان میں سراسیمگی پھیل گئی۔ان کا آدمی ایک خبر لایا تھا کہ انھیں پولیس نے گھیر لیا ہے۔کچھ دیر تک وہ آپس میں سرگوشی سی کرتے رہے، پھر ان میں سے تین آدمی برچھے لے کر خان، بالے اور رؤف کی طرف بڑھے۔شاید وہ ان تینوں کو ختم کر کے راہِ فرار اختیار کرنا چاہتے تھے۔ان کا لیڈر خان کے نزدیک ہی چل رہا تھا۔وہ ان کا مطلب سمجھ گیا۔اس نے ہاتھ کے اشارے سے انھیں روکتے ہوئے کچھ کہا۔

''یہ کیا دوسرے طریقے سے اچار ڈلوائے گا ہمارا؟'' بالے نے خان سے پوچھا۔

''یہ کہہ رہا ہے کہ تینوں دیوتا پر ہی بھینٹ کیے جائیں گے۔مقدس کاہن کا حکم ہے۔'' خان نے کہا۔

چنانچہ یہ طے کیا گیا کہ ان تینوں کے منہ بھی بند کرے انھیں اٹھا کر راہِ فرار اختیار کی جائے اور اس میں شک نہیں کہ اس خوفناک جنگل کے ان پر پیچ اور پراسرار پہاڑی حصوں کے راستے اگر معلوم تھے تو ان ہی لوگوں کو، بلکہ شہر کے لوگوں کو تو یہ بھی خبر نہ تھی کہ ہندوستان کی یہ قدیم ترین قوم آج بھی اسی وحشی اور غیر ترقی یافتہ حالت میں اسی ملک کے کسی حصے میں بسی ہوئی ہے۔ان دراوڑوں کی سینکڑوں نسلیں گزر گئی تھیں، لیکن انھیں باہر کی دنیا سے ضد تھی اور جو ان کے انے گنے قبیلے کہیں شہریوں سے کسی طرح جا بھی ملے تھے، ان کی حالت میں بھی کوئی خاص فرق نہیں ہوا تھا۔وہ آج بھی اسی طرح پسماندہ اور غیر ترقی یافتہ تھے۔ان کی حیثیت اچھوتوں سے بدتر تھی، اس لیے کہ ہندوستان کا تفریق پسند مغرور سماج انھیں انسانوں کی حیثیت سے اپنے میں شامل نہیں کر سکا تھا۔وہ اپنے ان خود دار ہم قوموں سے بھی غیر ہو گئے تھے، جنہیں چھوڑ کر وہ مہذب انسانوں کی طرف آئے تھے۔ان نیم شہری نیم وحشی دراوڑوں کے لیے بھی پہاڑوں میں بسنے والے وہ پراسرار دراوڑ اب نامعلوم دنیا کے لوگ بن گئے تھے۔ایک بار جو

ان سے الگ ہو جاتا ،دوبارہ وہ انھیں کبھی ڈھونڈ نہ پاتا، اور اگر حد درجہ جانفشانی کے بعد وہ ان تک پہنچ بھی جاتا تو وہ غداری کے پاداش میں سزائے موت دیتے یا پھر اسے ہاتھ پیر توڑ کر اس قدر دور کر دیا جاتا کہ وہ ایک سامان کی گٹھری کی طرح ان کے ساتھ نقل و حرکت کرتا رہے۔اس کی بقیہ زندگی دوسروں کے رحم و کرم پر ہوتی۔ان کا سردار خود خان کی طرف بڑھا۔اس کے ہاتھ میں ایک چمڑے کا تھیلا تھا، جو کسی گھوڑے کے منہ پر چڑھائے جانے والے توبڑے سے ذرا مختلف تھا۔دو دوسرے آدمی بالے اور رؤف کے ساتھ بھی یہی سلوک کرنے کے لیے ان کے قریب آ گئے ،لیکن سردار نے اپنا ایک ہاتھ بلند کیا ہی تھا کہ بالے کا ایک ہاتھ کا گھونسہ اس کی ناک پر پڑا۔وہ تیورا کر گر پڑا۔اور آگے بڑھنے والوں کے قدم ایک لمحے کے لیے شاید صورتِ حال کو سمجھنے کی خاطر رک گئے۔بالے کے پاس کھڑا ہوا بھیل تو زمین پر گرنے والے سردار کو ہی دیکھ رہا تھا، لیکن اسی وقت اس کی کمر سے اس کا خنجر غائب ہو گیا۔بالے نے اس سے خان کے ہاتھوں کا تسمہ کاٹ دیا۔اور پھر اپنا دوسرا ہاتھ بھی آزاد کرتے ہوئے رؤف کی طرف گھوم پڑا۔یہ سب کچھ اتنی پھرتی سے ہوا کہ ان لوگوں کو سوچنے سمجھنے کا موقع بھی نہ مل سکا، مگر اتنی دیر میں ان کا سردار سنبھل کر چیخا اور خود بھی وحشیوں کی طرح غصے میں بھر کر خان پر ٹوٹ پڑا۔اس کے ہاتھ میں اب وہ دھار والی ایک کٹار چمک رہی تھی۔خان کے لیے اس قسم کے حملے بچوں کے کھیل سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے تھے۔اس نے زور سے ذرا ہٹ کر اس کا ہاتھ تھام لیا اور جھٹکا دے کر اسے موڑتے ہوئے اس کی کٹار چھین کر اس کی پشت سے لگا دی۔لیکن اس کے ساتھ بندوق والے دراوڑ اپنی نالوں کا رخ ان کی طرف کر چکے تھے۔

"اپنے آدمیوں سے کہو پیچھے ہٹ جائیں، ورنہ میں کٹار تمہارے بھیجے تک اتار دوں گا۔"

دراوڑ سردار نے ایک بار غصے و نفرت بھری نظر سے خان کی طرف دیکھا۔خان نے سنتھالی زبان میں ہی یہ الفاظ ادا کیے تھے۔کٹار کی نوک پیٹھ پر چبھتی ہوئی محسوس کر کے ان کے

سردار کو حکم دینا پڑا، لیکن ردِعمل خاطر خواہ نہیں ہوا۔ دراوڑ شاید اپنے سردار کو بھی زیادہ نہیں مانتے تھے۔ رائفل والوں نے آپس میں کچھ کھسر کی اور پھر انکار میں سر ہلاتے ہوئے وہ رائفلیں سیدھی کرنے لگے۔

''ٹرائیگر پر ان کی انگلیوں کے حرکت کرتے ہی خود کو زمین پر گرا دو۔'' خان نے بالے اور رؤف کو انگریزی میں ہدایت کی۔ نتیجہ وہی ہوا کہ ان میں سے دو گی گولیاں تو اپنے سردار کو چھیدتی ہوئی گزر گئیں اور باقی کی گولیاں بالے اور رؤف کی بجائے دوسرے دراوڑوں کے پڑیں۔

خان اتنی دیر میں زمین پر لوٹتا ہوا اس آدمی تک واپس پہنچ چکا تھا، جس نے وہ کیمرہ نما شے کاندھے پر اٹھا رکھی تھی۔ دوسرے لمحے وہ آدمی زمین پر اوندھا پڑا تھا اور وہ چیز خان کے ہاتھ میں تھی، لیکن اسے حرکت میں لانے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ ویسے بھی اس میں چند منٹ درکار ہوتے۔ دراوڑ آپس میں ہی لڑ پڑے۔ شاید انھیں رائفل والوں کی یہ حرکت بہت ناگوار گزری تھی۔ وہ اپنی زبان میں گندی گندی گالیاں دیتے ہوئے رائفل والے ساتھیوں پر حملہ آور ہوئے اور اس وقت خان، بالے اور رؤف کی طرف سے ان کا دھیان ہی ہٹ گیا۔ یہ ہنگامہ بڑھنے ہی نہیں پایا، ویسے ان میں سے دو رائفلیں چھین کر جھاڑیوں کی طرف پھینک دی گئی تھیں، لیکن باقی تین چار رائفل والوں نے پیچھے ہٹ کر گولیاں چلا دیں اور دراوڑ ایک بار پھر دو تین ساتھیوں کو دم توڑتے دیکھ کر ٹھٹک گئے۔

''یہ سب شرارت تم لوگوں کی ہے۔'' رائفل والے اب خان اور بالے کی طرف گھوم کر گولیاں چلانا ہی چاہتے تھے کہ اونچائی کی طرف سے مسلسل گولیاں چلنی شروع ہو گئیں۔ وہ تین رائفل مین تو وہیں گر کر تڑپنے لگے اور دوسرے سر پر پیر رکھ کے بھاگ اٹھے۔

''آپ کہاں ہیں، سر؟'' خان کو انسپکٹر شاہ کی آواز سنائی دی۔

''اوہ.. فکر نہ کرو، ہم ٹھیک ہیں۔'' خان نے نیچے سے جواب دیا۔ اتنی دیر میں اسلم

شاہ دس مسلح آدمیوں کی معیت میں ڈھلوان سے اتر کر آ پہنچا۔

''لاحاصل ہے۔'' خان نے ان لوگوں کو دراوڑوں کے تعاقب سے روک دیا۔ ''ان جنگلوں میں تم انھیں نہیں پا سکتے، بلکہ اور خطرے میں گھر جاؤ گے۔''

پھر اس نے ان کے سردار کی نبض ٹٹولی۔ گولی اتفاق سے اس کے بازو میں لگی تھی۔ وہ بیہوش تھا، خون بھی کافی نکل چکا تھا۔ دوسرے دراوڑ سرد ہو چکے تھے۔ خان نے ایک سپاہی سے باریک نوک کا چاقو لے کر اس سے زخم کو اور پھاڑ ڈالا اور گولی باہر نکال لی۔ پھر یونٹ کے ساتھ موجود فرسٹ ایڈ بکس سے بینڈج وغیرہ نکال کر اس نے اس کی ڈریسنگ کر ڈالی۔ خان کے حکم سے بالے نے جب مرے ہوئے رائفل والے دراوڑوں کا منہ دھویا، تو سفید چہرے اندر سے نکل آئے۔

''لیکن آپ نے ان لوگوں کو نکل جانے کیوں دیا؟'' شاہ نے حیران ہو کر خان سے پوچھا۔

''ہم اتنے بہت سے قیدی بنا کر کیا یہاں کوئی جیل خانہ قائم کرتے۔ یہ جنگلی لوگ ہمارے لیے بے کار ہیں۔ ہمیں تو ان کے سربراہوں سے مطلب ہے۔''

''لیکن کم از کم ان کا مقام تو ہمیں معلوم ہو جاتا؟''

''معلوم ہو جائے گا، ان کا ایک سردار تو ہمارے قبضے میں ہے۔'' خان نے بیہوش سردار کی طرف اشارہ کیا۔

''اور جو وہاں پیش بندی کر لی گئی تو؟''

''وہ اپنی دانست میں یہاں صرف مردے چھوڑ کر بھاگے ہیں، اور وہ وہاں جا کر ضرور یہی بتائیں گے کہ ان کا سردار اور ان کے رائفل والے ساتھی لڑائی میں کام آ گئے۔''

''اور ہمارے لیے کیا حکم ہے؟''

''میں ابھی آپ لوگوں کو سامنے نہیں لانا چاہتا تھا، لیکن خیر اب تو ہو ہی گیا۔ بہر حال

ہم سے فاصلے پر رہ کر اس انداز میں ہمارا تعاقب جاری رکھیے، جیسے راستہ بھٹک گئے ہوں۔" خان نے انسپکٹر شاہ کو ہدایت کی۔

"بہت خوب۔"

"ہاں، کوئی فولڈنگ اسٹریچر ہو تو دے دیجیے۔"

"ایک ہے ہمارے پاس۔ اے حوالدار، اسٹریچر ادھر لاؤ۔" شاہ نے ایک آدمی کو اشارے سے بلایا۔

اسٹریچر دے کر انسپکٹر شاہ نے اپنے آدمیوں کے ساتھ دائیں سمت کی جھاڑیوں میں جا کر غائب ہو گیا۔

"اور یہ لاشیں؟" بالے نے خان سے پوچھا۔

"ہم یہاں مردے ڈھونے نہیں آئے، تم اپنے پاکٹ کیمرے سے صرف ان کے فوٹو لے لو۔" خان نے ہدایت کی۔ اور ایک منٹ میں ہی اس کی تکمیل بھی ہو گئی۔ لیکن دوسرا حکم سنتے ہی بالے کے تلوؤں میں آگ لگ گئی۔

"اسے اسٹریچر پر اٹھا کر لے چلو۔" خان نے بیہوش سردار کی طرف اشارہ کیا۔

"بھوکے پیٹ تو گدھا بھی مٹی نہیں ڈھوتا ہے۔" بالے نے احتجاج کیا۔ اور وہیں زمین پر بیٹھ گیا۔

"اٹھاؤ، رؤف خاں۔" خان نے جھنجلا کر اسٹریچر کو ایک طرف سے خود ہی تھام لیا۔

"نانا نا... آپ تو رحم ہی کیجیے۔ کل کو کہتے پھریں گے میرا سارجنٹ نالائق ہے۔" بالے نے اس کے ہاتھ سے اسٹریچر لے لیا اور خان مسکرا دیا۔ وہ اسی سمت مڑ کر چلنے لگے، جس طرف سے دراوڑ فرار ہوئے تھے۔ رؤف آگے سے اسٹریچر تھامے تھا اور بالے پیچھے سے۔ خان آگے آگے چل رہا تھا۔ وہ کوئی غار یا ایسی پناہ گاہ تلاش کر رہا تھا جہاں کچھ دیر قیام کیا جا سکے۔

Akram Allahabadi

انھیں جائے پناہ کی تلاش کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی ۔ان پہاڑوں میں ایسے کئی کٹاؤ تھے، جہاں اندر کی طرف گپھاؤں کی طرح کافی جگہ موجود تھی ۔وہ ایک کٹاؤ کے قریب رک گئے ۔اس کے سامنے کے حصے میں جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں، جس سے سرسری طور پر ان کا نظر میں نہ آنا قریب قیاس تھا۔

وہ ابھی پاکٹ اسٹو سے کافی تیار کر کے سینڈوچ کھا ہی رہے تھے کہ دراوڑ سردار کو ہوش آ گیا۔اس نے آنکھیں کھول کر چاروں طرف گھبرائی ہوئی نظروں سے دیکھا اور پھر اس کی نگاہیں ان تینوں سایوں پر جم گئیں، جو ایک موٹی موم بتی کی روشنی میں منہ چلاتے نظر آ رہے تھے۔

''گھبراؤ نہیں، گولی تمہارے بازو میں لگی تھی ۔ہم نے تمہیں بچا لیا ہے۔''خان نے اس کی طرف دیکھ کر نرم لہجے میں سنتھالی زبان میں کہا۔

''تت...تم کون لوگ ہو؟''

''وہی جنہیں تم اگیا بیتال کی بھینٹ چڑھانے لے جا رہے تھے۔''

''دیوتا کا نام اس بدتمیزی سے نہ لو، ورنہ فنا ہو جاؤ گے۔آہ...''وہ کراہتے ہوئے بگڑ کر بولا۔

''ابے واہ، وہی مرغے کی ایک ٹانگ ۔بیٹے، یہ اگیا بیتال کے والد بزرگوار ہیں۔ داد گنجال میں اس کا بڑا بھائی سویز کنال اور یہ اس کے ہونے والے چچیا خسر مسٹر گھڑیال۔''

رؤف نے تو برا سا منہ بنا لیا، لیکن خان کو ہنسی روکنے کے لیے منہ پر رومال رکھنا پڑا۔ شاید سردار بالے کی بات سمجھ نہ سکا۔وہ انھیں پھٹی پھٹی نظروں سے گھورتا رہا۔

کافی اسے بھی پلائی گئی۔اس نے اسے پی کر بُرے بُرے منہ بنائے، لیکن ایک پیالہ ختم کر دینے کے بعد ہی دوسرا بھی مانگنے لگا۔خان نے اسے باتوں میں لگا کر ان رائفل والوں کے بارے میں پوچھا۔لیکن وہ صرف اتنا ہی بتا سکا کہ کسی دوسرے دراوڑ قبیلے کے لوگ

ہیں۔اور انھیں مقدس کاہن نے ہماری مدد اور حفاظت کے لیے مقرر کیا ہے۔لیکن جب خان نے اسے بتایا کہ سادہ لوح دراوڑوں کے ساتھ ضرور کوئی خطرناک ڈرامہ کھیلا جا رہا ہے اور یہ کہ وہ آدمی دراوڑ بھی نہیں تھے۔تو وہ تسلیم کرنے کو راضی نہ ہوا۔یہاں سے وہ جگہ جہاں لاشیں پڑی ہوئی تھیں، زیادہ دور نہ تھی۔بالے اور رؤف کو وہیں چھوڑ کر خان خود اسے ساتھ لے گیا۔سردار خون نکلنے سے کمزور ضرور ہو گیا تھا، لیکن وہ بآسانی چل سکتا تھا اور جس وقت خان نے ان میں سے ایک لاش کا چہرہ ٹارچ کی روشنی میں اسے دکھایا تو وہ حیرت سے اچھل پڑا۔

''کوکا۔'' اس کے منہ سے نکلا۔خان سوالیہ نظروں سے اس کی شکل دیکھنے لگا۔وہ کسی گہری سوچ میں پڑ گیا تھا۔''سفید مہمان۔'' وہ بڑبڑایا۔''انھوں نے پہلے بھی ہمارے دو آدمی مار ڈالے تھے۔'' وہ کہتا رہا۔

''تمہارا کاہن ضرور کوئی خطرناک دھوکے باز ہے، جو تمھیں بیوقوف بنا کر تم سے کام لے رہا ہے۔'' خان اسے سمجھانے لگا، مگر اسی وقت غیر ارادی طور پر اس کی نظر ایک رائفل پر پڑ گئی، شاید جلدی میں وہ لوگ اسے اٹھا کر نہ لے جا سکے تھے۔یہ ایک جھاڑی کے پاس پڑی رہ گئی تھی۔خان نے اسے اٹھا لیا۔اس کی ساخت ہندوستان میں استعمال ہونے والی دوسری رائفلوں سے مختلف تھی۔اس نے جیسے ہی اس کا دستہ پلٹ کر دیکھا، اس کے چہرے پر ایک پراسرار مسکراہٹ پھیل گئی۔

''یہ رائفلیں تم لوگوں کے پاس کہاں سے آئی تھیں؟'' خان نے اسے پوچھا۔

''مقدس دیوتا نے ایک دن مہربان ہو کر بوڑھے برگد سے ان کی بارش کی تھی۔''

اس کے اس جواب پر خان ہنس دیا۔

''تو تمہاری دنیا میں برگد کے پیڑ سے رائفلیں برستی ہیں؟''

''ہاں ہاں، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔دیوتا کی قسم۔'' وہ بڑی سادہ دلی سے اسے یقین دلانے لگا۔اب وہ واپس لوٹ رہے تھے۔

Akram Allahabadi

''کیا تمہارا دیوتا بھی تمہارے ساتھ دھوکہ کرسکتا ہے؟''

''کیا مطلب؟''

''یہی دیکھ لو۔تم لوگوں کو بتایا گیا تھا کہ یہ رائفلوں والے محافظ بھی دراوڑ ہیں، حالانکہ یہ بہت دور کے سفید لوگ ہیں جو اپنے کسی مقصد کے حصول کے لیے تمہیں اپنی ڈھال بنا کر کام کررہے ہیں۔''

''ہوسکتا ہے کوئی مصلحت ہو اس میں دیوتا کی۔''

''مصلحت یہی ہے کہ تم لوگوں کی گردنیں کٹوادی جائیں۔''

''تم نے میری جان بچائی ہے، میں تم سے دشمنی نہیں کرسکتا، لیکن میں دیوتا اگیا بیتال کے لیے کوئی بری بات سننا نہیں پسند کروں گا۔تم نہیں جانتے کہ اس کے غضب کی آگ جسے چاہے جلا کر خاک کردیتی ہے۔''

''کیا کبھی جلایا بھی ہے کسی کو؟''

''کیا تم نے اس کے جلال کا تماشہ اس مقدس غار میں نہیں دیکھا؟'' سردار نے خود اس سے پوچھا۔

''اوہ..وہ سائنسی چٹکلے ہیں۔ہم ایسے بہت سے تماشے تمہیں دکھاسکتے ہیں۔''

''تم ہمارے دیوتا کا مذاق اڑا رہے ہو۔''

''نہیں، تمہارا دیوتا صدیوں پرانا ہے، لیکن یہ بتاؤ کہ کب سے وہ تمہیں اپنا جلال دکھا رہا ہے؟''

''یہ ایک عجیب قصہ ہے۔ہمارا دیوتا امن کی نیند سو رہا تھا۔اس نے کبھی ہمیں غضب کی نظروں سے نہیں دیکھا تھا۔وہ ہمیشہ بھولے، بھٹکوں کو جنگل میں راستہ دکھاتا تھا، لیکن ایک دن دو اجنبی ہماری بستی میں آئے۔یہ دونوں سفید چہرے کے لوگ تھے۔بلکہ ایک کا رنگ کچھ پیلا تھا۔ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ایک رائفل جیسی چیز دبی ہوئی تھی۔اور دوسرا رسیوں

سے بندھا ہوا تھا۔ ہم اجنبیوں کو، اگر وہ ہماری بستی کے آس پاس نظر آئیں تو زندہ نہیں چھوڑتے، کیونکہ وہ ہمیں غلام بنانے کے لیے پھر باہر سے مدد لے کر آتے ہیں۔"

سردار آہستہ چلتے ہوئے بیان کرتا رہا اور خان بڑی توجہ سے اس کی گفتگو سنتا رہا۔ سردار کا انداز گفتگو ایسا تھا جیسے وہ اپنے دیوتا کی عظمت سے اسے مرعوب کرنے کی بھی کوشش کر رہا ہو۔

"لیکن جب وہ اجنبی خود ہی ہماری بستی میں آ گیا تو ہم نے اسے تعجب سے دیکھا۔ ہم پھر بھی اسے پکڑ کر بڑے پجاری کے پاس لے گئے۔ اس آدمی نے بتایا کہ اسے دیوتا اگیا بیتال نے جنگل میں درشن دیے تھے اور اس سے کہا تھا کہ نیند سے دیوتا جو گ اٹھے ہیں۔ اگر وہ دیوتا پر ایک سفید یا پیلے آدمی کی بھینٹ چڑھائے تو دیوتا اسے سب کے سامنے درشن دے گا اور اس سے باتیں کرے گا۔"

"پھر؟" خان نے لقمہ دیا۔

"پھر یہ ہوا کہ بڑا پجاری آدمی کی بھینٹ لینے پر تیار نہیں ہوا، مگر ہم سب بگڑ گئے۔ ہمارے دل تو یہ سنتے ہی خوشی سے پھول گئے تھے کہ صدیوں کے بعد ہمارا دیوتا ہمیں درشن دے رہا ہے۔ ہم نے بڑے پجاری کی ایک نہ سنی اور اسے مجبور کر دیا کہ وہ اس آدمی کی بات مان لے۔ رسیوں سے بندھے آدمی نے بڑی خوشامدیں کیں، بہت رویا، دوسرے آدمی کو گالیاں بھی دی، مگر ہم نے بھینٹ کو نہیں چھوڑا۔ دوسرے دن پورنماشی کی رات تھی اور اسی دن پوجا کا بڑا دن بھی تھا۔ اس دن اس آدمی کے قول کا ہمیں اس لیے اور بھی یقین ہو گیا کہ دوسرے دن سویرے ہی ہمارے دیوتا کا پتھر کا جسم رنگ بدل کر کانسی ہو گیا۔ اس کی آنکھیں باہر کو نکل آئیں اور جب سورج کی کرنیں اس پر پڑیں تو اس میں چکنی مٹی جیسی چمک پیدا ہو گئی اور وہ شام ہم لوگوں کے لیے بڑی عقیدت کی شام تھی۔ بڑے زور شور سے پوجا ہوئی اور اس کے بعد بڑے پجاری کے روکنے پر بھی اس آدمی کو دیوتا کی بھینٹ چڑھا دیا گیا اور اسی دن واقعی ہمارے دیوتا

نے اپنا وعدہ پورا کردیا۔اس نے ہمیں درشن دیے۔پھر جانتے ہو کیا ہوا؟''اس نے کہتے کہتے آنکھیں پھیلا کر خان سے پوچھا۔

''کیا ہوا؟''خان نے دلچسپی لیتے ہوئے اس سے سوال کیا۔

''ادھر بھینٹ کا خون دیوتا پر چھڑکا گیا اور ادھر اس کا بت روشن ہونا شروع ہوگیا۔ یہاں تک کہ اس کی روشنی سے ہمارے جھونپڑے تک چمک اٹھے۔ہم سب چیخ مار کر اس کے سامنے جھک گئے۔اور گڑگڑانے لگے۔پھر ہم نے دیوتا کا دوسرا وعدہ پورا ہوتا دیکھا۔دیوتا کا منہ کھلا اور اس کے حلق سے بڑی بھیانک آواز نکلی۔ہم نے سر اٹھا کر دیکھا، دیوتا اصلی روپ میں آگیا تھا۔اس کے حلق سے ویسے ہی شعلے نکل رہے تھے، جیسے شعلے اس جنگل میں برسہابرس سے راتوں کو بھٹکے مسافروں کو راہ دکھاتے رہتے ہیں۔پھر ہم نے اپنے دیوتا کی آواز سنی۔اس میں اتنی گونج تھی، جیسے ہزاروں آوازوں کی ایک آواز ہو۔دیوتا کہہ رہا تھا کہ بڑے پجاری نے اس کی مرضی میں دخل دیا ہے، اسے سزا ملے گی۔اسے ہمارے سامنے لاؤ۔ہم نے فوراً بڑے پجاری کو پکڑ لیا اور گھسیٹ کر دیوتا کے سامنے لے گئے۔دیوتا اس وقت بری زور سے ہنسا اور پھر اس کے منہ سے ایک ایسی آگ نکلی، جس نے بڑے پجاری کو کوئلے کی طرح جلا ڈالا۔دیوتا نے ہم پر بڑی مہربانی کی۔اس نے ہم سے وعدہ کیا کہ وہ ہمیں پرپوجا کے دن درشن دیا کرے گا اور ہم پر اب برکتیں ہی برکتیں نازل ہونگی، کیونکہ ہم نے اور ہماری نسلوں نے صدیوں اس کی پوجا کی ہے، لیکن دیوتا کی یہ مہربانیاں ہمیں اسی وقت تک حاصل رہیں گی جب تک ہم اپنے نئے مقدس کاہن کے اشاروں پر جان دیتے رہیں گے۔''

''اور تمہارا وہ مقدس کاہن، وہی سفید فام آدمی بنا؟''

''ہاں۔دیوتا نے خود اسی کی طرف اشارہ کیا تھا۔اور جب ہمارے منہ سے نکلا کہ وہ سفید فام آدمی ہے، تو دیوتا کے حکم سے دوسرے دن سوکر اٹھتے کے ساتھ وہ بھی ہماری طرح کالا ہوگیا۔''

''یہ کب کی بات ہے؟''

''اب کی پورنماشی کو دو سال ہوجائیں گے۔''

''تمہارے دیوتا نے اور کسے جلایا تھا؟''

''چار جھونپڑے۔ان میں بڑے پجاری کے رشتے دار رہتے تھے۔ایک روز دیوتا کے حلق سے وہی بھیانک آواز نکلتی ہمیں سنائی دی۔ہم لوگ گھروں سے نکل آئے اور ہم نے دیکھا کہ دیوتا کا رخ ان جھونپڑوں کی طرف گھوما ہوا ہے اور منہ سے شعلے نکل رہے ہیں۔یہ شعلے اڑ کر جیسے ہی ان جھونپڑوں تک پہنچے،ان میں آگ لگ گئی۔ان لوگوں کی مدد کو ہم میں سے کوئی نہیں گیا۔وہ ان ہی جھونپڑوں میں جل کر راکھ ہو گئے۔

''بھئی، میں یہ سب نہیں مانتا جب تک کہ اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں۔''خان نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''تم...تم دیکھ لوگے تو مان لوگے نا؟''

''ہاں ہاں، کیوں نہیں۔سچائی کون نہیں مانے گا۔''

''اگر تم اسی نیت سے دیوتا کو دیکھنا چاہتے تھے تو پھر مقدس غار میں کیسے پھنس گئے تھے؟''اس نے سوال کیا۔

''اوہ...وہ ہمارے ایک ساتھی سے انجانے پن میں کچھ بدتمیزی ہوگئی تھی۔''

''مگر میں تمہاری نیت پر کیسے بھروسہ کرلوں؟''

''تمہیں اپنے دیوتا پر تو بھروسہ ہے نا؟''

''کیوں نہیں،وہ سب جانتا ہے۔''

''تو پھر وہ یہ بھی جان جائے گا کہ تم کس نیت سے ہمیں لے جا رہے ہو،ہم کس نیت سے جا رہے ہیں۔ہماری نیت خراب نہ ہوگی تو وہ ہمیں معاف کر دیگا۔''

''بات تو ٹھیک ہے۔''سردار سوچ میں پڑ گیا۔لیکن پھر اسے جیسے ان رائفل والوں

کی یاد آ گئی۔''ان کا بھی حال دیوتا کو معلوم ہو گا۔''وہ بڑبڑایا۔''ہم نے نہیں مارا ہے انھیں۔''

''ہم نے نہیں مارا ہے انھیں۔''

''اور ہم نے بھی نہیں مارا ہے۔''

''پھر کس نے مارا ہے؟''

''پولیس نے۔''

''پولیس...اور تم کون ہو؟''

''ہم لوگ شکاری ہیں۔ پولیس پارٹی اتفاق سے ادھر گھومتی آنکلی تھی۔اس نے گولیاں چلتے دیکھ کر گولیاں چلا دی تھیں۔''

وہ یہ سن کر خوش ہو گیا۔

''مگر تمھیں کس نے یہاں بھیجا تھا؟''خان نے اس سے پوچھا۔

''مقدس کاہن نے۔انھوں نے کہا تھا کہ کچھ بدتمیز لوگ دیوتا کے مقدس غار میں گھسنے کی کوشش کر رہے ہیں۔انھیں سزا دینے کے لیے یہاں پکڑ کر لاؤ۔''

''تمہاری بستی یہاں سے کتنے فاصلے پر ہے؟''

''ایک گھنٹے سے زیادہ ہی وقت لگتا ہے،بس سمجھ لو،دادل گھاٹی کے اس پار۔''

''دادل گھاٹی؟ وہ جس کا کوئی راستہ نہیں؟''

''نہیں۔وہ صرف اگ کھاتا ہے اور پانی پیتا ہے۔وہ دادل گھاٹی کی میٹھی جھیل کا پانی پیتا ہے۔ہم اسے مردہ ڈھور نذرانے میں پیش کرتے ہیں۔دیوتا اسے سونگھ کر واپس کر دیتا ہے اور پھر ہم ان کا گوشت تمام بستی میں تقسیم کرتے ہیں۔''

''تو اتنے بہت سے مردہ ڈھور تم کہاں سے لاتے ہو؟''

''سمتی پور سے۔وہاں بہت ڈھور مرتے ہیں،جنھیں ہمارے آدمی جو وہاں چاول خریدنے جاتے ہیں،اٹھا کر لاتے ہیں۔سمتی پور میں کوئی مرے ہوئے جانوروں کو نہیں کھاتا،

مگر ہم لوگ بڑے مزے سے کھاتے ہیں۔ بلکہ سچ پوچھو تو ان کا گوشت بڑا لذیذ ہوتا ہے۔''

''مگر یہ جانور تو بیمار ہوتے ہونگے، تم لوگوں کو بیماری نہیں لگتی؟''

''نہیں۔ یہ جانور زیادہ تر گولیوں سے مرتے ہیں۔ سمتی پور میں ایک بہت بڑا زمیندار ہے۔ اس کے ڈھور جب چرتے ہوئے سرحد کی طرف چلے جاتے ہیں تو دوسری طرف کے سپاہی انھیں گولی مار دیتے ہیں۔''

''سمتی پور کی سرحد... وہ جو گوا سے ملی ہوئی ہے؟''

''یہ ہمیں نہیں معلوم۔ اسے بس سرحد کہتے ہیں۔ میں نے یہ بھی اپنے آدمیوں سے سنا ہے۔ خود کبھی نہیں دیکھا۔ مگر تم یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہے ہو؟'' اس نے خان سے سوال کیا۔

''عجیب باتیں جو ہیں۔'' خان نے ہنس کر کہا۔

''یہ باتیں میں نے صرف تمھیں بتا دی ہیں تا کہ تم اگر دیوتا اگیابیتال کو ماننے لگو تو تم پر اس کی برکتیں نازل ہوں۔ میں تمہارے احسان کا بدلہ چکانا چاہتا ہوں۔ تم نے میری جان بچائی ہے، ورنہ ہم دراوڑوں میں کوئی زخمی ہو جانے والے کی پرواہ نہیں کرتا۔ سب اسے اس کے حال پر چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔''

''یہ تو بڑی بری بات ہے۔'' خان نے اظہار افسوس کیا۔

''مگر اب نہیں۔ اب تو مقدس کاہن کا حکم ہے کہ کسی زخمی ساتھی کو چھوڑ کر مت آؤ۔ یا تو اسے وہیں ختم کر دو، یا اٹھا کر لاؤ۔''

''ان کی گفتگو پناہ گاہ میں داخل ہوتے ہوتے ختم ہوئی۔ اس نے بالے اور روف کو آگے چلنے کے لیے حکم دیا۔ جس پر بالے منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑایا۔ لیکن خان نے اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے سردار سے ایک سوال کر دیا۔

''اچھا دوست تمہارا نام کیا ہے؟''

Akram Allahabadi

''ٹیکاما۔''اس نے ہنس کر بتایا۔

''ارے ہاں،تم نے دیوتا کے غار کا تو بتایا ہی نہیں۔یہ ہے کیا چیز؟ ہم تو اصل میں اسی کو دیکھنے گھسے تھے۔''خان نے پھر اس سے سوال کیا۔وہ اس کے بارے میں پوچھنا بھول گیا تھا۔

''دیوتا یہیں سے تو بھٹکے ہوئے لوگوں کو راستہ دکھاتا ہے۔یہ دیوتا کی آرام گاہ ہے۔ وہ یہاں سوتا ہے، ہمارے یہاں دربار کرتا ہے اور میٹھی جھیل میں پانی پیتا ہے۔''

''...کہاں کرتا ہوگا؟''بالے پوچھ بیٹھا۔خان نے اسے گھورا۔لیکن سردار اس جملے کا مفہوم نہ سمجھ سکا۔وہ خان کی طرف دیکھنے لگا۔

''یہ پوچھ رہے ہیں کہ دیوتا رہتا کہاں ہوگا؟''

''جہاں سب دیوتا رہتے ہیں۔''ٹیکاما بھولے پن سے بولا۔

''سن لو، رفو بھائی، کام کی باتیں ہیں۔کاہنِ اعظم بن جاؤ گے...نہیں وہ کیا...کاہن اعظم۔''رؤف نے بچوں کی طرح ناک سکیڑ کر منہ دوسری طرف کرلیا۔

پندرہ منٹ بعد ہی وہ چل پڑے۔ٹیکاما ایسے راستوں سے ان کی رہبری کر رہا تھا جو شاید خود تو ان لوگوں کے خیال میں بھی نہ آتے۔تنگ و تاریک درے، سپاٹ ڈھلوان چٹانیں، معلق کٹاؤ اور بڑے خطرناک موڑ۔یہ راستہ دشوار ترین تھا، لیکن اس طرح ان کا سفر مختصر ہو جاتا تھا اور اس لیے بھی کہ ٹیکاما کو کمزور محسوس ہو رہی تھی۔وہ جلد از جلد اپنے گھر پہنچنا چاہتا تھا۔ دورانِ سفر میں خان ٹیکاما سے باتیں کرتا چلتا رہا اور بالے تمام راستے رؤف کے پیچھے پڑا رہا۔ اس بار رؤف اس قدر زچ ہوگیا کہ اس نے عہد کرلیا تھا کہ اگر بالے کے ساتھ کہیں جانا ہوا تو اس سے پہلے ہی وہ بیمار بن کر رخصت لے لیا کرے گا۔

ایک جگہ رک کر انھوں نے سیاہ چہروں اور سیاہ بدن کا میک اپ کرلیا۔یہ ٹیکاما کے مشورے سے ہی ہوا تھا۔کیونکہ خان نے اسے بتایا تھا کہ اگر ہمیں اس طرح ساتھ لے چلنے میں

اسے خطرہ ہوتو ہم بھیلوں جیسے بھیس بدل سکتے ہیں۔ وہ اس پر بخوشی راضی ہوگیا۔ یہ طے رہا کہ وہ خود کو بھیلوں کی پہاڑی بستی گونڈی کے بھیل بتائیں گے۔ گونڈی کا سردار ٹیکاما کا دوست بھی تھا۔ اس کا نام کاری کولی تھا۔ پھر وہ ایک درے پر پہنچے، جہاں خان نے رؤف کو انگریزی میں کچھ ہدایتیں دے کر پیچھے ہی ٹھہر جانے کے لیے چھوڑ دیا۔ ٹیکاما کو اس نے سمجھایا کہ وہ ڈر رہا ہے اور ہمارے ساتھ آگے جانا نہیں چاہتا۔

بالآخر وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئے، جہاں داہنی سمت دادل گھاٹی کا اونچا پہاڑی سلسلہ نظر آرہا تھا۔ سامنے گھنا جنگل تھا، بائیں طرف گھاس کے میدان اور وہ خود جس راستے سے یہاں نکلے تھے، یہ ایک بہت اونچا درہ تھا، جس کے بارے میں کسی کو شبہ بھی نہ تھا کہ یہ کوئی راستہ ہوسکتا ہے۔

بستی میں داخل ہوتے ہی لوگ ٹیکاما کو دیکھ کر چونک پڑے۔ شاید اس کی موت کی خبر یہاں پہنچ چکی تھی۔ وہ یہاں کے آٹھ سرداروں میں سے ایک تھا۔ یہ آٹھ سردار دراوڑوں کے آٹھ بڑے بڑے خاندانوں کے ہیڈ تھے۔ ٹیکاما نے لوگوں کو صرف اتنا بتایا کہ ان دو بھیلوں کی مدد سے اس کی جان بچ سکی ہے۔ لیکن یہ نہیں بتایا کہ اس پر کس نے گولی چلائی تھی۔ وہ دراصل اس وقت بہت تھکا ہوا تھا اور کمزور ہو رہا تھا۔ اسے آرام کی سخت ضرورت تھی۔ اس کا جھونپڑا نما مکان کافی بڑا تھا۔ اس میں تین حصے تھے۔ ایک حصے میں اس نے خان اور بالے کو ٹھہرا دیا اور اپنے دو ایک آدمیوں کو مہمانوں کی خاطر داری کی ہدایت کر کے آرام کرنے چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

مردہ فروش

ان کی آنکھ دوپہر سے کچھ پہلے ہی کھل گئی۔اس وقت ٹیکا ما بھی سوکر اٹھ چکا تھا۔ ایک مخصوص قسم کا پھلوں کا رس پی کر اس کے چہرے پر تازگی آ گئی تھی ۔پھر انھیں ٹیکا ما کے ساتھ ہی کھانا بھی کھانا پڑا۔ جب ایک جنگلی پھلی کی طرح پتلے شوربے والی ترکاری کے ساتھ وہ گیلے گیلے پکائے گئے چاول ایک ہی مٹی کے برتن میں کھانے بیٹھے تو بالے کا تو جی متلانے لگا۔ کیونکہ ٹیکا ما مٹھی میں چاول کے لڈو بنا بنا کر کھا رہا تھا۔بہر حال انھیں مجبوراً دو چار نوالے زہر مار کرنے پڑے۔کھانے کے بعد ہی ایک آدمی نے آ کر اسے خبر کی کہ مقدس کاہن نے اسے شام کو بلایا ہے۔خان اور بالے نے اس سے خواہش ظاہر کی کہ وہ اس بستی کو خود گھوم پھر کر دیکھنا چاہتے ہیں۔اس پر ٹیکا ما نے انھیں صرف اس شرط پر اجازت دے دی کہ وہ کاہن کے مقام اور مندر کی طرف نہ جائیں گے۔وہ خود بھی یہی چاہتے تھے کہ ٹیکا ما ان کے ساتھ نہ جائے۔

.....

ٹیکا ما کے مکان سے نکل کر وہ جھونپڑوں کے درمیان سے گزرنے لگے۔یہ بستی تقریباً نصف میل کے علاقے میں پھیلی ہوئی تھی۔جھونپڑوں اور ادھ کچے پتھریلے مکانات کی تعداد چار پانچ سو سے کم نہ تھی۔انھیں دور سے کاہن کی قیام گاہ بھی دکھائی دی، جو مندر کے عقب میں اونچائی پر پتھر کی بنی ہوئی تھی۔لیکن سب سے زیادہ حیرت انھیں اس وقت ہوئی جب کاہن کی قیام گاہ کے نزدیک ہی ایک چبوترے پر ایک سفید رنگ کی نوجوان لڑکی کھڑی ہوئی تھی۔اس نے اس وقت بدن پر سرخ سایا پہن رکھا تھا۔وہ کافی خوبصورت اور جوان نظر آتی تھی۔

''کہیں میری آنکھیں دھوکا تو نہیں کھا رہی ہیں؟'' بالے نے اپنی آنکھیں ملنے لگا۔

"نہیں۔ آپ کی آنکھیں گھاس کھا رہی ہیں۔ میں یہاں اس قسم کی حماقتیں برداشت نہیں کروں گا۔"

"میں تو فقط اظہارِ حسرت... نہیں... وہ یعنی کہ حیرت کر رہا تھا۔ بھلا جنگلیوں کی اس بستی میں ایک سرخ سائے کا کیا گزر۔"

"یہاں کا مقدس کاہن ایک سفید فام ہے۔" خان نے کہا۔

"وہ تو آپ بتا چکے ہیں مجھے، لیکن اس کا تو چوکھٹا آگیا بیتال نے سیاہ کر دیا تھا۔"

"ارے بالے، ہمیں اس لڑکی کو قریب سے دیکھنا چاہیے۔" وہ بے وقوف اجنبیوں جیسے انداز میں اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے اس انداز میں آگے بڑھے کہ کچھ دیر میں کاہن کی قیام گاہ سے اتنے نزدیک پہنچ گئے کہ وہ لڑکی صاف نظر آسکے۔ بالے حیرت سے اچھل پڑا۔

"یہ تو وہی ہے۔" اس کے منہ سے نکلا۔ "مارتھا۔" لیکن ابھی جملہ پورا بھی نہیں ہوا کہ وہ اپنی جگہ سے اتر کر تیزی سے چلتی ہوئی کاہن کی عمارت میں داخل ہوگئی۔ وہ اسے اور زیادہ قریب سے دیکھ بھی نہ سکے۔

انھیں بہر حال اس وقت کاہن کی قیام گاہ پہنچنے کا موقع نہ ملا، کیونکہ یہاں رائفلوں سے مسلح محافظ مندر سے قیام گاہ تک چکر لگا رہے تھے۔ خان اور بالے جب لوٹنے لگے تو انھوں نے بستی میں ایک عجیب سا شور سنا۔ اس کی وجہ ان کی سمجھ میں نہ آئی، لیکن ہر ایک خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔ اور دو آدمی شاید کوئی خبر دینے کے لیے کاہن کی قیام گاہ کی طرف دوڑے جا رہے تھے۔ اتفاق سے راہ میں خان کو ٹیکا مل گیا۔ وہ شاید انھیں ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔

"کہاں چلے گئے تھے؟" اس نے پوچھا۔

"کہیں نہیں، یہیں تو تھے بستی میں۔"

"میں ڈر رہا تھا کہ کہیں مقدس کاہن کی قیام تک نہ جا پہنچو۔"

"سر تھوڑی پھرا ہے۔ خیر یہ بتاؤ، یہ شور کیسا ہے؟"

''اوہاں، تمہارے قدم بھی مبارک ہی ہیں۔ آج پھر خبر آئی ہے کہ جوالا کے آدمی دوڈھور لے کر آرہے ہیں۔''

''دوڈھور؟''

''لاحول ولاقوۃ۔'' بالے نے برا سا منہ بنایا۔

''بیٹے، دو ڈھوروں میں لاکھوں کا حساب ہوتا ہے۔'' خان نے دبی زبان سے انگریزی میں اسے کہا۔

''کیا بات ہے؟'' ٹیکاما پوچھ بیٹھا۔

''پوچھ رہے ہیں کہ ہم بھی دیکھ سکتے ہیں کیا؟''

وہ ٹیکاما کے ساتھ میدان کے سرے پر پہنچ گئے۔ واقعی انھوں نے یہاں دیکھا کہ تقریباً بیس آدمیوں کا ایک قافلہ چلا آرہا تھا۔ ان کے ساتھ دو بیل گاڑیاں تھیں، جن میں سے ہر ایک میں مردہ بھینس یا سانڈ لدا ہوا تھا۔ ان سانڈوں کے جسموں پر بندوق کی گولیوں کے نشانات تھے، لیکن خان کی نظریں خاص طور پر ان کے پیٹ پر جم گئیں۔ بظاہر کوئی چیز شبے کے لائق نہ تھی، لیکن ایک باریک سی جھلی ان سانڈوں کے پیٹوں پر نچلی سمت اس طرح منڈھی ہوئی تھی کہ کسی کی باریک بین نظریں ہی نہایت قریب سے اسے دیکھ سکتی تھیں اور اس پر اس کا سبب جاننا محال تھا۔

یہ ڈھور میدان سے گزار کر مندر والے چبوترے پر کاہن کی قیام گاہ کے سامنے لے جا کر رکھ دیے گیے۔ بستی کے بوڑھے، بچے، عورتیں، سب خوشی سے تالیاں بجا رہے تھے۔ اور بہت سے لوگ کاہن کو دعائیں دے رہے تھے کہ اس کے دم قدم سے انھیں روز مردار کا گوشت ملتا ہے۔ وہ گوشت جو دیوتا کے نذرانے کا ہوتا ہے۔

تھوڑی دیر بعد ہی کاہن اپنی قیام گاہ کے دروازے میں نمودار ہوا۔ بستی کے لوگ خوشی کے نعرے لگانے لگے۔ اس نے ان ڈھوروں پر ایک نظر ڈالی اور سر ہلا کر اندر چلا گیا۔

Akram Allahabadi

خان نے دیکھا وہ چھریرے بدن کا سیاہ فام آدمی تھا۔اس نے بدن پر صرف ایک زرد چادر لپیٹ رکھی تھی اوراس کے سر پر ایک راہبوں جیسی اونچی نوکدار زرد ٹوپی تھی۔اس کا انداز رفتار پر وقار تھا۔وہ کسی صورت دراوڑ گو ہو نہیں سکتا تھا،لیکن انداز سے بھی کوئی کافی چالاک اور مغرور آدمی معلوم ہوتا تھا۔مجمع منتشر ہوگیا،صرف رائفلوں والے چار سیاہ فام محافظان مردہ ڈھوروں کے چاروں طرف کھڑے ہوکر پہرہ دینے لگے،کیونکہ یہ دیوتا کا نذرانہ تھے۔

واپسی پر خان نے تبدیلی لباس کا بہانہ کر کے کمرہ اندر سے بند کرلیا۔کٹ اوران کا سامان تو انھیں پولیس کے حملے اور دراوڑوں کے فرار کے وقت ہی واپس مل گیا تھا۔خان نے ٹرانسمیٹر نکال لیا۔بالے دروازے پر ٹہلنے لگا۔خان اس وقت ڈیسوزا کو کال کر رہا تھا۔اور ڈیسوزا بھی ہدایت کے مطابق ہر وقت کال کا منتظر رہتا تھا۔

''ہم منزل کے قریب پہنچ گئے ہیں،لیکن انسپکٹر رنبیر کو فوراً ہدایت کردیجیے کہ وہ کیسر ندی کو پار نہ کریں،بلکہ راستے سے ہٹ کر چھپتے ہوئے ندی سے گزرنے والوں کو قابو کریں۔ایکشن اسی وقت لیا جائے جب انھیں کوئی ہدایت یا سگنل ملے۔''خان نے کہا۔

''کیا آپ شارٹ ویوز پر رنبیر کو کنفکٹ نہیں کرسکتے؟''ڈیسوزا نے پوچھا۔

''کوشش کرونگا۔اوور۔ایسٹ پوسٹ کی چیکنگ رپورٹ کیا ہے؟اوور۔''

''میں خود ہی آپ کو کنفکٹ کر کے یہ رپورٹ دینے والا تھا۔اب تک پان چھ کاریں ایسی گزر چکی ہیں جن کے بانٹ پر سیاہ کوئے کی شبیہ لگی ہوئی تھی۔ایک کار سے ایک مرا ہوا سیاہ کوا بھی لٹکا ہوا تھا۔اوور۔''

''گڈ۔''خان نے کہا۔''اب آپ فوراً رنبیر کو کنفکٹ کیجیے۔اوور۔''

اس کے بعد خان نے ڈیسوزا سے سلسلہ منقطع کر کے انسپکٹر شاہ کو کال کیا۔انسپکٹر شاہ بھی اب ٹرانسمیٹر کے رینج میں تھا۔اسے فوراً ہی جوب مل گیا۔شاہ نے بتایا کہ تعاقب کرنے کے بعد درے کے بیرونی دہانے پر رؤف انھیں مل گیا ہے اوراب وہ ہدایت کے منتظر ہیں۔

''درّے میں داخل ہونے کے بعد کافی احتیاط سے چلنے کی ضرورت ہے، ویسے نارچیں ہوں تو راستہ بہر حال مل جاتا ہے۔اس پار نکلنے کے بعد کہیں نہ کہیں وقتی طور پر چھپ رہنے کی جگہ مل سکتی ہے۔''خان نے کہا۔''لیکن درے والا راستہ بلاک کردیا جائے۔''

جواب میں شاہ نے کہا کہ وہ اپنی یونٹ لے کر درے میں داخل ہو رہا ہے۔اور پھر سلسلہ منقطع کر دیا۔

سہ پہر کے وقت انھوں نے ان ہی بیس آدمیوں کو بستی کے چند دوسرے آدمیوں کے ساتھ دادل گھاٹی کے پراسرار درے کی طرف کاہن کی سرکردگی میں کوچ کیا۔لیکن مقدس کاہن کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی کہ بستی کے ان ہی آدمیوں میں وہ دو اجنبی بھی شامل ہو گئے ہیں جو ٹیکاما کے ساتھ آئے تھے۔بھیلوں اور دراوڑوں کے لباس میں صرف تھوڑا سا فرق تھا۔اور زیادہ فرق تھا تو محض زبان میں۔اس لیے خان نے ٹیکاما سے اس کاروائی کو دیکھنے کی ضد کر کے دراوڑوں کا لباس خود بھی پہن لیا تھا اور بالے کو بھی پہنا دیا تھا۔ایسی صورت میں ٹیکاما کو ان کے ساتھ آنے کی جرأت نہیں ہوئی۔اس لیے وہ تکلیف کا بہانہ کر کے وہیں رہ گیا۔

دادل گھاٹی کا یہ خطرناک درہ وہی تھا، جس سے ایک بار بالے کو پہنچایا گیا تھا، لیکن بستی یہ وہ نہ تھی، جہاں سے بالے فرار ہوا تھا۔وہ بستی کسی اور سمت میں تھی۔اور درے سے کافی دور تک چلنا پڑا تھا۔

جس وقت یہ قافلہ دادل گھاٹی میں داخل ہوا تو سورج کافی ڈھل چکا تھا۔شام ہونے میں دو گھنٹے کی دیر تھی۔

درختوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے وہ لوگ جھیل تک پہنچ گئے۔یہاں ان مردہ سانڈوں کو، جنھیں اس بار لوہے کی موٹی سلاخوں کے ذریعے کندھوں پر ٹانگ کر لایا گیا تھا، جھیل کے کنارے رکھ دیا گیا۔پھر مقدس کاہن نے کھڑے ہو کر انھیں پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا اور وہ لوگ پیچھے پلٹے بغیر الٹے پیروں دوڑتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگے۔یہاں تک کہ وہ گھنے

درختوں کے درمیان آ گئے۔ یہاں سے جھیل صاف نظر نہیں آتی تھی۔ جھیل کے کنارے کی جھاڑیوں نے اسے نظروں سے چھپا لیا تھا، لیکن خان اور بالے وہیں رہ گئے تھے۔ جس وقت ان سانڈوں کو جھیل میں اتارا جا رہا تھا، وہ ایک جھاڑی میں داخل ہو کر سب کی نظروں سے اوجھل ہو چکے تھے۔ ان کے بارے میں نہ کسی نے سوچا نہ سوچنے کی ضرورت محسوس کی۔ مقدس کاہن دراوڑوں کے چلے جانے کے بعد اکیلا رہ گیا تھا۔ اس نے جھیل کے کنارے کھڑے ہوئے مبہم سے نامعلوم الفاظ میں کچھ بڑبڑانا شروع کیا، جس کے بعد ہی اس نے تالی بجائی اور درختوں کی سمت سے دراوڑوں کے سنکھ جیسی کوئی چیز بجانے کی آواز سنائی دینے لگی۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ اب دیوتا ان کا نذرانہ قبول کرنے کے لیے مقدس کاہن کے سامنے ظاہر ہوا ہے، لیکن کاہن کی نظریں جھیل میں آ ملنے والے چشمے کے دہانے پر لگی ہوئی تھیں۔ کوئی پانچ منٹ اور اسے انتظار کرنا پڑا، جب دہانے سے دو کشتیاں اندر داخل ہوتی ہوئی اسے نظر آئیں۔ یہ کشتیاں کاہن کے قریب آ کر کنارے پر رک گئیں۔ ان میں سے سات آٹھ آدمی اترے۔ سب سے پہلے اترنے والا آدمی ایک غیر ملکی تھا۔ اس نے سفید شارک اسکن کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ اس کے سر پر بھی سفید فیلٹ ہیٹ تھی۔ باقی لوگوں میں سے دو اور سفید فام تھے اور باقی اچھے لباس والے ہندوستانی لوگ۔ بالے اسے دیکھتے ہی چونک پڑا۔

''کیا یہ گیسٹیلو نہیں ہے؟'' اس نے سرگوشی کے لہجے میں خان سے پوچھا۔

''ہاں۔ وہی ہے، مگر خاموشی سے دیکھے جاؤ۔'' خان نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

مقدس کاہن اور گیسٹیلو شاید کوئی سودا کر رہے تھے جس میں تھوڑی سی بحث بھی شامل تھی۔ پھر گیسٹیلو نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھ کر کچھ کہا، جس پر انھوں نے اثبات میں گردنیں ہلا دی اور گیسٹیلو نے بھی کاہن کے سامنے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اسی وقت کاہن کا اشارہ پا کر ایک آدمی آگے بڑھا اور اس نے سانڈ کے پیٹ سے چپکی ہوئی بھورے رنگ کی ایک

باریک سی جھلی کھینچ لی۔اس جھلی کے نکلتے ہی سانڈ کا پیٹ صاف کھلانظر آنے لگا۔اس آدمی نے اب اس کے پیٹ میں اپنے دونوں ہاتھ گھسیڑ دیے اور جب اس کے ہاتھ باہر نکلے تو ان میں سونے کی سلیں رکھی ہوئی تھیں۔چمکتا ہوا سنہرا کچا سونا۔

''باس،موقع یہ ہے،اپنا بھی حصہ ہو جائے گا۔''بالے نے خان کو اشارہ کیا۔

''گدھے،انھیں جانے دو۔ان سے تو رنبیر اور ڈیسوزا ہی نپٹ لیں گے۔ہمیں تو ان کا سرغنہ اور ان کے مرکز کی جڑ چاہیے۔''

اتنی دیر میں دونوں ڈھوروں کے پیٹ صاف کیے جا چکے تھے اور ان سے نکلا ہوا جس قدر سونا ان کشتیوں میں منتقل کیا گیا تھا،وہ اندازے میں کسی طرح ساڑھے تین چار لاکھ کی مالیت سے کم کا نہ تھا۔پھر گیمیلو نے مقدس کاہن کو اپنی جیبوں سے نکال کر نوٹوں کے بہت سے بنڈل دیے،جنھیں وہ اپنی چادر میں لپیٹتا گیا۔آخر میں انھوں نے ایک دوسرے سے مصافحہ کیا اور دونوں کشتیاں لوٹ کر روانہ ہو گئیں۔اس کاروائی کے بعد مقدس کاہن واپس لوٹا۔ اس نے دراوڑوں کو ہاتھ سے اشارہ کیا اور وہ جھیل پر لوٹ پڑے۔پہلے تو انھوں نے اس کا میٹھا پانی پیا،پھر مردہ ڈھوروں کو لاد کر واپس لے چلنے کی تیاری کرنے لگے۔خان کے لیے اتنا موقع بھی بہت تھا۔اس نے جھاڑی کی اوٹ میں چھپے چھپے پھر کمیونیکیٹر آن کیا اور رنبیر کو کال کرنے لگا۔اسے تقریباً ایک منٹ بعد جواب ملا۔رنبیر دوسری طرف سے بول رہا تھا۔

''سرجوندی کا ایک سرا دادل گھاٹی کے باہر سے ٹکراتا ہوا گر رہا ہے۔اس پر ابھی دو موٹر بوٹس نکل کر آئیں گی۔انھیں مع سامان کے گرفتار کر لیجیے۔ہوشیاری سے،وہ یقیناً مسلح ہوں گے،لیکن گرفتاری راز میں رہے گی۔''

''وہی ہوں گے جنھیں ہم لوگوں نے بلا مزاحمت نکل جانے دیا تھا۔''

''ہاں وہی کشتیاں ہیں جو کہ ندی کے راستے یہاں پہنچی تھیں۔انھیں گرفتار کرنے کے لیے تیار رہیے۔''

Akram Allahabadi

''میں بالکل تیار ہو، سر۔'' رنبیر نے کہا اور خان نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ خان نے ڈیسوزا کو کنفلکٹ کر کے ہدایت کی۔ ایسٹ پوسٹ کو سرجوندی کے دائیں بائیں خشکی کا گھیرا ڈالنے کی ہدایت کرتے ہوئے، وہ خود دادل گھاٹی کو جنگل کی شمالی سرحد سے گھیرے اور سگنل کا منتظر رہے۔

ان ہدایتوں کے بعد خان اور بالے جھاڑیوں میں رینگتے ہوئے درختوں والے حصے کی طرف نکل آئے۔ دراوڑاب دیوتا کی سوئیکار کی ہوئی بھینٹ کو بستی میں تقسیم کرنے کے لیے واپس لادے تھے اور قافلے میں سب سے پیچھے چلنے والوں میں خان اور بالے ہی تھے۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

ہولناک نظارے

چودھویں کا چاند نیلگوں آسمان کی لامحدود وسعتوں میں اپنی ٹھنڈی کرنیں بکھیرتا اپنی نامعلوم منزل کی طرف سرگرم سفر تھا۔اور دراوڑوں کی اس بڑی بستی کی تمام آبادی سمٹ کر اسی میدان میں جمع ہوگئی تھی، جہاں دیوتا اگیابیتال کا بت چبوترے پر ہاتھ پھیلائے کھڑا تھا۔دراوڑ دیوانہ وار ڈھول پیٹ رہے تھے۔جب سے دیوتا نے ان پر برکتیں نازل کرنی شروع کی تھیں، ان سادہ لوح انسانوں کی عقیدت اس کے لیے بے پناہ ہوگئی تھی۔اور آج تو ویسے بھی گھر گھر گوشت تقسیم ہوا تھا۔بھرپور چاندنی پھیلی ہونے کے باوجود دیوتا کے چبوترے کے سامنے اور دائیں بائیں مشعل بردار پہرا جمائے کھڑے ہوئے تھے۔دائیں بائیں وہ رائفل مین بھی تھے جو اس قافلے کے ساتھ گئے تھے۔مشعل کی روشنی میں ان کے سیاہ چہرے بڑے بھیانک نظر آرہے تھے۔اچانک ہاتھی دانت جیسے لمبے سیاہ سنکھ پھونکے جانے لگے اور ان کے بے ہنگم شور نے آسمان سر پر اٹھالیا۔یہ مقدس کاہن کی آمد کا اعلان تھا۔ٹھیک اسی وقت اپنے مخصوص زرد لباس میں مقدس کاہن اپنی قیام گاہ کے دروازے میں نمودار ہوا۔اس کے ہاتھ میں ایک سانپ کی شکل کا بل کھایا ہوا عصا بھی تھا۔لباس سے اس وقت کوئی قدیم رومی شیاح معلوم ہوتا تھا۔ اس کے دائیں بائیں دو رائفل مین اور عقب میں دو دراوڑ عورتیں چل رہی تھیں، جن کے ہاتھوں میں مورچھل تھے۔کاہن کے ساتھ ایک ہستی اور تھی۔وہی سرخ سائے والی لڑکی، لیکن اس وقت اس نے بھی بدن پر زرد چادر لپیٹ رکھی تھی۔اس کی خوبصورت سڈول اور گوری پنڈلیاں کھلی نظر آرہی تھیں اور اس کا مزاج شاہانہ انداز لیے ہوئے تھا۔

کاہن کے چبوترے پر آتے ہی چاروں طرف شور مچ گیا۔دراوڑ عقیدت سے اس کے سامنے جھک گئے۔کاہن کے چہرے پر اس وقت تقدس وجلال کے علاوہ ایک خوفناک پن

نمایاں تھا۔وہ یقیناً خوشگوار موڈ میں نہ تھا۔سامنے مجمع میں ٹیکاما،خان اور بالے کے ساتھ ہی کھڑا ہوا تھا۔

''دیکھا تم نے،کس قدر جلال ہے مقدس کاہن کے چہرے پر۔''ٹیکاما نے کہنی مار کر خان سے کہا۔

''ہاں ہاں،اس میں کیا شک ہے۔''خان نے ہاں میں ہاں ملائی۔

''ہمارے ہاں اس شکل کے بندر بھی ہوتے ہیں۔''بالے سے نہ رہا گیا،لیکن اس نے جملہ ہندوستانی میں ادا کیا،اس لیے کوئی سمجھ نہ سکا۔خان نے البتہ اسے کہنی ماری اور وہ منہ بنا کر خاموش ہوگیا۔مقدس دیوتا کے سامنے رکھے ہوئے بڑے سے عود دان میں کاہن نے کوئی سفوف ڈالا اور شعلوں کی بھڑک کے ساتھ اس میں سے سفید سفید دھواں نکلنے لگا اور ایک بار پھر دراوڑ سجدے کی حد تک جھک گئے۔اس وقت تک جھکے رہے جب تک کاہن نے انھیں سر اٹھانے کی ہدایت نہ کی۔

''دیوتا اگیابیتال اگلے موسم سرما میں میرے گھر ایک اچھی بیوی کا انتظام کردو۔''بالے جھکے جھکے بڑبڑایا۔

''کیوں؟سرما میں ہی کیوں؟''خان نے پوچھا۔

''کیا اس سردی میں بھی آپ کو اعتراض ہے؟''

لیکن اس کی توجہ اس طرف سے ہٹ گئی۔کاہن کہہ رہا تھا۔

''کہاں ہے رابونگا؟''

''حاضر ہوں،مقدس کاہن۔''ایک طویل القامت آدمی بھیڑ میں سے آگے بڑھا۔یہ وہی بھیلوں کا سردار تھا،جس کی بستی سے خان اور بالے فرار ہوئے تھے۔بالے کی نگاہیں بے اختیار لیزلی کو ڈھونڈنے لگیں۔نہ جانے کیوں وہ اسے دیکھنا چاہتا تھا۔اور وہ اسے نظر بھی آگئی۔وہ اس کے پاس ہی پیچھے کھڑی تھی۔لیکن جس وقت رابونگا کے ساتھ دو اور قیدی بھی

آگے بڑھائے گئے تو بالے کے لبوں سے حیرت سے سسکی نکل گئی۔ یہ کرنل اوران کی لڑکی افسر جہاں تھی۔ ان کے ہاتھ چمڑے کے تسموں سے کسے ہوئے تھے اور چہرے اداس اور لٹکے ہوئے۔ شاید انھیں کافی اذیت پہنچائی گئی تھی، یا ممکن ہے پیدل گھسیٹ کرلائے گئے ہوں۔

"بیچارے، آپ ہی کی وجہ سے اس نوبت کو پہنچے۔" بالے بڑبڑایا۔ "اسی لیے بسم اللہ..." بالے نے پڑھنا چاہا۔

"نہیں ٹھہرو، دیکھو کرتے کیا ہیں۔" خان نے اس کا ہاتھ پکڑلیا۔

"میں ان کا اچار ڈالوں گا، مجھے وہ دو آدمی چاہئیں۔ دیوتا ان کی بھینٹ کا منتظر ہے۔" کاہن کا لہجہ سخت ہوگیا۔

"ہم نے انھیں بہت تلاش، مقدس کاہن، لیکن..."

"لیکن نہیں ملے۔ اور مقدس غار میں پھر کیا ان کے بھوت داخل ہوئے تھے؟"

"مقدس غار میں؟" رابونگا چونکا۔ "مجھے اس کا دھیان بھی نہیں آیا، مقدس کاہن، کہ وہ اتنی جرأت بھی کر سکتے ہیں۔"

"میں معافی چاہتا ہوں۔" رابونگا نے التجا کی۔

"ان آدمیوں کے لیے کسی کو معاف نہیں کیا جائے گا۔ دیوتا کو ان کا خون چاہیے۔ تم خوش قسمت ہوتے اگر ان کو لاتے۔"

کاہن کے ان الفاظ کے ساتھ ہی خان نے محسوس کیا کہ پاس کھڑے ہوئے سردار ٹیکاما کا چہرہ جوش عقیدت سے سرخ ہوا جارہا تھا۔ خان اس کے چہرے کے ان تغیرات کے ردِ عمل کو جان گیا۔ ٹیکاما ضرور آگیا بیتال کی عقیدت میں ان کو پیش کرنے والا تھا۔

خان نے آہستہ سے بالے کا ہاتھ دبا دیا اور وہ بھیڑ میں کھسکتے ہوئے پیچھے چلے گئے۔ انھوں نے دیکھا کہ ٹیکاما حیرت سے دائیں بائیں دیکھ رہا ہے۔ پھر مجمع میں انھیں ادھر ادھر ڈھونڈنے لگا۔ خان اور بالے، رابونگا کی طرف آکر قیدیوں کے پیچھے کھڑے ہوگئے۔ بالے

Akram Allahabadi

نے دیکھا، نہ جانے کیوں لیزلی کا چہرہ زرد ہوا جاتا تھا۔

''تمہیں غفلت کی سزا ملے گی، رابونگا۔'' مقدس کاہن کی خوفناک آواز گونجی اور رابونگا کا چہرہ زرد پڑ گیا۔

''رابونگا کی بیٹی کو بھی سامنے لاؤ۔'' مقدس کاہن کا اشارہ اب لیزلی کی طرف ہوا۔

''دیوتا نے مجھے بتایا ہے کہ یہ سب کچھ اس کی وجہ سے ہوا ہے۔''

لیزلی سر سے پیر تک لرز گئی اور رابونگا کا چہرہ اچانک غصے سے سرخ ہو گیا۔

''مقدس کاہن۔'' وہ گرجا۔ اور پھر اس نے آگے قدم بڑھایا ہی تھا کہ اچانک دیوتا کا رنگ زرد ہونے لگا۔ دراوڑ فرطِ عقیدت سے پاگل ہو گئے۔

''دیوتا درشن دے رہا ہے... دیوتا درشن دے رہا ہے...'' لاتعداد آوازیں سنائی دیں۔

پھر اگیابیتال کا مجسمہ روشن ہو گیا اور اس کے دہانے سے شعلے نکلنے لگے۔ شعلوں کا نکلنا غضب کی علامت تھی۔ تمام لوگ چونک کر رابونگا کو دیکھنے لگے۔

''میں تمہاری ساری پول کھول دونگا، سور۔'' رابونگا گرجا۔ اور پھر خان نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں ایک سیاہ پستول موجود تھا جو اس نے ابھی اپنے لباس سے نکالا تھا، مگر اسے اپنی دھمکی عمل میں لانے کا موقعہ نہیں ملا، کیونکہ دو آدمی اچانک بھیڑ سے اس پر ٹوٹ پڑے اور اس کا پستول چھین لیا۔ یہ حملہ اچانک ہوا تھا، ورنہ رابونگا اکیلا ان دونوں کے لیے کافی ہوتا۔ وہ اسے دھکیل کر دیوتا کے سامنے لے آئے۔

''ارے، کوئی بچاؤ میرے باپ کو۔'' لیزلی بے اختیار چیخ اٹھی۔ اور اس کے منہ سے یہ الفاظ ایک عجیب سی زبان میں نکلے تھے، جو انگریزی سے ملتی جلتی تھی، لیکن کم از کم بالے تو اس سے واقف نہ تھا۔ مگر ہمت کس کی تھی جو آگے بڑھتا۔ اس کے علاوہ کسی کو سوچنے سمجھنے کا موقعہ ہی نہیں ملا۔ کاہن نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا دیے۔ جس کے ساتھ ہی دیوتا کے

Akram Allahabadi

منہ سے ایک خوفناک سی آواز نکلی اور پھر وہ شعلہ اجل، جس نے رابونگا پر گرتے ہی اسے جلا کر رکھ دیا۔اس کی لاش کوئلے کی طرح سیاہ نظر آنے لگی۔لیزلی ایک لخراش چیخ کے ساتھ باپ کی لاش سے چمٹ گئی اور اس منظر نے بہتوں کے دل لرزا دیے۔لیکن جب اس کے ہاتھ لگنے سے رابونگا کی لاش کا ہاتھ ٹوٹ کر الگ ہو گیا تو وہ دہشت زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گئی۔پیچھے سے اسے سنبھالنے والا بالے تھا،لیکن بالے نے جیسے ہی گھوم کر دیکھا،خان وہاں موجود نہ تھا۔

''ان دونوں قیدیوں کو بھی دیوتا کی بھینٹ چڑھا دیا جائے گا۔''مقدس کاہن نے ایک خوفناک قہقہے کے ساتھ حکم دیا۔

''اہا، آج دیوتا بہت خوش ہوگا، اتنی بھینٹیں پا کر۔'' کاہن کے ان الفاظ سے افسر جہاں پر غشی سی طاری ہونے لگی۔کاہن اب اپنے ساتھ والی لڑکی کی طرف گھوم پڑا۔

''وہ تمہارا شکار کہاں ہے؟''اس نے آہستہ سے پوچھا۔

''وہیں مجمع میں۔''لڑکی نے کہا۔

''اب اس موٹے آدمی کو لاؤ، جس نے دیوتا کے مہمان کی بے عزتی کی تھی۔'' کاہن نے حکم دیا۔جس کی فوراً تعمیل کی گئی۔

دوسری طرف سے گھسیٹ کر لایا جانے والا موٹا آدمی شوکت کے سوا دوسرا نہیں ہو سکتا تھا۔نہ جانے کیوں مایوسی کی بجائے اسے رابونگا کا انجام دیکھ کر غصہ سا آ گیا تھا۔شاید وہ سمجھ چکا تھا کہ اب تو مرنا ہے۔یہاں نہ خان صاحب بچانے آئیں نہ بالے بھائی۔

شوکت کی صورت دیکھتے ہی بالے چونک پڑا۔شوکت کو کاہن کے سامنے لے آیا گیا۔

''کیوں؟ تم بھاگ رہے تھے نا؟''مقدس کاہن شوکت سے ہندوستانی لہجے میں مخاطب ہوا۔جسے دراوڑ نہ سمجھ سکے۔

''اور نہیں تو، کیا غلام ہوں اس سالی کا۔عورت کی ذات بفادار نہیں، وہ کیا نام کہ...

دغاباز۔''شوکت یہ کہہ کراس لڑکی کوکھا جانے والی نظروں سے گھورنے لگا۔مگروہ مسکرا رہی تھی۔

اورلو، بے غیرت ہنس رہی ہے مجھ شریف آدمی کو پھانس کے۔''

''چپ رہو۔''مقدس کاہن نے ڈانٹا۔''تم دیوتا کے مہمان کی بے عزتی کرنے کی سزا جانتے ہو؟''

''کون؟ یہ...؟اس پتھر کی مہمان؟یار، دماغ چل گیا ہے تمہارا، بڈھے آدمی۔''

''ادب سے بات کرو، گستاخ۔''

''اب جاؤ جاؤ۔ووئی آگ وا گ سے جلاؤ گے نا، پھر خان صاحب آ کے تمہاری چٹنی چپٹی...نئیں وہ چٹنی بنائیں گے۔سالے،اب بھی اس حرامی پن سے باز آجاؤ۔خدا بہوت بڑا ہے،وہ سب کو دیکھتا ہے۔''

''خاموش رہو۔''

''تم خود...وہ یعنی کہ خاموش، ہائیں۔''شوکت کا دماغ غصے سے آؤٹ ہوگیا۔ رابونگا کے انجام نے اسے پاگل سا کر دیا تھا۔

''تمہیں اب بھی ایک موقع دیا جا سکتا ہے۔''اچانک کاہن نرم پڑ گیا۔

''کائے کا موقع ووقع۔وہ تو میری پھوٹ گئی تھی عقل جواس سالی کی محوبت پر یقین کرلیا۔میں اتنا وہ نہیں ہوں...یعنی کہ بیوقوف۔''

''تو تم بھی مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔''

''ارے ہاں، مارو، سالے۔اللہ تمہیں بھی، وہ کیا کہتے ہیں کہ، گدھے کی موت ماریگا۔اوراس سالی کے تو کیڑے پڑ ینگے،شوکت چیخ کر مرے گی۔''

شوکت کے اس جملے پر مارتھا بے اختیار ہنس پڑی۔کاہن بھی نہ جانے کیوں اس کے غصے سے لطف لے رہا تھا۔اس سے اس طرح کھیل رہا تھا، جس طرح شکار سے پہلے بلی چوہے سے کھیلتی ہے۔

Akram Allahabadi

''پھر سوچ لو۔''

''بہوت سوچ لیا۔ میں اس کا نام نہیں کروں گا، چاہے یہ میری بیوی بنے، چاہے ماں بنے۔''

''اے، یو شٹ اپ۔'' مارتھا چیخ اٹھی۔

''شٹ اپ تم خود۔ زبان سنبھال کر بات کرنا، ہاں۔ میں شوکت میاں جاگیردار ہوں، کوئی ایسا ویسا نہیں ہوں، اٹھایا گرا۔''

''آپ اس پر وقت ضائع کر رہے ہیں۔'' مارتھا نے اب آہستہ سے کاہن سے کہا۔

''ان تینوں کو بھی دیوتا کے سامنے لاؤ۔'' وہ دراوڑوں سے ان کی زبان میں بولا۔

فوراً ہی شوکت کو اور کرنل و افسر جہاں کو آگے دھکیل دیا گیا۔

ٹیکا ماخان کی تلاش سے مایوس ہو کر ہمت ہارنے ہی والا تھا کہ اچانک اس کی نظر بالے پر پڑ گئی۔ اس نے پیچھے سے آ کر بالے کا ہاتھ تھام لیا اور چیخ اٹھا۔

''مقدس کاہن، یہ رہا ان میں سے ایک۔''

کاہن اس کی آواز پر چونک پڑا۔ بالے سنتھالی نہیں جانتا تھا۔ وہ فوراً گونگا بن گیا۔ اسے دو دوسرے آدمیوں نے تھامنا چاہا، لیکن وہ انھیں گراتا ہوا بھاگ نکلا۔ وہ نکل جاتا، مگر اسی وقت ایک رائفل کی نال اس کے سینے سے آ لگی۔ یہ دیوتا کے محافظوں میں سے ایک تھا۔

''میں تمہارے دیوتا کی مہمان کا شوہر لگتا ہوں، مسٹر کاہن۔'' بالے نے پلٹ کر انگریزی میں کاہن سے کہا۔

''کون ہے یہ بدتمیز؟'' مارتھا چیخ اٹھی۔

''بھول گئیں، جانِ من؟ تمہارے وفادار کو، سارجنٹ بالے کہتے ہیں۔'' بالے اکڑ گیا۔

''اوہ، لیجیے، ایک تو ہاتھ آ گیا، دوسرا بھی یہیں کہیں ہوگا، یا یہاں پہنچنے والا ہوگا۔''

لڑکی مسکرا کر کاہن سے بولی۔

''تم اپنے یہاں دیکھو، اگر کوئی اجنبی تمہیں ملے تو پکڑ کر یہاں لاؤ۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کی بھینٹ کا دیوتا کو انتظار ہے۔''

''ارے بالے بھائی، تم بھی آ پھنسے؟'' شوکت گھور کر بالے کو دیکھتے ہوئے بے بسی سے بولا۔ ''یہ سالے مادرزاد حرامی ہیں۔'' وہ کاہن اور دراوڑوں کو.....(صفحات نمبر ۱۹۱ اور ۱۹۲ کتاب میں نہیں ہیں)

پھیل گئیں۔ جب انھوں نے یہ دیکھا کہ اس آواز کے ساتھ ہی اچانک دیوتا گھوم گیا، شعلہ نکلا، لیکن اس بار اس کی زد میں خود دیوتا کا مقدس کاہن تھا۔ مارتھا کے حلق ایک بھیانک چیخ نکلی اور وہ چبوترے سے کود کر بے تحاشا مجمع کی طرف بھاگی۔

مقدس کاہن جل کر خاک ہو چکا تھا۔

دیوتا ناراض ہو گیا... دیوتا ناراض ہو گیا۔'' مجمع سے سینکڑوں خوف زدہ آوازیں سنائی دیں اور لوگ پیچھے ہٹنے لگے۔ پھر ایک بار شعلہ دیوتا کے منہ سے نکلا اور اس کے گھومتے ہوئے سر کا رخ ٹیکاما کی طرف ہوا۔ وہ بھی خاک سیاہ ہو کر رہ گیا۔ دراوڑ سر پر پیر رکھ کر بھاگنے لگے۔ بالے نے ایک گھونسے میں شوکت اور کرنل کے محافظوں کو فرش دکھا دیا اور فوراً ان کے تسمے کاٹ دیے۔

''بھائی پہنچ گئے ہیں منزل تک۔'' وہ کرنل سے بولا۔

شوکت بالے سے ہاتھ چھڑا کر بھاگنے لگا۔

''تم کہاں چلے، مائی ڈیئر شوکت؟''

''ارے وہ لڑکی۔ میں نہیں جانے دونگا بالی کو، سالے بھائی... ارے توبہ، الٹا بول گیا۔''

''وہ کہیں نہیں جا سکے گی، پولیس نے اس مقام کو گھیر لیا ہے۔''

"نہیں، سچ؟" شوکت کو یقین نہیں آیا، مگر بالے اس فضائی سگنل کو دیکھ چکا تھا جو کاہن کی قیام گاہ کے پیچھے سے بلند ہوا تھا۔ یہ سگنل یقیناً خان نے دیا ہوگا۔

مگر اسی وقت ایک گولی سنسناتی ہوئی بالے کے کان کے پاس سے گزر گئی۔ وہ فوراً ہی جھک گیا۔

"بھاگ کر مجمع میں گھس جایئے، کرنل۔ رائفلوں والے محافظ ہم پر گولیاں چلا رہے ہیں۔"

اور اس وقت بالے کی ہدایت کام آئی۔ وہ خوفزدہ دراوڑوں میں گھس کر بھاگنے لگے۔ اور اس دوران میں بالے نے کرنل کو اپنا پستول تھما دیا کہ وہ پناہ کی کوئی جگہ لے کر اپنی اور افسر و شوکت کی حفاظت کر سکے اور خود اندھیرے میں کتراتا ہوا کاہن کی قیام گاہ کی طرف بڑھنے لگا۔

اچانک فائرنگ کی آوازوں سے سارا میدان گونج اٹھا۔ یہ آواز کاہن کی قیام گاہ کی طرف سے ہی آرہی تھی۔ بالے اسی طرف دوڑنے لگا۔ اسی وقت ہی دوسری طرف سے بھی فائرنگ کی آواز سنائی دینے لگی۔ یہ انسپکٹر شاہ کی پارٹی تھی، جس نے سگنل ملتے ہی حملہ کر دیا تھا۔

اسے آگیا بیتال کے حلق سے ایک پہچانی ہوئی آواز نکلتی سنائی دی۔ وہ خان کی ہی آواز ہو سکتی تھی۔ وہ پولیس آپریشن پارٹیز کو مخاطب کر رہا تھا۔

"انسپکٹر شاہ، میں خان بول رہا ہوں۔ آپ بستی کو وڑے اور گھاس کے میدانوں کی طرف سے گھیر لیجیے۔ ایک آدمی بھی نکلنے نہ پائے۔ مجرموں کا گروہ دراوڑوں میں سیاہ چہرے کیے موجود ہے۔ اور انسپکٹر ڈیسوزا، آپ وادل گھاٹی کی سمت سے جنگل کی طرف تک گھیر لے۔ سارجنٹ بالے، تم مارتھا اور ریزلی کو تلاش کرو، اور روف، تم کرنل حشمت، ان کی لڑکی اور شوکت کو یہاں کاہن کی قیام گاہ میں پہنچا دو۔"

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

تھوڑی ہی دیر میں سارا شور ختم ہوگیا۔ رائفل بردار دراوڑ رائفلیں پھینک کر دوسرے دراوڑوں میں مل گئے تھے، لیکن ڈیسوزا نے جب ان میں سے ایک ایک چہرے گرم پانی سے دھلوائے تو ان کے سفید سفید چہرے الگ نکل آئے۔ تعداد میں کل گیارہ آدمی تھے۔

''کمبخت نکل گیا۔'' خان نے مٹھیاں بھینچ کر بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

''قون کائن؟'' شوکت اونگھتے اونگھتے چونک کر بولا۔

''اگیابیتال۔'' خان کے اس جواب نے سب ہی کو چونکا دیا۔

''تو کیا کوئی انسان ہے؟'' کرنل حشمت نے حیرت سے پوچھا۔

''کرنل، یہ دیوتاؤں کا زمانہ نہیں، انسانوں کا زمانہ ہے۔ چند سائنسی شعبدوں سے ان بدمعاشوں نے جاہل اور سادہ لوح دراوڑوں کو کو بے قوف بنا کر یہ خطرناک ناٹک یہاں رچا رکھا تھا۔''

''لیکن اس کا جسم تو شعلے کا تھا؟'' رؤف نے بھی کہنا چاہا۔

''میں ایسے دس اگیابیتال بنا کر دیکھا سکتا ہوں۔ اس بت کے حلق سے نکلنے والی آواز اس مائک سے نشر کی جاتی تھی۔ میں جان رہا تھا کہ کاہن کے وہاں ہوتے ہوئے اس کی قیام گاہ میں ضرور کوئی موجود ہوگا۔ میں نے اس بات کا پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ ان کی تمام شعبدہ بازیوں کا مرکز کاہن کی قیام گاہ ہی ہے۔ اور میرا خیال صحیح نکلا۔ وہ یہاں موجود تھا اور اگر میں اپنا وہ کیمرہ نہ استعمال کرتا، تو شاید وہ مجھے ہی اپنا شکار بنا لیتا۔''

''میں ابھی تک نہیں سمجھا اس کا مصرف؟''

''وہ تھرمونکلیئر ملٹنگ مشین ہے۔ اس سے نکلنے والی روشنی کی شعاؤں سے فولاد کی چادر پگھلائی جا سکتی ہے، کسی عمارت کی دیوار میں شگاف پیدا کیا جا سکتا ہے، کسی بند کمرے کی چھت میں سوراخ کیے جا سکتے ہیں۔'' خان نے بتایا۔

Akram Allahabadi

''تو کیا آپ نے اسے پگھلا دیا؟'' بالے نے پوچھا۔

''وہ اس کی زد میں آتے ہی نکل بھاگا اور اگر مجھے تم لوگوں کی جانیں نہ بچانی ہوتیں تو میں اسے جانے نہ دیتا۔''

''لیکن گیا کدھر؟''

''تلاش جاری ہے۔'' ڈیسوزا نے کہا۔

''وہ اس طرح ہاتھ نہیں آئے گا۔'' خان کچھ سوچنے لگا۔

''میری سمجھ تو اب تک کچھ نہیں آیا۔''

''بات سیدھی سی ہے، کرنل۔ ملک کے کچھ لالچی غداروں نے ذاتی فائدے کے لیے اپنے آپ کو ایک غیر ملکی سازشی گروہ کے ہاتھوں بیچ دیا تھا۔ یہ سارا گورکھ دھندا ان ہی لوگوں کا بنایا ہوا ہے۔''

''میں اب بھی نہیں سمجھا؟''

''تو یوں سمجھ لیجیے کہ دو سال سے گوا سے ہندوستان میں کروڑوں روپے کے ناجائز سونے کی اسمگلنگ ہو رہی تھی اور یہی مقام ان کا مرکز تبادلہ تھا۔ سمتی پور میں مویشی پالنے والے ایک جاگیردار کے مویشی صرف اس لیے سرحد کی طرف ہنکائے جاتے تھے کہ انھیں گوا کی سرحد پر موجود اس ریکٹ کے آدمی گولیاں مار کر گرا لیں اور پھر ان کے پیٹ خالی کر کے ان میں دو دو، تین تین من کچے سونے کی میالیں بھر کر ایک جھلی سے محفوظ کرتے ہوئے انھیں جاگیردار کے علاقے میں پھنکوا دیتے۔ جاگیر ان مویشیوں کو صرف مردہ خور دراوڑوں کے اس قافلے کے حوالے کر دیتا تھا جس کا لیڈر ریکٹ کا ہی ایک فرد ہوتا تھا۔ پھر یہ مویشی سنٹرل ایجنسی والوں کی نظر میں آئے بغیر اس مقام تک لے آئے جاتے جہاں دادل گھاٹی میں میٹھی جھیل کے کنارے ان کا سونا نکال کر ان وطن فروشوں کے ہاتھوں فروخت کر دیا جاتا، جو کیسرندی کے راستے اسے شہر میں لے جا کر اپنے ایجنٹوں سے بازاروں میں تقسیم کراتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کے

سودے طے کرنے کا ایک مقام وہ مقدس غار بھی ہے جہاں شکاریوں کے بھیس میں ریکٹ کے شہری ممبر آیا کرتے ہونگے۔"

"مگر یہ تو بزنس ہوا۔" شوکت بول اٹھا۔ "مجھ سے بھی وہ یہی کہہ رہ تھی سالی۔"

"یہ بزنس نہیں، سیاست ہے، بیٹے۔ جس کے پیچھے بڑی بڑی طاقتوں کا ہاتھ معلوم ہوتا ہے، کسی ملک کی معاشی حالت بگاڑنا ہو تو وہاں بحران پیدا کرنے کے لیے ناجائز سونا، دیسی سونے کی قیمت گرانے اور بازاروں کا ستیاناس کرنے کا سب سے خطرناک ہتھیار ہے۔ اگر بازار میں بیوپاریوں تک گھر بیٹھے سونا ستر اسی روپے تولہ بکنے لگے، تو قومی بینکوں کے پاس موجود محفوظ سونے کے ذخیرے کی قیمت کئی کروڑ کے خسارے کا شکار ہو جاتی ہے اور پھر یہ اقتصادی بحران انقلاب، بدنظمی، لاقانونیت اور نہ جانے کتنی داخلی مصیبتیں لاتا ہے۔"

خان کسی یونیورسٹی کے لکچرار کی طرح انھیں سمجھا رہا تھا، لیکن شوکت اس طرح منہ چلا رہا تھا جیسے کسی بھینس کے آگے بین بجایا جا رہا ہو۔

تھوڑی دیر بعد ہی انسپکٹر شاہ آ پہنچا۔ اس نے رپورٹ دی کہ صرف ۱۳ آدمی گرفتار ہوئے ہیں، لیکن ان میں لڑکیوں کا کہیں پتہ نہیں ہے۔

چنانچہ خان کی ہدایت کے مطابق ان ۱۳ غیر ملکیوں کے علاوہ دراوڑوں کے دوسرے خاندانوں کے ساٹھ لیڈروں کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ اور خان نے ڈیسوزا کے ساتھ انھیں روانہ کر دیا۔ پھر اس نے کاہن کی قیام گاہ میں لگی ہوئی وہ مشین بھی ساتھ لے لی، جس کے ذریعے انڈر گراؤنڈ پائپوں سے اگیابیتال کے مجسمے میں الیکٹرانک ویوز منتقل کی جاتی تھیں اور وہاں ایک کنڈکٹنگ مشین انھیں شعلوں میں تبدیل کر کے پریشر کے ساتھ باہر پھینکتی تھی۔ یہ شعلے ہوا کے دباؤ کے ساتھ کئی کئی فرلانگ تک جا سکتے تھے۔ یہ اپنی زد میں آنے والی ہر چیز کو جلا دیتے تھے۔ البتہ وہ شعلے جو فاسفورس سے پیدا کیے جاتے تھے، زرد ہوتے تھے، ان کے لیے کسی میکنزم کی ضرورت نہ تھی، یہ بے ضرر تھے جو لوگوں کو صرف ہراساں کرنے کے کام آتے تھے۔ اس

مشین پر ایک پلیٹ لگی تھی، جس پر 'ملٹنگ الیکٹرانک مشین' کے الفاظ کندہ تھے۔

اس کے قول کی تصدیق اس وقت ہوئی جب اس نے اپنے کیمرہ نما مشین سے اگیا بیتال کے مجسمے کو پگھلا کر رکھ دیا۔ اس کے اندر انھیں کنڈکٹنگ مشین اور پائپ فٹ کیے ہوئے ملے۔ ایئر کمپریشر بھی ان پائپوں سے منسلک تھا جس کے ذریعے یہ شعلے اگیا بیتال کے حلق سے بھڑ کر نکلتے اور ہوا کے دوش پر بہتے چلے جاتے دراوڑ بڑی حسرت سے اپنے دیوتا کی گت دیکھ رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں اب تک نہیں آسکا تھا کہ یہ آدمی کونسی مٹی کے بنے ہیں کہ جنھوں نے ہمارا دیوتا کا بھی ڈھیر کر دیا۔

☆☆☆☆☆☆

وہ ابھی روانگی کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ خان کو اپنے لاسلکی نشری سیٹ پر اشارہ موصول ہوا۔ اس نے فوراً اسے آن کر دی اور کلیمپ کانوں پر چڑھا لیے۔ دوسری طرف سے رنبیر بول رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ آٹھ آدمی گرفتار کر لے گئے ہیں۔ اور ان کی کشتیوں سے تقریباً چھ من سونا برآمد ہوا ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ ان کے لیڈر کا نام گیسٹیلو ہے۔ ان کی گرفتاری اچانک چھاپہ مارنے پر فائرنگ کے تبادلے کے بعد عمل میں آئی، جس میں پولیس کے دو آدمی اور ان کے تین آدمی کام آئے۔ وہ لوگ بار بار کسی کو مدد کے لیے کال کر رہے تھے، لیکن کوئی ان کی مدد کو نہیں آیا۔

خان ابھی ان نشریے کو وصول کر کے اٹھنے ہی والا تھا کہ اچانک اینڈیکشن بلب پھر روشن ہو گیا۔ اس نے نکال کر رسیور کیا۔ یہ دیاوہاڑی آپریشن پولیس پوسٹ سے تھا۔ اس وقت ابراہیم موجود تھا جسے ڈیسوزا چھوڑ کر آیا تھا۔ اس نے بتایا کہ ایک چھوٹا ہوائی جہاز (ڈکوٹہ) پال گیری کے جنگلوں کی طرف سے پرواز کرتا ہوا آیا اور شہر کے مضافات کی طرف گیا ہے۔ اس کال کو سنتے ہی خان نے فوراً روانگی کا حکم دیا۔

☆☆☆☆☆☆

دیوتا کی موت

افسر جہاں کا غصہ کم ہو چکا تھا۔بالے کی بہادری نے سنجیدگی کے ساتھ اسے اس کا قدردان بنا دیا تھا۔تمام راستے وہ اور بالے مل کر شوکت کو بناتے رہے اور شوکت کبھی افسر جہاں کو دیکھ کر شرما جاتا، کبھی اس کے سامنے عجیب عجیب حماقتیں کرنے لگتا۔آخر میں جب افسر جہاں نے بتایا کہ تمہیں دیکھ کر مجھے اپنا بڑا بھائی یاد آگیا تھا، تو شوکت نے بالے کو لاتعداد سنائیں۔

جس وقت وہ شہر میں داخل ہوئے تو یہاں ہو کا عالم ہی اور تھا۔تمام شہر میں سنسنی پھیلی ہوئی تھی۔لوگ ہر طرف اگیابیتال کے ہی تذکرے کر رہے تھے۔خان نے اپنی کار، جو وہ ایسٹ پوسٹ سے لایا تھا، ایک پولیس اسٹیشن کے سامنے روک لی۔کرنل حشمت اور افسر جہاں اپنے گھر چلے گئے تھے، لیکن شوکت ان کے سر پر سوار تھا۔وہ کہہ رہا تھا کہ جب تک آگیابیتال نہ پکڑا جائے، میں گھر نہیں جاؤنگا، نہیں تو وہ مجھے مار ڈالے گا۔ڈیسوزا کی ہدایت کے مطابق انسپکٹر شاہ قیدیوں کو لے کر ہیڈ کوارٹرز کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔

اسٹیشن انچارج خان کی شکل دیکھتے ہی گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔

''یہ سنسنی کیسی ہے شہر میں؟'' خان نے اس سے پوچھا۔

''دراوڑوں کا دیوتا اگیابیتال شہر میں آگیا ہے۔اس نے اندھیر مچا رکھا ہے۔''

''جلدی بولو، کیا کیا ہے اس نے؟'' خان نے پوچھا۔

''اب تک پانچ آدمیوں کو جلا کر راکھ کر چکا ہے۔''

''کون تھے وہ لوگ؟''

اور جواب میں انسپکٹر نے جن پانچ آدمیوں کے نام گنوائے وہ وہی پانچ بڑے

بیوپاری تھے جن کی تلاشیاں بھی پہلے پولیس لے چکی تھی اور جن کے یہاں مارتھا گئی تھی۔

''اوہ۔'' خان اچھل پڑا۔

''چلو، بالے۔ وہ ملٹنگ مشین کہاں ہے؟''

''گاڑی میں۔'' بالے نے کہا۔

خان اس وقت کار خود ڈرائیو کرنے لگا۔ ان کا رخ اس وقت فرانسیسی قونصل خانے کے چارج ڈی افیئرز کی رہائش گاہ کی طرف تھا۔

شوکت کی تو اس بھاگ دوڑ کے اسباب کی سمائی نہ ہوسکی، لیکن وہ اس وقت بھی بالے سے مارتھا کی تعریفیں کر رہا تھا۔

''بری تھی تو کیا ہوا، شادی کر لیتی تو کتنے مزے سے گزرتی۔''

''یہاں نہیں، جہنم میں۔''

''تم تو کہو گے ہی ایسی، تمہارا بھی تو دانت تھا اس پر؟''

''نہیں، میری صرف آنکھ تھی اور رؤف بھائی کی مونچھ۔''

لیکن رؤف کے کچھ بولنے سے قبل ہی خان بالے کو گھورنے لگا اور سب کو سانپ سونگھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆

اچانک خان کے کار ایک جگہ روک دی۔ اسے جیسے کچھ یاد آ گیا۔

''رؤف، تم اتر کر سیدھے ہیڈ کوارٹرز جاؤ۔ انسپکٹر شاہ سے کہنا کہ قیدیوں کو فوراً جیل میں منتقل کر دیں۔ لاک اپ میں ان کے لیے خطرہ ہے۔ اگیابیتال اپنے آدمیوں کو ایک ایک کر کے ختم کرتا پھر رہا ہے۔''

رؤف فوراً ہی ایک ٹیکسی لے کر چلا گیا۔

فرانسیسی قونصل خانے کے آفیسر ڈی افیئر زکا بنگلہ اس وقت باہر سے تاریک نظر آرہا تھا۔صرف ایک دربان باہر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔خان نے کار باہر فاصلے سے روک لی۔

''بالے، اسے پیچھے سے جا کر دبالو، یا منہ باندھ دو، یا بے ہوش کر دو۔'' خان نے ہدایت کی۔

وہ دربان اونگھ رہا تھا۔بالے نے اسے فوراً کلورافارم سنگھا کر بے ہوش کر دیا۔پھر وہ چوروں کی طرح اس کے بنگلے میں داخل ہو گئے۔خان نے شوکت کو اندر احاطے میں چھپا دیا تا کہ کسی کو داخل ہوتا دیکھے تو بلی کی آواز میں سگنل دے دے۔پھر وہ بالے کو ساتھ لے کر بنگلے کی چھت پر چڑھ گیا۔یہاں انھیں ایک روشندان سے ایک درمیانی کمرے میں روشنی نظر آئی۔ خان نے شیشے سے جھانک کر دیکھا۔وہ تعداد میں تین تھے۔ایک مرد اور دو عورتیں۔یہاں سے کیونکہ ان کے صرف سر نظر آسکتے تھے، اس لیے وہ انھیں پہچان نہ سکے۔مرد کے ہاتھ میں پستول تھا۔وہ چارج ڈی افیئر زہی ہو سکتا تھا، لیکن وہ لڑکیاں؟ اچانک خان اس آدمی کو ٹیلیفون پر گفتگو کرتے سن کر چونک پڑا۔وہ کہہ رہا تھا۔

''ڈکوٹہ کہاں ہے؟''... ''ملٹن بار کی چھت پر؟... اچھا ہم آرہے ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ رسیور رکھتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

''تم کہیں نہیں جاؤ گے، موسیو الیفرز۔'' ایک گونجتی ہوئی آواز انھیں سنائی دی۔بالے اس وقت حیرت سے اچھل پڑا۔کیونکہ کمرے کا دروازہ کھول کر جو سایہ اندر داخل ہوا تھا، وہ اگیا بیتال کے سوا دوسرا نہ ہو سکتا تھا۔بالکل ویسا ہی خوفناک وجود جو انھوں نے مقدس غار میں دیکھا تھا۔اس کا بدن روشنی کا مجسمہ بنا ہوا تھا۔اس کی شکل دیکھتے ہی وہ تینوں لرز اٹھے۔

''کیوں کیا چلنے کا ارادہ نہیں؟'' الیفرز نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''اور یہ لڑکیاں؟''

''میں نے ایک بھی چیز ایسی نہیں چھوڑی ہے جو ہماری تحریک اور ہمارے راز کو

زبان پر لا سکے۔" اگیا بیتال خوفناک لہجے میں بولا۔

اس جملے پر وہ لڑکیاں تھر تھر کانپنے لگیں۔انھوں نے بے بسی سے چھت کی طرف دیکھا اور خان کو یہ دیکھ کر ذرا حیرت نہ ہوئی کہ وہ لیزلی اور مارتھا تھیں۔

"کمینے،تم نے میرے باپ کو بھی بے قصور مارا ہے۔" لیزلی نے یہ کہہ کر ایش ٹرے اگیا بیتال پر کھینچ ماری،جس کے جواب میں وہ ایک لمبا سا قہقہہ مار کر ہنسا۔

"بالے،جلدی سے کھولو وہ مشین کمرے۔" خان نے سرگوشی کے لہجے میں کہا،لیکن جب تک بالے اس مشین کو کھولتا،خان نے گھونسہ مار کر شیشے کو توڑا اور ادھر بیک وقت چار فائر ہوئے۔شاید پہلا فائر چارج ڈی ایفرز نے کیا تھا،لیکن باقی تین اگیا بیتال کی طرف سے ہوئے تھے۔الیکٹرانک مشین پاس نہ ہونے کی وجہ سے وہ بھسم کر دینے کی قوت کھو چکا تھا۔

"ٹھہر جاؤ،الخیام۔" خان پستول سنبھالتا ہوا یہ کہہ کر اندر کود پڑا۔ان الفاظ کو سنتے ہی وہ پراسرار وجود خود جاتے جاتے ٹھہر گیا۔

"اوہ..تو تمہاری موت بھی آخر لے ہی آئی تمہیں۔تم سمجھتے ہو کہ یہ پستول کی گولیاں میرا کچھ بگاڑ سکیں گی؟" وہ خان کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

"آج تو میں نہیں چھوڑوں گا تمہیں۔" خان یہ کہہ کر پیچھے ہٹنے لگا۔اور اگیا بیتال کے حلق سے پھر خوفناک قہقہے نکلنے لگے۔وہ تین لاشیں اب سرد ہو چکی تھیں۔

خان پیچھے ہٹتے ہٹتے دیوار سے جا لگا اور بیتال فاتحانہ انداز میں قہقہے لگاتا آگے بڑھتا رہا۔لیکن جیسے ہی وہ روشندان کے نیچے آیا،اوپر سے ٹمٹماتی ہوئی ایک نیلی کاسنی روشنی اس کے جسم پر پڑی اور وہ گھبرا گیا۔اور اس گھبراہٹ میں جیسے ہی اس کی نظریں اوپر کی طرف اٹھیں، وہ دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ کر چیخ اٹھا۔اس نے کمرے میں ادھر ادھر دوڑنا شروع کیا،لیکن اتنی دیر میں خان دروازہ بند کر چکا تھا۔ملٹنگ کی مشین اس کا تعاقب کرتی رہی،یہاں تک کہ وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔اس وقت بالے مشین سمیت اندر کود آیا۔

''بس کرو۔''خان نے کہا اور بالے نے سوئچ آف کر دیا۔

''فون کر کے ہیڈ کوارٹرز سے آدمی بلوالو۔''خان نے بالے سے کہا اور وہ فون پر چلا گیا۔

آئی جی، ڈی آئی جی اور پولیس کمشنر تینوں خان کے ساتھ سول اسپتال کے ایک بیڈ کے گرد کھڑے اس عجیب انسان کو حیرت سے دیکھ رہے تھے، جس نے اتنا خطرناک اور خوفناک ریکٹ چلا کر تہلکہ مچا دیا تھا۔ وہ سنہری مونچھوں والا ایک سیاہ فام آدمی تھا۔ اس کے موت اسپتال پہنچنے کے چند منٹ بعد ہی واقع ہو گئی تھی۔ جلا ہوا پلاسٹک اس کے بدن سے پیوست ہو گیا تھا۔ اس کی لاش بے طرح بگڑ چکی تھی۔

''یہ ہے کون آخر؟''ڈی آئی جی نے خان سے پوچھا۔

''یہ بہت بڑا بین الاقوامی اسمگلر تھا۔ اس کا نام الخیام تھا۔''

''الخیام؟ وہ فرانسیسی جس کی تلاش اسکاٹ لینڈ یارڈ کی پولیس کر رہی ہے؟''

''جی ہاں، وہی۔ اور میں نے تو یہ راز اسی دن معلوم کر لیا تھا جس دن بھیلوں کی بستی میں ظاہر کیا۔ اور میرے شبے کی تصدیق ہو گئی جب کاہن نے ہمارے قتل کی ہدایتیں بھیجیں۔ الخیام کو یہ سمجھتے دیر کیوں لگتی کہ دوسرا الخیام ہر حالت میں جاسوس ہے۔ وہ مجھے اسکاٹ لینڈ پولیس کا ہی بھیجا ہوا کوئی سراغرساں سمجھ بیٹھا۔ اس کے آدمی بارہا ہم لوگوں کے لیے سفید چہرے استعمال کرتے تھے، جو غیر ملکیوں کے لیے مخصوص ہیں۔''

''تو آپ نے گیسٹیلو وغیرہ کو پہلے ہی قبضے میں کیوں نہیں لے لیا؟''

''ایسا کرتا تو اس کی بنیاد اور اس کے مقاصد کا پتہ کبھی نہ ملتا۔ وہ اپنا طریقِ عمل بدل دیتا اور ہم اندھیرے میں بھٹکتے رہتے۔ گیسٹیلو تو محض اس کا ایک معمولی ایجنٹ تھا۔''

''پھر یہ اگیا بیتال کا کیا راز ہے؟''

''کوئی خاص نہیں۔ جرمنی میں جو بلٹ پروف پلاسٹک ایجاد ہوا تھا، اس نے بدن پر

وہی پہن رکھا تھا۔ یہ خول ایک بٹوے کی شکل کا اور ٹرانسپیرنٹ تھا، جیسے شیشہ۔ اس کے اندر سے وہ فاسفورس گیس اپنی پیٹھ پر بندھے ہوئے ایک سلنڈر کی مدد سے اس ٹیوب میں بھر دیتا۔ یہ گیس اندھیرے میں اتنی روشنی دیتی ہے جیسے ٹیوب لائٹ۔ بس اس شعبدے سے سب چکر میں تھے۔ رہا کسی چیز کو جلا کر خاک کر دینا، تو یہ کام وہ الیکٹرانک مشین سے لیتا تھا۔'' خان نے بتایا۔

''الیکٹرانک مشین؟'' آئی جی نے چونک کر پوچھا۔ ''وہ اس کے پاس کہاں سے آئی؟''

''ایک غیر ملکی حکومت کے ارباب اقتدار کی مدد سے۔'' خان نے کہا۔

''کیا مطلب؟ کیا یہ کوئی سازش تھی؟''

''میں جو رپورٹ پیش کر رہا ہوں، اس میں سب تفصیلات درج ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس کیس کو ایک سرکاری راز ہی رکھا جائے گا۔'' خان نے بتایا۔ جس پر ڈی آئی جی اور کمشنر سر ہلا کر خاموش ہو رہے۔ لیکن ان کی نظریں بتا رہی تھیں کہ وہ اس عظیم سراغرساں کی بے پایاں صلاحیتوں کے پوری طرح معترف ہیں۔

خان صاحب ان سے رخصت ہو کر باہر نکلا تو بالے اور شوکت سیڑھیوں پر ہی بیٹھے ہوئے تھے۔

''یہ کیا بیہودگی ہے؟'' خان نے بالے کا کان تھام کر کہا۔

لیکن بالے کی بجائے اس بار بے خیالی میں شوکت جواب دے بیٹھا۔

''ہم لوگ اپنی اپنی بیویوں کا ماتم کر رہے ہیں۔ نہیں بالے بھائی۔ وہ کیا، ہاں بیویوں کا...'' شوکت اٹکنے لگا۔

''وہ جو ہوتے ہوتے مر گئیں۔'' بالے نے جملہ پورا کر دیا۔

لیکن پھر دونوں خود ہی اٹھ کھڑے ہوئے، کیونکہ سامنے سے اسپتال کی دو نوجوان

نرسیں انھیں دیکھ کر مسکراتی ہوئی گزر رہی تھیں۔

☆☆☆ ختم شد ☆☆☆

Akram Allahabadi